وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

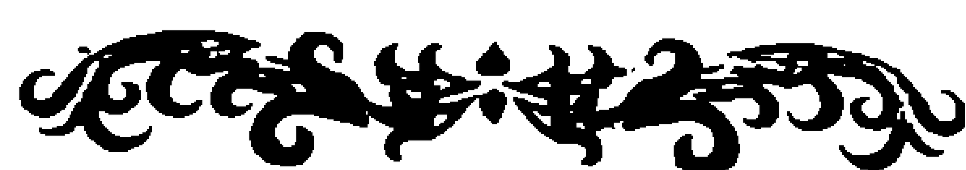
مُقَامِ حیات

المسمّٰی بہ

مَدَارِكُ الْاَذْكِيَاءِ فِي حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ علیہم السلام

مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان

(جلد دوم)



تالیف:
محقق العصر، جسٹس
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

فقل للعیون الرمد إیاک أن تری ‌ ‌ ‌ سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیالیا

گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے واسطے ڈھونڈ لیں

مقام حیات

المسمّٰی بہ

جلد دوم

مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

مکین گنبد خضرا کی حیات برزخی کا بیان

تالیف

محقق العصر جسٹس

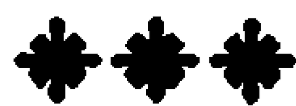
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔۔۔ أَمَّا بَعْدُ!

ہمارے جن دوستوں کو عقیدہ حیات النبی ﷺ تسلیم کرنا گراں محسوس ہوتا ہے تعجب ہے کہ وہ اس سے زیادہ گراں ایک دوسرے عقیدہ کو ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں وہ دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی صرف آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا رہتا تھا۔ آنکھیں اور دل دونوں آپ کے جسد اطہر کا حصہ تھے اور آپ کے دل کا جاگتے رہنا بھی ایک برزخی کیفیت تھی جو اس جسد اطہر میں اتری ہوئی تھی اب اگر آپ کی وفات کے بعد اس جسد اطہر میں حیات برزخی مان لی جائے تو آپ خود سوچیں کہ ان دوستوں کو اس میں کیوں کوئی گرانی محسوس ہوتی ہے؟

اگر وہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کو تسلیم نہیں کرتے تو وہ آپ کے نیند میں دل جاگنے کو بھی تسلیم نہ کریں اور ان دونوں عقیدوں کے انکار سے وہ کھلے طور پر معتزلہ کی لائن پر آجائیں۔

پھر اس پر تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے جب آنکھوں کا سونا اور دل کا جاگنا صرف آپ میں نہیں دجال میں بھی تسلیم کیا جائے حضور اکرم ﷺ نے خود اسے بیان فرمایا۔

حضرت ابوبکرہ ﷛ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یَمْکُثُ أَبُو الدَّجَّالِ ثَلَاثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَھُمَا وَلَدٌ ثُمَّ یُوْلَدُ لَھُمَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضْرَسُ وَأَقَلُّہُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہُ. ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أَبَوَیْہِ فَقَالَ: أَبُوْہُ طُوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ کَأَنَّ أَنْفَہُ مِنْقَارٌ وَأُمُّہُ امْرَأَةٌ فِرْضَاخِیَّةٌ طَوِیْلَةُ الْیَدَیْنِ. فَقَالَ أَبُوْ بَکْرَةَ: فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِي الْیَھُوْدِ. فَذَھَبْتُ أَنَا وَالزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی أَبَوَیْہِ فَإِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْھِمَا فَقُلْنَا ھَلْ لَکُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَا: مَکَثْنَا ثَلَاثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضْرَسُ وَأَقَلُّہُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہُ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِھِمَا فَإِذَا ھُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِي قَطِیْفَةٍ وَلَہُ ھَمْھَمَةٌ فَکَشَفَ عَنْ رَأْسِہِ فَقَالَ: مَا قُلْتُمَا: وَھَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا؟ قَالَ: نَعَمْ تَنَامُ عَیْنَايَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِي''

(رواہ الترمذی، جامع ترمذی ج ۲، ص ۴۹، مشکوٰۃ ص ۴۷۹)

ترجمہ و شرح از مظاہر حق جدید

حضرت ابوبکرۃ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا دجال کے والدین تیس سال اس حالت میں گزاریں گے کہ ان کے ہاں کوئی لڑکا نہیں ہوگا پھر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑے دانتوں والا یعنی کچلیوں والا ہوگا بعض حضرات نے کہا وہ دانتوں سمیت پیدا ہوگا وہ بہت کم فائدہ پہنچانے والا ہوگا اس کی دونوں آنکھیں سوئیں گی لیکن اس کا دل نہیں سوئے گا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے اس کے ماں باپ کا حال بیان کیا اور فرمایا اس کا باپ غیر معمولی لمبا اور کم گوشت والا یعنی دبلا ہوگا اس کی ناک مرغ جیسے جانور کی چونچ کی طرح لمبی اور پتلی ہوگی اور اس کی ماں موٹی چوڑی اور لمبے ہاتھوں والی ایک عورت ہوگی۔

ابو بکرۃ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ کے یہودیوں میں ایک عجیب وغریب لڑکے کے بارے میں سنا تو میں اور زبیر بن العوام اس کو دیکھنے چلے گئے جب ہم اس لڑکے کے والدین کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل اسی طرح کے ہیں جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے ان کے بارے میں بیان کیا تھا ہم نے ان دونوں سے پوچھا کیا تمہارے کوئی لڑکا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم نے تیس سال اس حالت میں گزارے کہ ہمارے کوئی لڑکا نہیں تھا پھر ہمارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جو بڑے دانتوں والا اور بہت کم فائدہ پہنچانے والا ہے اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا۔

ابو بکرۃ کہتے ہیں کہ ہم دونوں ان کی یہ بات سن کر وہاں سے چل دیے اور پھر اچانک ہماری نظر اس لڑکے پر پڑی جو دھوپ میں چادر اوڑھے پڑا تھا اور اس کی چادر میں سے گنگناہٹ کی سی ایسی آواز آرہی تھی جو سمجھ میں نہیں آتی تھی ہم نے وہاں کھڑے ہو کر آپس میں اس کے متعلق کوئی بات کہی ہوگی اس نے سر سے چادر ہٹا کر ہم سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا کہا ہے؟ ہم نے اس سے کہا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ تو سو رہا ہے کیا تو نے ہماری بات سن لی ہے؟ اس نے کہا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

مظاہر حق میں آگے اس کی یہ شرح لکھی ہے: ''لیکن اس کا دل نہیں سوئے گا کا مطلب یہ ہے کہ وساوس و اوہام اور افکار فاسدہ کے مسلسل آتے رہنے کی وجہ سے سوتے وقت بھی وہ افکار فاسدہ اس سے منقطع نہیں ہوں گے بایں طور کہ شیطان اس کو القاء کرتا رہے گا جیسا کہ افکار صالحہ کی کثرت اور وحی والہامات کے مسلسل آتے رہنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کا دل مبارک نیند کی حالت میں بھی نہیں سوتا تھا۔'' (مظاہر حق جدید ج ۵، ص ۹۵)

قارئین حیران ہوں گے کہ ''تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَایَنَامُ قَلْبُہٗ'' کی صفت اس میں بھی پائی جائے گی اور وہ ایک انسان ہوگا اور ماں باپ سے پیدا ہوا ہوگا اس وقت ہم دجال کے اپنے حالات سے بحث نہیں کر رہے اس کی صرف اس صفت پر حیرت ہو رہی ہے کہ اس کی صرف آنکھیں سوتی ہوں گی، دل جاگتا رہنے والا ہوگا۔

یہ وہ عمیق فکر ہے جسے حل کرنے کے لیے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ نے آب حیات لکھی تھی اور اس میں اس کے باعث مسئلہ حیات النبی ﷺ زیر بحث آ گیا یہ اتنا مشکل معرکہ تھا کہ ان کے بریلی کے مولانا محمد احسن نانوتوی ؒ مترجم احیاء العلوم اور درمختار بھی خود حل نہ کر سکتے تھے اور انھوں نے اسے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کی خدمت میں بغرض جواب بھیج دیا، ''آب حیات'' ان کے اسی سوال کا جواب ہے۔

نادان سمجھتے ہیں کہ حضرت حجۃ الاسلام ؒ نے ''آب حیات'' ویسے ہی حسنِ عقیدت اور اظہار محبت میں لکھ ڈالی اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس میں آپ کے سامنے کتنی مشکل گزار گھاٹی تھی جسے وہ معتزلہ کے خلاف عبور کرنا چاہتے تھے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں اسے اس جڑ سے شروع کریں جس سے اسے معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی شان تنزیہہ کے خلاف سمجھا۔

خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ ہے

اہل سنت کے بنیادی عقیدے خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کو جب تک تسلیم نہ کیا جائے اور اسے اللہ کی شان تنزیہہ کے خلاف نہ جانا جائے اس وقت تک اس بات کو نہیں سمجھا جا سکتا کہ دجال کا یہ وصف کہ اس کی آنکھیں سوتی

ہوں گی مگر دل جاگتا ہوگا اس حقیقت تک حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ جیسے محققین کی دور رس نگاہ ہی پہنچ سکتی ہے یہ ہر کسی کا نصیب نہیں۔ ایمان اور کفر، حق اور باطل، خیر اور شر اپنی اپنی جگہ مستقل حقیقتیں ہیں ان میں عدم اور وجود کی نسبت نہیں ہر دو کی اپنی اپنی تخلیق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوتی ہے اور اسی کا اقرار خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کے الفاظ سے کیا جاتا ہے شر اپنی ذات میں تو شر ہے لیکن اس کی تخلیق شر نہیں یہ فعل خداوندی ہے اور اللہ شر سے پاک ہے افسوس کہ معتزلہ اسے سمجھ نہیں پائے۔

اہل سنت کے اس عقیدے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہر دو کے اپنے اپنے منابع ظہور اور معادن وجود ہوں۔ ایمان کا منبع حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور کفر کا معدن دجال اکبر ہو۔ جس کا دنیا کے آخری دور میں ظہور ہوگا اس تقابلی مطالعہ کے بغیر شاید ہمارے نادان دوستوں کو عقیدہ حیات النبی ﷺ سمجھ نہ آسکے۔

حضور ﷺ کے منبع ایمان ہونے کا قرآنی بیان

''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ'' (پ۲۱، الاحزاب ۶)

ترجمہ: نبی تمام مؤمنین کے ساتھ خود اس کے اپنے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی ازواج سب مومنین کی مائیں ہیں۔

یہاں لفظ مؤمنین حضور اکرم ﷺ کی وفات سے پہلے کے مؤمنین سے خاص نہیں کیا جاسکتا یہاں مؤمنین سے مراد تمام وہ مؤمنین ہیں جو حضور ﷺ کی وفات سے قبل اور اس کے بعد قیامت تک کہیں بھی پائے گئے اور آپ کی ازواج ان سب کی مائیں ہیں جس طرح یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور ﷺ کی بیویاں صرف آپ کی وفات سے پہلے کے مؤمنین کی مائیں ہیں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آپ صرف انہی مؤمنوں کا منبع ایمان ہیں جو آپ کی وفات سے پہلے کے مؤمنین تھے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خود اس آیت سے یہ استشہاد فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: {النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ}'' (صحیح بخاری ج۲، ص ۲۰۵)

یہ آیت موقع تبوک پر نازل ہوئی تھیں لیکن وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ کے ربط نے اسے پوری امت کے لئے عام کر دیا سو اس میں کوئی تردد نہیں رہ جاتا کہ آپ ﷺ تمام ارواح مؤمنین کے لئے جو قیامت تک کہیں بھی پائی جائیں منبع ایمان ہیں جس طرح آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ان تمام مومنین کی مائیں ہیں کسی کی نانی نہیں کیونکہ نانی کا رشتہ ماں کے بعد ظہور میں آتا ہے اور یہاں ماں کی امومت کبھی ختم ہونے والی نہیں قیامت تک جو مؤمنین کہیں بھی پیدا ہوں امہات المؤمنین ان کی بھی مائیں ہیں نانی کسی کی نہیں۔

اب جبکہ ایمان کے مقابل کفر بھی ایک حقیقت ہے تو تمام ارواح کفار کا بھی کوئی معدن وجود ہوگا جس سے دنیا کے تمام کافروں کو کفر ملے یہ وہ دجال اکبر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کے ہاتھوں قتل ہوگا، اس دجال اکبر کی روح سے تمام سلسلہ شیاطین چلا اور منبع ایمان سے شیاطین کے مقابل فرشتے اللہ تعالیٰ کے موکلین ہو کر چلے منبع ایمان اور منبع کفر کی یہ معرکہ آرائی قیامت تک چلے گی یہاں تک کہ منبع کفر دجال اکبر حضرت عیسیٰ بن مریم کے ہاتھوں قتل ہو اور دنیا کی صف لپیٹ دی جائے۔

ایمان سے موصوف بالذات صرف حضور اکرم ﷺ ہیں اور جن کو بھی ایمان ملا حضور ﷺ سے ہی ملا اور کفر سے موصوف بالذات دجال اکبر ہے اور وہ ہی تمام کافروں کے لئے کفر کا منبع ٹھہرا۔ اور اللہ رب العزت کی طرف سے موصوف بالذات کو یہ نشان دیا گیا کہ سونے کے وقت صرف اس کی آنکھیں سوئیں اور دل کا اس کا جاگتا رہے اس نشان کے بغیر دنیا میں ایمان وکفر کی ابدی معرکہ آرائی کسی طرح قائم نہ رہ سکتی تھی۔

یہ وہ ضرورت تھی جس کے لئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ کو آب حیات لکھنی پڑی یہ کوئی فروعی موضوع نہیں جس کے لئے حضرت حجۃ الاسلام ﷫ نے تمام مؤمنین کے لئے عقیدہ حیات النبی ﷺ لازم بتلایا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت حجۃ الاسلام ﷫ کا دوسرا اصولی موضوع شیعہ کے پیدا کردہ وسوسوں کو دور کرنا رہا ہے اور آپ کی اس کتاب آب حیات میں یہ دونوں موضوع اصولی درجے میں لپٹے ہوئے ہیں انہیں کسی طرح فروعی نہیں کہا جاسکتا آپ نے اس میں جو حیات النبی ﷺ کا عقیدہ لکھا ہے وہ دراصل شیعوں کے رد میں تھا جسے خواہ مخواہ منکرین حیات نے اپنے سر لے لیا ہے اور اس کی تصریح حضرت حجۃ الاسلام ﷫ نے خود اپنی کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' کے آخر میں کر دی ہے۔

اس مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ کو جاننے کے لئے پہلے اس مسئلے کو جاننے کی ضرورت ہے کہ انبیاء کرام کے اجسادِ کریمہ کا...... (خمیر) جنت کی مٹی سے اٹھایا جاتا ہے اس لیے انھیں اس زمین کی مٹی کھا نہیں سکتی۔ جب تک ہمارے قارئین اسے سمجھ نہ پائیں انہیں عقیدہ حیات النبی ﷺ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔

گنبد خضریٰ کے سایہ تلے تین یکجاء مقدس وجود

اہل سنت کے حق پر ہونے کی یہ شہادت پندرہ سو سال سے سب کے سامنے چلی آرہی ہے کہ گنبدِ خضریٰ کے سایہ میں تین مقدس وجود اس طرح اکٹھے ہیں گویا یہ تینوں ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے اور ان میں صداقت اس صورت میں چمک سکتی ہے کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کو تسلیم کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ اور شیخین کریمین ﷠ وہاں (اس روضہ پر) پیش کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان نے ''فتاویٰ افریقہ'' میں ایک روایت اس طرح نقل کی ہے: ''خُلِقْتُ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ مِنْ تُرْبَةٍ وَاحِدَةٍ وَفِيْهَا نَعُوْدُ''

ترجمہ: میں اور ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے اور اسی میں ہم واپس کیے جائیں گے۔

تاریخ میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ یہودیوں نے مختلف ادوار میں خفیہ سرنگ لگا کر اندر ہی اندر روضہ مبارکہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کیا گیا وعدہ ہر موقع پر پورا کیا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یہودیوں سے بچائے گا ان کے ہاتھ تجھ تک پہنچ نہ سکیں گے۔ ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ '' (پ۶، المائدہ ۶۷)

یہودیوں کی ان تمام مراحل میں یہی کوشش رہی کہ جس طرح بھی ہو سکے حضور ﷺ کے جسد مبارک کو ان دو سے جدا کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ خواہش اور تمنا شیعوں کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔

یہ ایک بات ضمنی طور پر سامنے آگئی اصل بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایمان کا منبع اور معدن حضور ﷺ کو بنایا ہے کفر کا معدن اس نے دجال کو بنایا ہے ایمان اور کفر، حق اور باطل کی ابدی معرکہ آرائی

خدا کے اس نظام حکمت سے اب تک چلی آرہی ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دجال کی بھی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے ایسا نہ ہوتا تو کفر کسی طرح دنیا میں قائم نہ رہ سکتا تھا۔ کفار سے دجال کے افکار فاسدہ اور کفری وسوسے ایک لمحے کے لیے بھی منقطع نہیں ہوتے اس سے لازم ٹھہرتا ہے کہ کفر کا منبع دائمی حیات سے متصف ہو یہاں تک کہ وہ سوئے بھی تو اس کا دل جاگتا رہے تاکہ کافروں پر ہر لحہ اس کا عمل جاری رہے۔

چھٹی صدی کے قاضی عیاض (۵۴۴ھ) دجال کے اس اتصاف ذاتی کو اسی طرح لازم سمجھتے ہیں جس طرح حضور ﷺ ایمان کے اتصاف ذاتی سے متصف بالذات ہیں کہ آپ جب نیند میں ہوتے تھے تو آپ کی صرف آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا رہتا تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ پہلے (شخص) نہیں ہیں جنھوں نے منبع ایمان (حضور پاک ﷺ) اور منبع کفر (دجال اکبر) دونوں کو ایمان اور کفر سے موصوف بالذات مانا ہے کہ نیند میں اس کی صرف آنکھیں سوئیں اور دل جاگتا رہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کے دجال کے بارے میں اصل الفاظ محدث کبیر ملا علی قاری کی نقل سے ملاحظہ ہوں:

''قَالَ الْقَاضِي رَحِمَهُ اللهُ: أَيْ لَا تَنْقَطِعُ أَفْكَارُهُ الْفَاسِدَةُ عَنْهُ عِنْدَ النَّوْمِ لِكَثْرَةِ وَسَاوِسِهِ وَتَخَيُّلَاتِهِ وَتَوَاتُرِ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ إِلَيْهِ كَمَا لَمْ يَكُنْ يَنَامُ قَلْبُ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَفْكَارِهِ الصَّالِحَةِ بِسَبَبِ مَا تَوَاتَرَ عَلَيْهِ مِنَ الْوَحْيِ وَالْإِلْهَامِ''

(مرقات ج۱۰، ص۲۲۸ طبع ملتان)

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں کہ دجال سے اس کے افکار فاسدہ نیند میں بھی اس سے جدا نہیں ہوتے، اس کے وسوسوں کی بھر مار اور کثرت تخیلات سے اور شیطان جو اس پر تواتر سے اپنی باتیں اتارتا رہتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا قلب مبارک نہ سوتا تھا جب آپ نیند میں ہوتے آپ کا افکار صالحہ سے، جو تواتر سے آپ پر بصورت وحی اور الہام اترتے تھے، دل جاگتا رہتا ہے۔

اب کیا کوئی حضرت قاضی عیاض پر یا ملا علی قاری پر یہ الزام عائد کر سکتا ہے کہ انھوں نے دجال کو بھی اسی طرح کفر کے اتصاف ذاتی سے متصف مان لیا جس طرح آنحضرت ﷺ ایمان کے اتصاف ذاتی سے موصوف بالذات تھے اور نیند میں بھی صرف آپ کی آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا رہتا تھا؟

دسویں صدی کے پٹنہ کے مشہور محدث علامہ محمد طاہر (۹۸۶ھ) بھی یہی بات کہتے ہیں: ''لَا يَنَامُ قَلْبُهُ فِي حَقِّ النَّبِيِّ ﷺ وَفِي حَقِّ الدَّجَّالِ'' (مجمع البحار ج۴، ص۸۲۸)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اپنی فارسی شرح مشکوۃ میں دجال کے بارے میں یہی بات کہتے ہیں: ''خواب مے کند دو چشمان او و خواب نمے کند دل او بجہت کثرت وساوس و توالی افکار فاسدہ۔''

(اشعۃ اللمعات ص۳۷۲ ج۴)

ترجمہ: اس کی دو آنکھیں تو سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا اپنے وسوسوں کی کثرت سے اور افکار فاسدہ کے پے در پے اس پر اترنے سے۔

اہل سنت کے سب اکابر یہی بات کہہ رہے ہیں کہ جو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نے کہی ہے ان سب میں منبع ایمان آنحضرت ﷺ اور منبع کفر دجال کی بات ایک دوسرے کے مقابل لائی گئی ہے لیکن ہم اس پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ملتان کے مولانا احمد سعید کاظمی نے اپنے ایک مقالہ میں بڑی جرأت سے اس کا انکار کیا ہے

آپ لکھتے ہیں: ''اسی طرح آپ کی آنکھوں کا سونا اور دل کا نہ سونا بھی ایک ایسی صورت ہے جو انبیاء کے سواء اور کسی کے لئے کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں چہ جائے کہ دجال کو دلیل شرعی تسلیم کرتے ہوئے اس کے لئے یہ وصف نبوت ثابت کر دیا جائے۔ الحاصل حضور ﷺ کے خصوصی اوصاف دجال کے لیے ثابت کرنا معاذ اللہ تنقیص شانِ نبوت ہے۔'' (مقالات کاظمی ج ۲ ص ۳۰۵ تا ص ۳۰۶)

اسی طرح یہ بات بھی نہایت لائق توجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے آب حیات میں جو عقیدہ حیات النبی ﷺ لکھا وہ دراصل شیعہ کے رد میں تھا جسے خواہ مخواہ منکرین حیات نے اپنے سر لے لیا یقین نہ آئے تو براہ کرم حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی عالمی شہرت یافتہ کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' کے آخر میں لکھی یہ بات خود آپ ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

آپ اسے بعنوان ''خلاصہ جواب طعن فدک'' لکھتے ہیں: جو صاحب مذہب تشیع کی حمایت کریں اور بوجہ ہبہ فدک یا میراث فدک اول الخلفا کی شکایت کریں تو ان کو درصورت دعوی ہبہ ان تین مقدموں کا اثبات لازم ہے اور بصورت ادعاء اپنی تین باتوں کی تحقیق واجب ہے۔

ہبہ کی صورت میں تو اول مملوک نبوی ہونا فدک کا۔ دوسرے وقوعہ ہبہ۔ تیسرے حصول قبض۔ علیٰ ہٰذ القیاس درصورت میراث اول مملوک نبوی ہونا فدک کا دوسرے زوال حیات سرور کائنات ﷺ اور انقطاع تعلق روح پر فتوح حضرت محمد ﷺ جو جسم اطہر کو حاصل تھا تیسرے عموم خطاب ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ'' یہاں تک کہ حضرت رسول اکرم ﷺ بھی داخل زمرۂ مخاطبین ہوں اور یہ خطاب مثل دیگر اشخاص مومنین امت آپ کو بھی شامل ہو۔ (ہدیۃ الشیعہ ۴۶۴ طبع ملتان)

اب یہاں دیکھئے کہ آپ مسئلہ حیات النبی ﷺ شیعہ کے خلاف لکھ رہے ہیں یا ان موجودہ منکرین حیات کے خلاف! یہ ان لوگوں کی نادانی کی انتہاء ہے کہ ابھی تک سمجھ نہیں پائے کہ عقیدۂ حیات النبی ﷺ میں اہل سنت کو کن کن سے اختلاف ہے؟ آپ ''ہدیۃ الشیعہ'' کے آخری صفحہ پر حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی یہ عبارت بھی پڑھ لیں: ''ناظران ہدیۃ الشیعہ پر مخفی نہ رہے گا کہ ہبہ تین مقدموں سے آخر کے دو مقدمے تا ہنوز اہل تشیع سے ثابت نہ ہوئے بلکہ موافق اصول اہل سنت ان کی نقیض ثابت ہے اور میراث کے دعویٰ کے لئے جو تین مقدمے موقوف علیہ ہیں ان میں دوسرے مقدمہ کا ابطال اگرچہ بظاہر دشوار ہے پر اس ہیچمدان نے اس باب خاص میں ایک رسالہ مسمیٰ بآب حیات لکھا ہے جس کی ضخامت پانچ چھ جزء سے کم نہ ہوگی اور انشاء اللہ اگر منشی محمد حیات صاحب کی عنائت رہے تو وہ بھی قریب ہی مطبوع ہو کر مطبوع طبائع ہوتا ہے اس کے دیکھنے کے بعد امید خدا سے یوں ہے کہ شیعوں میں سے بھی جو صاحب انصاف پسند ہوں حق بول اٹھیں ورنہ اہل حق یعنی اہل سنت کا تو کام یہی ہے کہ حق کو حق مانیں اور باطل کو باطل جانیں۔''

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کے سامنے مولوی حامد حسن کا لاجواب ہونا

''ہدیۃ الشیعہ'' کی یہ آخری عبارت بھی پڑھ لیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''۱۲ ہجری میں جو مرکزہ دائرہ تشیع نصیر الدین طوسی ثانی نور اللہ شوستری مکانی مفتی محمد قلی کے قرۃ العین مولوی حامد حسین جو اثناء سفر لدھیانہ وارد میرٹھ ہوئے اور میر مہدی علی فرزند ارجمند عمر دراز علی خان کے مکان پر تشریف لائے اور یہ پریشان

روزگار جو بوجہ پابندی علاقہ مطبع مجتبائی وہاں ان دنوں شب و روز گزارتا تھا ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ اس قسم کا مذکور پیش آیا تو مولوی صاحب موصوف کو کچھ جواب نہ آیا۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ''

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بڑے بڑے پادریوں اور پنڈتوں کی شکستیں تو پورے ہندوستان میں زبان زد عام و خاص تھیں اب یہاں شیعوں کے اس مرکزی عالم کا اس طرح لاجواب رہنا شیعوں کے مقابلہ میں بھی زبان زد خاص و عام ہو گیا۔

کیا اب بھی اس میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''آب حیات'' دراصل شیعہ کے خلاف لکھی ہوئی ایک کتاب ہے اور اس میں اہل سنت کا عقیدۂ حیات النبی ﷺ آپ کی شیعوں کے خلاف ایک حق کی صدا ہے اور حیات النبی ﷺ کے انکار کو کسی طرح اہل سنت کے گھر کا اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ دیوبند کی چھتری تلے کہیں یہ غلط فہمی پیدا کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک فروعی مسئلے کا اختلاف ہے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے پوری وضاحت سے شیعوں پر یہ الزام دھرا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے جسد اطہر سے آپ کی روح کے تعلق کے مخالف ہیں۔

شیعہ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے روح کے تعلق کے خلاف کیوں؟

یہ اس لئے کہ گنبد خضریٰ کے سایہ تلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اسی روضہ مبارکہ میں آپ کے ساتھ دفن ہیں اگر حضور اکرم ﷺ اپنی اس حیات برزخی میں سلام عرض کرنے والوں کا سلام خود سماعت فرماتے ہیں تو ساتھ ہی گنبد خضریٰ کے دونوں مکین بھی حضور اکرم ﷺ کی اس حیات اور سماع کے نور سے فیضیاب ہو رہے ہیں جب تک اس روضہ اطہر میں حضور اکرم ﷺ کی حفاظت ہوتی رہے گی آپ کے یہ دونوں رفیق بھی اس حفاظت سے محفوظ ہیں جب بھی کسی دشمن نے حضور ﷺ کو ان دونوں سے علیحدہ کرنا چاہا ان کی ہر سازش ناکام ہوئی یہ وہ وجہ ہے جس کے باعث شیعہ عقیدہ حیات النبی ﷺ اور آپ کے خود وہاں سماع صلوٰۃ و سلام فرمانے کے خلاف ہیں۔

اب تو کسی نادان کے ذہن میں یہ شبہ نہ رہنا چاہئے کہ ''آب حیات'' اصل میں شیعوں کے خلاف لکھی ہوئی ایک علمی دستاویز ہے اور عقیدہ حیات النبی ﷺ ہرگز اہل سنت کے ہاں کا کوئی فروعی مسئلہ نہیں ہے۔

روضہ کے جسد اطہر سے روح کا تعلق ہو تو روح کا اپنا مقر کہاں مانا جائے؟

ہمارے بعض نادان دوست یہ کہتے سنے گئے کہ حضور ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ کوئی رہنے کی جگہ ہے ایسا نہیں سجین اور علیین یہ دو دفتر ہیں جہاں دوزخیوں اور جنتیوں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں سو یہ بات کسی طرح نہیں مانی جا سکتی کہ یہ دو کوئی رہنے کی جگہیں ہیں۔

قرآن کریم میں انہیں اعمال ناموں کا دفتر بتلایا گیا ہے:

''كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ، وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ، كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ، يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ، ''

(پ ۳۰، المطففین ۱۸ تا ۲۱)

ترجمہ: بیشک اعمال نامہ نیکوں کا ہے علیین میں اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا جس کو دیکھتے ہیں نزدیک والے۔

نزدیک والوں سے مراد فرشتے اور اللہ کے مقرب بندے ہیں جو خوش ہو کر مومنین کے اعمال نامے دیکھتے ہیں۔ اور علیین ایک دفتر ہے جس میں مومنین کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں یہ کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے ہر مومن کی روح وفات کے بعد وہاں نام لکھانے جاتی ہے شہداء کرام کو وہاں سبز رنگ کے پرندوں کی مسہریاں مہیا کر دی جاتی ہیں جس میں بیٹھے وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہیں۔ حدیث میں انہیں حواصل طیر خضر سے ذکر کیا گیا ہے۔ سو یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک بھی وہاں کہیں مقیم ہے اور اس کا ایک تعلق آپ کے روضہ اطہر میں رکھے جسد اطہر سے بھی ہے۔ آپ کے اس جسدِ اطہر سے بڑھ کر کوئی اور جگہ نہیں جہاں آپ ﷺ اپنی اس حیات برزخی سے رونق افروز ہوں اور روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہوں۔

اگر کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کو عالم بالا میں کھلے طور پر سیر کرتا سمجھیں اور اس کا ایک تعلق اس روضہ اطہر کے جسد مبارک سے بھی تسلیم کریں تو اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کیونکہ حضور ﷺ کی اس حیات برزخی کی ان دونوں صورتوں کا ذکر اسلاف میں ملتا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ خود گو اسی حیات کے معتقد ہوں جو روح مقدسہ کو اسی جسد اطہر میں مانے لیکن آپ نے اپنے اس بیان میں کہ شیعہ جسد اطہر سے روح کے تعلق کے خلاف کیوں ہیں؟ کچھ وسعت نظر سے کام لیا ہے کہ میں اپنے اس موقف پر اصرار نہیں کرتا اگر کوئی تعلق روح سے بھی آپ کی اس حیات برزخی کا قائل ہو میں اسے عقیدہ حیات النبی ﷺ سے باہر نہیں سمجھتا۔

حضرت حجۃ الاسلام ﷫ کا آبِ حیات میں اصل موضوع فکر شیعہ وسوسوں کی تردید رہا اور آپ نے آب حیات جیسا کہ آپ نے خود تصریح فرما دی شیعہ عقائد کے خلاف ہی لکھی تھی جسے ہمارے نادان دوستوں نے بلا وجہ اپنے سر لے لیا یہ لوگ حضرت حجۃ الاسلام ﷫ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ حضور ﷺ کی روح پر فتوح کے آپ کے جسد اطہر سے جدا ہونے کے قائل نہیں حضرت ابوبکر صدیق ﷜ نے آپ پر دو موتوں کے جمع ہونے کی نفی کی ہے اور اس حدیث کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب ہم جسے عقیدہ حیات النبی ﷺ کہتے ہیں اس کا مفہوم یہی ہے کہ جو حیات برزخی آپ کو اپنے روضہ میں بعد وفات حاصل ہوئی وہ حیات لازوال ہے اس میں آپ پر ورود موت ہرگز نہیں ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام ﷫ پر ایک بہتان

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ پر ایک بہتان یہ باندھا گیا کہ آپ سرے سے حضور ﷺ پر موت آنے کے منکر ہیں۔ آپؒ کا (معاذ اللہ) یہ عقیدہ تھا کہ آپ اپنی دنیوی حیات سے ہی زندہ ہیں۔ چنانچہ اس نزاع پر گجرات کے سربراہ جب کہیں اپنے موقف کا اظہار کرتے تو آیت ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ'' پڑھتے اور اپنے حلقہ میں یہی تاثر دیتے کہ حضرت مولانا محمد قاسم ﷫ آپ ﷺ پر ورود موت کے ہی منکر ہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس مقدمہ میں آپ کا وہ بیان ہی ہدیہ قارئین کر دیں جو آپ نے اس آیت کے حوالہ سے اپنی کتاب ''آب حیات'' میں دیا ہے آپ فرماتے ہیں: ''آپ کی وفات اور آپ کا انتقال ہزاروں آدمیوں نے آنکھوں سے دیکھا دوسرے جناب باری عزاسمہ خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ'' جس کے یہ معنی ہیں کہ تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں پھر جب جناب باری عزاسمہ رسول اللہ ﷺ کی موت کی خبر دیں۔ ادھر ہزاروں کے سامنے آپ کا انتقال

ہو چکا ہو متواتر قرناً بعد قرن یہ خبر چلی آتی ہو کہ آپ مدینہ منورہ میں مدفون ہیں تو پھر آپ کا زندہ ہونا کیوں کر مسلم ہوسکتا ہے؟ ہاں خدا کی خبر اور خبر متواتر سے زیادہ اگر کوئی دلیل قوی ہو اور اس سے آپ کی حیات ثابت کی جائے تو بحکم قواعد تعارض تسلیم بھی کیا جائے۔ اب اگر آپ کی حیات مسلم بھی ہو تو بعد اس کے کہ آپ کا انتقال حسب فرمودہ خداوندی ہزاروں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ان کے واسطے سے ہم کو خبر پہنچ گئی اس حیات کو یا تو حیات ثانی کہا جائے گا یا مثل حیات شہداء سمجھا جائے گا مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں مفید مطلب صاحب رسالہ نہیں اس کی غرض تو اس ردو کد سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدیل و تغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔" (آب حیات طبع ملتان ص ۴۵)

اس میں آپ نے یہ صریح لفظوں میں حیات برزخی کے انکار کی تردید کی ہے یہ کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ حضور ﷺ کی مطلق حیات دنیوی کا عقیدہ رکھتے تھے، حیات برزخی کا نہیں۔ حیات دنیوی کے مقابل حیات اخروی کا لفظ ہے اور آپ نے اپنی اس عبارت میں وہی لفظ استعمال کیا ہے: "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۲۰۱" (البقرہ)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

ہاں اس حیات برزخی کو کالدنیویہ تو کہہ سکتے ہیں جیسا کہ "المہند" میں ہے لیکن مطلق دنیویہ نہیں ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی اس عبارت سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ حضرت والا رحمہ اللہ پر انکار وقوع موت کا الزام لگانا ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی موت کا اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں مزید رہنا چاہتے ہیں یا سفر آخرت چاہتے ہیں آنحضرت ﷺ کو بھی جب خبر دی گئی "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" تو آپ ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا کہ آپ دنیا میں جتنا چاہیں اور رہ سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ وعدہ پورا ہونا ہے آپ بھی اس پل کو عبور کریں گے۔

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کہا گیا: "منها هذا الحديث وهو قوله ﷺ على ما رواه الطبراني في الاوسط عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قال جاء جبريل الى النبي ﷺ فقال عش ما شئت فانك ميت واحبب ما شئت فانك مفارق"

(البرہان الجلی العلی علی من سمی من غیر مسمی بالولی رسالہ نمبر ۵۰، رسائل ملا علی قاری رحمہ اللہ ج ۴ ص ۱۵۵)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا آپ جتنا چاہیں یہاں زندہ رہ لیں تاہم آپ فَاِنَّكَ مَيِّتٌ اور آپ جتنا چاہیں اسے پسند کریں لیکن آخرکار آپ نے اس دنیا کو چھوڑنا ہی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کے لئے موت اختیار موت کے خلاف نہیں جو انبیاء کو دیا جاتا ہے اسی اختیار موت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان کو کہہ دیا تھا: "وَاِذْ قَالَ مُوْسٰي لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓي اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا" (پ ۱۵، الکہف ۶۰)

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا، یا چلتا ہی جاؤں قرنوں تک (صدیوں تک)

اس آیت پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں بدوں مقصد حاصل کئے سفر سے نہ ہٹوں گا۔'' (ص ۴۰۱)

اس سے بھی پتہ چلا کہ انبیاء علیہم السلام کی موت باعتبارِ وقت ان کے اپنے اختیار میں ہوتی ہے جب تک وہ نہ چاہیں اپنے سفرِ آخرت پر نہیں چلتے وہ قرآن کی رو سے اپنی اس زندگی میں باختیار موت صدیوں تک رہ سکتے ہیں۔ (وَاللهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهُ أَتَمُّ وَأَحْكَمُ)

اس سے پہلے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ یہ بات آپ کے سامنے لا چکے ہیں کہ ان کی یہ سب کاوش شیعہ کے بارے میں ہی کی جاری ہے اور آپ کی کتاب آبِ حیات کا اصل موضوع شیعت کے بارے میں ہی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''دوسرے یہ کہ امورِ ثلاثہ میں سے انبیاء کے اموال میں میراث کا نہ ہونا ہنوز محلِ نزاع ہے شیعہ اسکو تسلیم نہیں کرتے .... تیسرے یہ کہ سلامت اجسادِ انبیاء علی الاتصال استمرار حیات پر دلالت نہیں کرتا اگر لحہ دو لحہ بلکہ پہر دو پہر کے لئے روح کو بدن سے کچھ تعلق نہ رہے اور انقطاع کلی ہو جائے اور بعد ازاں پھر بدستور روح و بدن میں وہی علاقہ سابق عود کر آئے تب بھی بدن میں کچھ فساد نمایاں نہ ہوگا لیکن اس صورت میں نہ نکاح قائم رہے گا نہ ملک اموال باقی رہے گی بلکہ یہ تعلق ثانی از قبیل حیات اخروی ہوگا غایت مافی الباب اوروں سے پہلے حیات حاصل ہونی سو اس میں کیا قباحت ہے آخر حصول حیات اخروی میں بھی تقدم وتاخر مسلم الثبوت ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے قبر سے اٹھنا حدیثوں میں مصرح ہے۔ ان تین خدشوں کے سوا چوتھا خدشہ یہ ہے کہ علماء متقدمین نے حرمتِ نکاحِ ازواجِ مطہرات کو ان کے امہات ہونے پر مبنی اور متفرع کیا ہے حیات نبی کا ثمرہ نہیں سمجھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ منکوحہ نبوی غیر مدخولہ بہا کے نکاح کو سلف سے لے کر خلف تک سب نے جائز رکھا ہے۔ اگر علت ممانعت نکاح حیات نبوی ہوتی تو مدخولہ بہا کی ہی کیا خصوصیت تھی مدخولہ بہا اور غیر مدخولہ بہا دونوں کا نکاح امتیوں کو حرام ہوتا۔''

(آبِ حیات طبع ملتان دوم ص ۴۴)

اس عبارت میں صریح لفظوں سے حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حیات اخروی کا اقرار کیا ہے تو اب کیا یہ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان نہیں کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسلسل حیات دنیوی کے قائل ہیں، آپ کی حیات برزخی کے قائل نہیں؟

قرآن کریم میں دنیا کے مقابل لفظ آخرۃ ہی وارد ہے: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً .... اسی کو حیات اخروی اور حیات برزخی کہتے ہیں کتاب ''آبِ حیات'' طبع ملتان کے ٹائیٹل پر برزخی کا لفظ بریکٹ میں موجود ہے اور راقم الحروف کی کتاب ''مقام حیات'' جاول کے ٹائیٹل پر بھی لفظ برزخی پوری طرح روشن ہے۔ راقم کی یہ کتاب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات برزخی پر ہی لکھی گئی ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پھر آگے جا کر بھی لکھتے ہیں: ''اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شیعوں کے نزدیک برے ہیں تو ان کی برائی کی کیا دلیل؟ اگر برائی بھی فدک کا میراث میں نہ دینا ہے تب تو مصادرہ علی المطلوب ہے اور اگر غصب خلافت ہے تو اس کا حال مفصل تو کتب شیعہ مطولہ مثل ازالۃ الخفاء وتحفہ اثنا عشریہ سے بھی معلوم ہو جائے گا اور کچھ کچھ تو رسالہ ہدیۃ الشیعہ سے بھی واضح ہو جائے گا یہاں اس رد وکد کی گنجائش نہیں پر اس قدر معروض ہے کہ غصب کے لئے دو باتیں ضروری ہیں ایک مغصوب منہ دوسرے قہر غاصب۔ سو یہ دونوں مفقود۔ اول کے

مفقود ہونے کی تو یہ دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق سے پہلے اہل حل عقد نے بلکہ سوا ان کے اوروں نے بھی کسی سے بیعت کی ہی نہ تھی جو غصب کی نوبت آتی۔ اور دوسرے کے مفقود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قبل استخلاف ابوبکر صدیق نے کسی پر جبر نہیں کیا بلکہ لوگوں نے در باب استخلاف ان پر جبر کیا۔ اور وہ جبر کرتے بھی تو کس بھروسہ پر زوروزر کچھ نہ تھا باقی تخیلات مجنونہ کو ایسے مقامات میں دستاویز بنانا دیوانوں کا کام ہے۔............ اس روایت کی تکذیب کیوجہ بزعم شیعہ مخالفت قرآن ہے سو اس کا حال رسالہ ہدیۃ الشیعہ میں بخوبی واضح ہو گیا اس رسالہ کے دیکھنے والے پر ان شاء اللہ پوشیدہ نہ رہے گا کہ اس روایت اور آیات قرآنی میں ہرگز مخالفت نہیں بلکہ اس درجہ کو وفاق ہے کہ باہم مؤید یک دیگر ہیں اور کلام اللہ کے مخالف ہی سہی مگر بزعم شیعہ کلام اللہ کی مخالفت کیا مضر ہے کلام اللہ جواب عالم میں موجود ہے وہ تو ان کے نزدیک کلام ربانی ہی نہیں بیاض عثمانی ہے۔" (آب حیات طبع ملتان ص ۶۲)

اس عبارت سے یہ تین باتیں معلوم ہوئیں: (۱) فدک کا میراث میں نہ دینا ایسا بے محل ہے کہ کوئی سمجھ دار آدمی اسے کوئی وزن نہ دے گا اس کی بنیاد اس پر ہے کہ فدک اس سے پہلے حضور کی ذاتی ملکیت میں ہو اور اب وفات کے بعد آپ کی تمام ازواج بھی اپنے اپنے لیے اس کے ثمن کی وارث ہوں جب اس سے پہلے حضور نے کبھی فدک کے ذاتی طور پر مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو اب صرف حضرت سیدہ کا اسے وراثت میں پانا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ (۲) پھر غصب خلافت کا دعویٰ بھی تبھی کوئی وزن رکھتا ہے کہ پہلے کوئی خلافت پر قائم ہو اور پھر اس سے کوئی خلافت چھین لے جب یہ صورتحال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی تو غصبِ خلافت بھی ایسا الزام ہے جس کی کوئی سمجھ دار شخص تصدیق نہ کر سکے گا۔ (۳) پھر حضرت سیدہ کے وراثت فدک کے دعویٰ کی تکذیب کا الزام اور یہ کہ اسے نہ مان کر قرآن کی تکذیب کی گئی اسے بھی کوئی وزن نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ شیعہ کا موجود قرآن پر عقیدہ ثابت نہ کیا جائے اس پر حضرت حجۃ الاسلام نے اپنی یہ تحقیق بتائی ہے کہ شیعہ کے ہاں یہ کلام ربانی نہیں بلکہ یہ بیاض عثمانی ہے اور شیعہ سے مراد یہاں اثنا عشری شیعہ ہیں اس پس منظر میں حضرت حجۃ الاسلام کی تحقیق جو علماء دیوبند کے سب حلقے اپنے لیے ایک بڑی حجت اور دلیل سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اثنا عشری موجود قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ سو اس الزام میں بھی کوئی وزن نہ رہا کہ اس طلب وراثت فدک کو نہ ماننا قرآن کریم کا انکار ہے۔ جب ان کے ہاں یہ موجود قرآن، قرآن ہی نہیں تو اس کے انکار کا ان کے ہاں کیا وزن رہ گیا؟

عالم اسلام کے دردانگیز حالات میں ایمان بچانے کی ایک قومی آواز

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... اَمَّا بَعْدُ!

قیامت برحق ہے جس طرح قرآن کریم کے بارے میں ہے "لَا رَيْبَ فِيْهِ" اسی طرح قیامت کے بارے میں ہے "وَاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا" (پ۱۵، الکہف ۲۱)

اور جس چیز کو ہمیشہ کے لئے بچانا چاہیے وہ ایمان ہے اس وقت مسلمانوں میں اتنے نظریاتی اور اعتقادی اختلاف پیدا ہو چکے ہیں کہ اس ہیبت ناک حملے سے بچ نکلنے کی کوئی صورت آسان نظر نہیں آتی اسلام اتنے حلقوں میں تقسیم ہو چکا ہے کہ اب اپنے ایمان کو بچانے کے لئے اس کے سواء اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ نئے نئے ناموں سے یکسر نکل کر اپنے اس پرانے نام پر پھر سے جمع ہو جائیں جس پر اہل حق صدیوں ممتاز رہے اور ہمارا وہ تاریخی نام

اہل السنۃ والجماعت ہے اس پر جمع ہونا ہی ان سب فتنوں کا عملی جواب ہے ہر مؤمن اور مؤمنہ کو اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی ان تین زندگیوں کی سلامتی برابر مطلوب رہنی چاہیے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنی والدہ کی گود میں جب کلام فرمایا تو اس میں اپنی ان تینوں زندگیوں کی سلامتی چاہی تھی: ''وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا'' (پ۱۶، مریم ۳۳)

ترجمہ: اور سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھ پر موت آئے اور جس دن میں اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر۔

اس سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی ان تین زندگیوں کی نشاندہی کی گئی تھی: ''وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا'' (پ۱۶، مریم ۱۵)

ترجمہ: اور سلام ہو اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو زندہ ہو کر۔

ان تینوں زندگیوں میں پہلی زندگی ہمارے سامنے روح و جسد سے ہے دوسری زندگی حیات فی القبر بھی اعادہ روح سے ہے اور تیسری زندگی (حشر کی زندگی) قرآن کی متعدد آیات سے جن میں ہڈیوں میں پھر سے زندگی آنا مذکور ہے، ثابت ہے۔ تعجب ہے کہ مماتی پہلی اور تیسری زندگی کو تو بالاتفاق روح اور جسد سے مانتے ہیں لیکن درمیانی زندگی میں انھیں اعادہ روح مانتے ہوئے دم گھٹتا ہے۔

ہم ذیل میں اس درمیانی زندگی (حیات فی القبر) میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے اس زندگی میں روح کا اعادہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

''وَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ: مَنْ رَبُّكَ؟ ''

(سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۲۹۸)

ترجمہ: مرنے والے کی روح اس کے اس (دفن شدہ) جسد میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے سوال کرتے ہیں۔

اہل سنت کے عقائد کے دو بڑے امام حضرت ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) قبر میں اعادہ روح کو اہل سنت کا ایک متفقہ عقیدہ قرار دیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو فقہ کا امام تو سب مانتے ہیں لیکن فقہ سے زیادہ آپ کی شان اور مرتبہ عقائد میں نمایاں رہا ہے کوفہ جس میں ہر عقیدے کے لوگ جمع تھے وہاں بیٹھ کر اہل سنت عقائد کے چراغ روشن کرنا آپ کی درس فقہ سے بھی زیادہ بڑی علمی خدمت ہے۔ فقہ اکبر ان کی عقائد پر لکھی ایک دستاویز ہے اس کی شرح محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری نے لکھی جس نے اس کتاب کو اہل سنت عقائد کی واقعی سب سے بڑی دستاویز بنا دیا ہے۔ اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الصلوٰۃ بھی اہل سنت عقائد کی ایک بڑی قیمتی دستاویز ہے ہم یہاں ان دونوں کتابوں سے قبر کی زندگی کا روح مع الجسد سے ہونا ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فقہ اکبر کے الفاظ

واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق پر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: ''اعادۃ الروح

ای ردھا و تعلقھا الی الجسد ای جسدہ بجمیع اجزائہ او بعضہ مجتمعۃ او متفرقۃ فی قبرہ حق'' (ص ۱۲۰)

ترجمہ: روح کا جسد میت میں لوٹایا جانا اور اس کا جسد مدفون سے تعلق وہ جمیع اجزائے بدن سے ہو یا بعض اجزاء بدن سے ہو حق ہے۔

آگے ص ۱۲۱ پر لکھتے ہیں: ''اعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاۃ فی القبر قدر ما یتالم ویتلذذ ولکن اختلفوا فی انہ ھل یعاد الروح الیہ'' (ص ۱۲۱)

ترجمہ: تم جانو کہ اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں بدن میت میں ایسی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے اسے تکلیف واذیت اور لذت وراحت پہنچ سکے لیکن اس میں کچھ اختلاف ہے کہ ایسا اعادہ روح سے ہوتا ہے یا فقط ایک تعلق سے۔

کوئی صورت عمل بھی ہو اس پر سب اہل حق کا اتفاق ہے کہ روح وجسد جمع ہیں۔

عذاب قبر میں اہل سنت سے اختلاف معتزلہ کا ہے وہ خبر واحد کو حجت نہیں مانتے اور اعادہ روح کی ابوداؤد کی روایت خبر واحد ہے۔ یہاں اس اختلاف کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے لیکن حضرت علامہ ملا علی قاری ﷫ کی رائے ہے کہ اختلاف سے وہ اختلاف مراد ہے جو اس میں ہے کہ قبر میں حیات پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا بعض حصہ بدن میں؟ آپ مرقات میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوحنیفہ ﷫ کا اس باب میں جو اختلاف بیان کیا جاتا ہے وہ اس میں ہے: ''وَلَعَلَّ تَوَقُّفَ الْإِمَامِ فِي أَنَّ الْإِعَادَةَ تَتَعَلَّقُ بِجُزْءِ الْبَدَنِ أَوْ كُلِّهِ'' (مرقاۃ ج۱ صفحہ ۲۰۴)

ترجمہ: حضرت امام کا یہ توقف (اعادہ روح میں نہیں) اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔

امام محی الدین النووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں: ''وَتَظَاهَرَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ رِوَايَةِ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ و لا يمتنع فِي الْعَقْلِ أَنْ يُعِيدَ اللَّهُ تَعَالَى الْحَيَاةَ فِي جُزْءٍ مِنَ الْجَسَدِ وَيُعَذِّبَهُ وَإِذَا لَمْ يَمْنَعْهُ الْعَقْلُ وَوَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ وَجَبَ قَبُولُهُ وَاعْتِقَادُهُ'' (شرح صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۸۶)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے صحیح احادیث جو ایک صحابی سے نہیں کئی صحابہ سے مختلف مواقع پر مروی ہوئیں بڑی قوت سے جمع ہو چکی ہیں اور یہ بات عقل کی رو سے ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ بدن میت کے کسی حصہ میں زندگی پھر سے لوٹا دے اور عذاب قبر اس پیرائے میں ہو اور شرع میں اس کا ثبوت موجود ہے سو اسے قبول کرنا اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل ﷫ بھی اعادہ روح کو ایمان کے درجے میں ضروری اور متواتر سمجھتے ہیں آپ فرماتے ہیں: ''والایمان بالحوض والشفاعۃ والایمان بمنکر ونکیر والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم الرد فی الاجساد فی القبور فیسئلون عن الایمان والتوحید'' (کتاب الصلوٰۃ ص ۲۱۵)

ترجمہ: حضور ﷺ کا حوض کوثر کا پانی پلانا اور اپنے امتیوں کی شفاعت کرنا اور قبر میں منکر اور نکیر کے آنے (اور سوال کرنے) پر ایمان لانا اور اس پر ایمان لانا کہ ملک الموت روحوں کو قبض کرتا ہے اور پھر اس پر ایمان لانا کہ قبروں میں پھر ان اجساد میں روح لوٹائی جاتی ہیں ایمانیات میں سے ہے۔

اموات اس ایمان کے بارے میں اسی طرح پوچھے جاتے ہیں جس طرح وہ عقیدہ توحید کے بارے میں

پوچھے جائیں گے۔

ان تصریحات سے یہ بات اور روشن کی طرح واضح ہے کہ اہل سنت کے عقائد کے یہ دو بڑے امام حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد بن حنبل قبر کی اس درمیانی زندگی میں اعادہ روح پر متفق ہیں اور ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی کے طالب ہیں۔

اسلام میں حق اور باطل کا معرکہ شروع سے چلا آرہا ہے

اسلام میں تین زمانے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور، تابعین کا دور اور تبع تابعین رحمہم اللہ کا دور، قرون مشہود لھا بالخیر مانے جاتے ہیں۔

امام محی الدین النووی (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''وَالصَّحِيحُ أَنَّ قَرْنَهُ ﷺ (۱) الصَّحَابَةُ (۲) وَالثَّانِي التَّابِعُونَ (۳) وَالثَّالِثُ تَابِعُوهُمْ'' (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۹)

ایک طریق میں یہ بھی وارد ہے کہ ان تین زمانوں کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا۔ (ثُمَّ يَفْشُوا الْكِذْبُ) اس روایت سے یہاں ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے۔

ایک سوال

جب ان تین زمانوں کے بعد جھوٹ پھیلے گا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عبداللہ بن سبا ان تین قرنوں کے بعد امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آراء ہوا یا یہ یہودی اسلام کی پہلی صدی میں ہی صحابہ کے خلاف آنکلا تھا؟

اسی طرح جو خوارج حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف منظم ہوئے کیا یہ پہلی صدی کی ہی واردات نہیں؟

جب باطل اپنی صفوں میں حق کے خلاف اس طرح منظم ہوا تو ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی میں چلنے والے تابعین بھی ضرور ان اہل باطل کے خلاف اٹھے ہوں گے اور اس طرح تبع تابعین کے دور میں جو علماء مجتہدین جیسے حضرت امام مالک، حضرت امام محمد، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد رحمہم اللہ اس امت میں پیشوائے علم ٹھہرے، ان کے خلاف ظاہر حدیث کے پیرو جیسے ابن حزم ظاہری بھی اپنے عہد میں ان مجتہدین کی تقلید کے خلاف ضرور اٹھے ہوں گے اسی طرح اہل سنت اور معتزلہ کے اختلافات بھی تو ان قرون ثلاثہ کے اندر ہی اٹھے۔ یہاں تاریخی فراست یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ آخر وہ کون سی کسوٹی ہے جس پر اس بات کی تصدیق حاصل ہوئی کہ حق اور باطل کی معرکہ آرائی ہمیشہ سے ہاتھوں ہاتھ چلی ہے یہ نہیں کہ ان کے دور علیحدہ علیحدہ چلے ہوں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

الجواب بالصواب

اللہ رب العزت کے ہاں وقت کا سب سے بڑا پیمانہ صدی (سو سال) ہے جیسا کہ سال کا پیمانہ ہے اور اس کے ہاں بارہ ماہ ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ آج روئے زمین پر جو لوگ زندہ ہیں آج سے سو سال بعد ایک بھی ان میں سے زندہ نہ ہوگا۔ حضرت ابو سعید الخدری ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب تبوک سے واپس لوٹے اور آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَأْتِي مِائَةُ سَنَةٍ وَعَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوسَةٌ الْيَوْمَ'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۰)

اور حضور ﷺ نے یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایک مجدد یا کئی مجددین بھیجتا رہے گا جو اس امت میں ان سو سال میں پیدا کئے گئے ہر غلط عمل اور غلط نظریہ کی تردید کرتے رہیں گے۔

سو اس طرح اس امت میں کوئی غلطی بھی سو سال سے زیادہ آگے نہ چل سکے گی اگر کوئی شخص اس دور کی کسی غلط بات کو لے کر آگے چلے گا تو اس دور کے حق پرست امتی بھی ان مجددین حضرات کی کاوشوں کی روشنی میں اس دین متین سے ان تمام کاوشوں اور غلاظتوں کو یکسر دور کر دیں گے اور یہی مجدد کا کام ہوتا ہے۔

آیئے ہم پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کریں بات یہ ہو رہی تھی کہ زندگیاں تین ہیں پہلی زندگی ولادت سے شروع ہوتی ہے دوسری موت سے اور تیسری قبروں سے اٹھنے سے اسے بعث بھی کہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ فرما چکے ہیں: ''أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ قِيَامًا إِذَا بُعِثُوا''

یہاں سے میدان حشر میں آتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا'' (پ ۱۶، سورہ مریم ۱۵)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں سلامتی کی دعا کی: ''وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا'' (پ ۱۶، سورہ مریم ۳۳)

اہل سنت کے عقیدہ میں یہ تینوں زندگیاں روح مع الجسد کے ساتھ ہیں یہاں (اس زندگی میں) تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ زندگی روح اور بدن سے چل رہی ہے۔

دوسری زندگی (قبر کی زندگی) کے لئے حضور ﷺ کی صحیح احادیث میں اعادہ روح کے الفاظ موجود ہیں اور تیسری زندگی میں پھر انہی ابدان کے ساتھ اٹھنا ہوگا اور اس پر قرآن کریم کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ ہم نے مماتیوں کے اس ذہن پر اس لئے حیرانی کا اظہار کیا تھا کہ وہ اس درمیانی زندگی میں روح و بدن کے اتصال کے قائل نہیں اور اہل سنت کے مقابلہ میں معتزلہ نے جو بے بنیاد باتیں کہی تھیں وہ اس پر آنے کی عوام کو تلقین کرتے ہیں معتزلہ نے قبر میں میت کو پتھر بے جان (جماد) قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (جنہیں اس دور میں فاضل لاہوری بھی کہا جاتا تھا) نے حاشیہ خیالی میں اسے ایک سفسطہ کہا ہے وہ اسے ایک معتزلی عالم شیخ صالحی اور دوسرے کرامیہ کے عالم ابن جریر سے اس طرح نقل کرتے ہیں: ''وذهب الصالحي من المعتزلة وابن جرير طبري من الكرامية الى جواز تعذيب غير الحي وهو سفسطة ظاهرة لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه''

ترجمہ: معتزلہ میں صالحی اور کرامیہ میں ابن جریر طبری اس طرف گئے ہیں کہ جو جسم زندہ نہ ہو اس

پر بھی عذاب اتر سکتا ہے یہ ایک کھلا مغالطہ ہے کیونکہ جو وجود پتھر ہے اس میں حس پائی ہی نہیں جاسکتی اور اس کو عذاب دیا جانا اس طرح کیسے تصور کیا جا سکتا ہے۔

پیش نظر رہے کہ امام نووی ؒ شافعی (۶۷۶ھ) نے صحیح مسلم کی شرح میں جس محمد بن جریر کا قبر میں اعادہ روح سے انکار نقل کیا ہے وہ اہل سنت کے حافظ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نہیں ہیں۔

ان کا اعادہ روح سے انکار شرح صحیح مسلم میں اہل سنت کے بالمقابل لایا گیا ہے: ''ثُمَّ الْمُعَذَّبُ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ الْجَسَدُ بِعَيْنِهِ أَوْ بَعْضُهُ بَعْدَ إِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ أَوْ إِلَى جُزْءٍ مِنْهُ وَخَالَفَ فِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بن كَرَامٍ وطائفة فَقَالُوا لَا يُشْتَرَطُ إِعَادَةُ الرُّوحِ وَقَالَ أَصْحَابُنَا هَذَا فَاسِدٌ لِأَنَّ الْأَلَمَ وَالْإِحْسَاسَ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْحَيِّ'' (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

ترجمہ: اہل سنت کے عقیدے میں عذاب جسد پر ہی اترتا ہے جسد پورا ہو یا اس کا بعض یہ اعادہ روح سے ہی ہے اس پر محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اور ایک پورے گروہ نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے اعادہ روح لازم نہیں اور ہمارے اہل سنت بزرگ کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں الم اور احساس ایک زندہ وجود میں ہی پائے جاسکتے ہیں۔

معتزلہ کے ایسے اقوال ساری کتابوں میں اگر ملتے ہیں تو تردید کے لئے، نہ کہ انکو اپنے ہاں قابل ترجیح اور اقوال مرضیہ سمجھا جائے۔

ہمیں نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس دور میں بعض مماتی حضرات ان اقوال کو اپنے اقوال مرضیہ میں لائے ہیں گویا یہ اہل سنت کے ہاں پسندیدہ اور ترجیحی اقوال ہیں ان حالات میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس باب ظلم سے بھی کچھ پردہ ہٹائیں۔

سرگودھا میں مولانا محمد حسین جو دہلی میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی کے ہاں کچھ عرصہ مدرس رہے اور پھر وہ سرگودھا میں مدرسہ ضیاء العلوم میں آرہے۔ انہوں نے مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ میں سرگودھا کے علمائے دیوبند کے خلاف کتاب ندائے حق لکھی۔ عوام سمجھتے رہے کہ دہلی کے پرانے تعلق کی وجہ سے ان کی یہ کتاب بھی دیوبندی مسلک کی کتاب ہوگی اور اختلاف علماء میں یہ اقوال بھی جو مولانا عطاء اللہ بندیالی نے اپنے اقوال مرضیہ میں پیش کئے ہیں وہ دیوبند کی چھتری کے نیچے پڑھے اور مانے جاسکیں گے۔

بندیال کے مولانا محمد عطاء اللہ بندیالی نے اپنے رسالہ اقوال مرضیہ میں معتزلہ کا یہ قول اس طرح پیش کیا گویا یہ بھی اہل السنۃ کے مختلف اقوال میں سے ہی ایک قول ہے اور اپنے کو اس کے موافق کہنے کے لئے اپنے اس رسالے کا نام اقوال مرضیہ رکھا کہ ہم مماتی (معتزلہ کے) اس قول میں ہی اللہ کی رضا سمجھتے ہیں (استغفر اللہ)

''إِنَّ الْمَيِّتَ جَمَادٌ لَا حَيَاتَ لَهُ وَلَا إِدْرَاكَ فَتَعْذِيبُهُ مُحَالٌ'' (اقوال مرضیہ ص ۲۶)

ترجمہ: بیشک میت پتھر کی طرح ہے اس میں نہ کوئی زندگی ہے نہ قوت ادراک سو یہ نہیں ہوسکتا کہ اس پتھر کو عذاب دیا جائے یہ ناممکن ہے۔

اس سے پہلے بندیالی صاحب یہ بھی لکھ آئے ہیں:

ترجمہ: ''جس عذاب وثواب کا ذکر نصوص یا احادیث وآثار میں آتا ہے دراصل اس کا محل روح ہی ہے ....اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے۔'' (اقوال مرضیہ ص ۵۲)

اس سے زیادہ عقیدہ اہل سنت کی مخالفت اور معتزلہ کی موافقت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہم مماتیوں کے اس غلط موقف کے خلاف اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ کچھ اور اپنے اہل سنت اکابر کی تصریحات (ذکر کریں) کہ قبر میں عذاب اور ثواب روح مع الجسد کو ہوتا ہے صرف روح کو نہیں۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (۵۰۵ھ) کے استاذ امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ علامہ جوینی رحمہ اللہ (۴۷۸ھ) فرماتے ہیں: ''اتفق سلف الامة علیٰ اثبات عذاب القبر واحیاء الموتیٰ فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم'' (الشامل فی اصول الدین)

ترجمہ: امت کے سب اسلاف اس پر چلے آرہے ہیں کہ عذاب قبر اور مردوں کا اپنی قبروں میں پھر سے زندگی پانا اور ارواح کا اپنے جسموں میں لوٹایا جانا برحق ہے۔

شرح عقاید نسفی کی شرح نبراس میں مظفر گڑھ کے علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السوال فالجواب بانکار الاعادة غیر موجه......وحاصل الجواب ان الحیات للمیت لیست کحیوة غیره...... باعادة الروح فی الجسد اعادة کاملة'' (نبراس ص ۳۲۲)

ترجمہ: صحیح احادیث کھل کر بیان کر رہی ہیں کہ روح قبر کے سوال کے وقت جسد میں لوٹائی جاتی ہے سو (تفتازانی کا) معتزلہ کو اعادہ روح کے انکار سے جواب دینا بلاوجہ ہے۔......حاصل جواب یہ ہے کہ مردے کی زندگی اور وں کی زندگی کی طرح جسد میں روح کے لوٹائے جانے سے ہی نہیں۔ (یہ روح کے تعلق اور اشراق سے بھی ہو سکتی ہے)

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: ''اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزئ دون جزئ بل هي متصلة مشرقة علی سائر أجزائه وإن تفرقت وكان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب'' (روح المعانی ج ۱۵، ص ۱۹۳)

ترجمہ: تم جان لو کہ روح کا بدن سے اتصال اس سے مختص نہیں کہ کسی جزو میں ہو اور کسی میں نہ ہو یہ پورے اجزاء میں اتصال واشراق سے بھی ہو سکتا ہے گو کوئی حصہ بدن مشرق میں ہو اور کوئی مغرب میں ہو۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا بھی اعادہ روح پر اصرار نہیں

حجۃ الاسلام رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نے آب حیات میں اپنا موقف اعادہ روح اور اتصال روح سے عام رکھا ہے آپ کی یہ کتاب شیعوں کی رد میں لکھی ہوئی ہے اس میں آپ نے انہیں اتصال روح کے انکار کا ملزم کہا تھا یہ نہیں کہ آپ خود مکین گنبد خضراء میں اعادہ روح کے قائل نہ ہوں ان دونوں امور پر ہم پہلے آپ کی عبارات ہدیہ قارئین کرآئے ہیں یہ بات ہم نے یہاں روح المعانی کے اس حوالہ کی وضاحت میں کہی ہے۔

بات یہ چلی آرہی تھی کہ قبر کا عذاب وثواب اگر بدن اور روح دونوں پر ہو تو ان افراد پر کیسے ہو گا جن کے بدن یکجا نہیں رہے کسی دھماکے سے اڑ گئے یا سمندر کے جانوروں کا لقمہ بنے ان کے لئے امام نووی شافعی رحمہ اللہ نے یا

محمود آلوسی حنفی صاحب روح المعانی نے جو موقف اختیار کیا ہے اس سے صرف استبعاد کو رفع کرنا ہے پہلے دور میں معتزلہ اور اس دور میں مماتی یہ سوال برابر اٹھاتے رہے کہ اس صورت میں عذاب قبر روح وجسد دونوں کو کس طرح ہوتا ہے؟ اس کا جواب آپ بھی روح المعانی کے ان الفاظ میں پڑھ آئے ہیں کہ اس کی ایک یہ صورت بھی ہے۔: "هي متصلة مشرقة على سائر أجزائه وإن تفرقت و كان جزء بالمشرق و جزء بالمغرب"

یہاں آپ پھر ان تین زندگیوں کی طرف لوٹئے

(۱) حیات دنیا (۲) حیات قبر (۳) حیات حشر

جو آپ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے بیان میں پڑھ آئے ہیں۔ آپ ان تینوں زندگیوں کی ایک جھلک اپنی اس محمدی نماز میں بھی ملاحظہ کریں۔

ہماری نماز میں ہر رکعت میں قیام ایک رکوع ایک قومہ ایک لیکن سجدے دو ہیں۔ یہ کیوں؟ پہلا سجدہ کرتے (وقت) ذہن ادھر جاتا ہے کہ ہم نے تمہیں اس مٹی سے پیدا کیا اور دوسرا بتلاتا ہے کہ پھر اسی مٹی میں جانا ہے اور ان دونوں میں ایک معمولی وقفہ ہے۔ یہ تمہاری اس دنیا کی زندگی ہے اور اس سے پھر تمہیں یوم الحساب کے لئے اٹھنا ہے۔

"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى" (پ۱۶، طٰہٰ ۵۵)

ترجمہ: اس زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں ہم تمہیں پھر پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے ہم تم کو دوسری بار۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں: "سب کے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی سے نکلتی ہیں مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو جلد یا بدیر مٹی میں مل جانا ہے۔ اسی طرح حشر کے وقت بھی ان اجزاء کو جو مٹی میں مل گئے تھے دوبارہ جمع کرکے از سر نو پیدا کر دیا جائے گا جو قبروں میں ہی مدفون تھے وہ ان سے باہر نکالے جائیں گے۔" (تفسیر عثمانی ص ۴۲۰ طبع سعودی عرب)

انہی تین زندگیوں کا ذکر پھر پ ۷ سورۃ الاعراف ۲۵ میں ملتا ہے یہ اس وقت کہا گیا جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے اترے۔

"قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ" (الاعراف)

ترجمہ: فرمایا تم اس میں زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

افسوس کہ مماتی ان تین زندگیوں کا اقرار کرتے ہیں پہلی اور تیسری زندگی کو تو وہ روح و بدن کی زندگی مانتے ہیں مگر درمیانی (قبر کی زندگی) کو وہ روح و بدن سے ماننے کے لئے تیار نہیں اس میں جس طرح پہلے دور میں یہ معتزلی رہے اس دور میں یہ مماتی کے نام سے موسوم ہوئے اور قبر کی روح و بدن کی زندگی میں ان کو شرک کی بو آتی ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس پر ہم اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں۔ اور مقام حیات کی دوسری جلد کا آغاز کرتے ہیں۔

وَهُوَ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى بِهٖ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

آغازِ کتاب

مقامِ حیات

(جلد دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

عقیدہ حیات النبی ﷺ کو سمجھنے کے لئے پہلے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد کا خمیر جنت کی مٹی سے اٹھایا جاتا ہے اس لئے اسے اس زمین کی مٹی نہیں کھا سکتی۔

(۱) انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا نام آتا ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کی تخلیق آسمانوں میں ہی ہوئی تھی گو ارادہ الٰہی یہ تھا کہ آپ اس زمین میں خلافت کریں گے لیکن آپ کا جسد آسمانوں میں جنت کی مٹی سے ہی بنایا گیا اور اسی سے ان کا خمیر اٹھایا گیا۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ہمارے دوسرے روحانی باپ جد الانبیاء علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، انھیں اس دنیا کی آگ میں ڈالا گیا، تکوینا آگ کو حکم ہوا: "قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ" (الانبیاء ۶۹)

ترجمہ: ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈک ہو جا اور آرام (سلامتی) ابراہیم پر۔

اس پہلو سے کہ اس سے آپ کے دشمن ذلت و خسارہ میں پڑیں یہ ابراہیم علیہ السلام کا ایک معجزہ رہا اور اس پہلو سے کہ وہ آگ آپ کے جسد خاکی پر اثر نہ کر پائے یہ ہے کہ وہ بدن جنت کی مٹی سے بنا تھا اور جس طرح حکمت الٰہی یوں جاری ہوئی کہ یہاں کی مٹی انبیاء کے جسد کو کھا نہ سکے اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی آگ بھی انبیاء کے جسد کو جلا نہ سکے سو اس کا معجزہ ہونا اس کے خلاف نہیں کہ آپ کے جسد خاکی کا (خمیر) جنت کی مٹی سے ہو۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آگ کا ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈا ہونا ان کا معجزہ تھا معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنی عام عادت کے خلاف سبب عادی کو مسبب سے یا مسبب کو سبب سے جدا کر دے یہاں احراق کا سبب (آگ) موجود تھی مگر مسبب اس پر مرتب نہ ہوا۔ ابراہیم کا برا چاہتے تھے لیکن خود ناکامی، ذلت اور خسارہ میں پڑ گئے حق کی صداقت برملا ظاہر ہوئی اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔

"قَالَ فِی الْبَحْرِ الْمُحِیْطِ: قَدْ اَکْثَرَ النَّاسُ فِیْ حِکَایَةِ مَا جَرٰی لِاِبْرَاهِیْمَ وَالَّذِیْ صَحَّ هُوَ مَا ذَکَرَهُ تَعَالٰی مِنْ اَنَّهُ اُلْقِیَ فِی النَّارِ فَجَعَلَهَا اللّٰهُ عَلَیْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا" (ص ۴۳۶ طبع سعودی عرب)

علامہ ابن حیان اندلسی رحمہ اللہ صحیح صورت حال اس کو بتلا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تکوینی یہ تھا کہ وہ آگ آپ کے جسد اطہر کو جلا نہ سکے اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہاں کی مٹی پر حرام کیا کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھائے اسی طرح یہاں کی آگ پر حرام کیا کہ وہ اس کو جلائے۔

(۳) حضرت ابرہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنات پر بھی حکومت دے رکھی تھی آپ کے حکم سے جنات بیت المقدس کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے آخری وقت کا

پتہ چلا آپ نے بیت المقدس کے اس کام کو جاری رکھنے کی یہ تدبیر فرمائی۔ قرآن کریم میں ہے: ''وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ، يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ، فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ'' (پارہ ۲۲، سباء ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: اور جنوں میں کتنے لوگ ہیں جو محنت کرتے تھے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے۔ بناتے اس کے واسطے جو کچھ وہ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئیں۔ کام کرو اے داؤد کے گھر والو! احسان مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے پھر جب مقرر کیا ہم نے اس پر موت کو نہ جتلایا ان کو اس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصاء پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر وہ خبر رکھتے ہوتے غیب کی نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کے ہاتھوں مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے جب معلوم کیا کہ میری موت آپہنچی، جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں دربند ہو کے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لی اور آپ کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہے اور کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے جب تعمیر پوری ہو گئی جس عصا پر ٹیک لگا رہے تھے گھن کے کھانے سے گرا تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر رہتی تو کیا اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کو محسوس کرتے ہی یہ کام چھوڑ دیتے۔''

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں: ''اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیطان وغیرہ کی تسخیر کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کسبی کمال نہ تھا محض فضل ایزدی تھا جو اللہ چاہے تو موت کے بعد ایک لاش کے حق میں بھی قائم رکھ سکتا ہے نیز سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے ان کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں جاری رکھا گیا اور انہیں بتلا دیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ تعالیٰ کس کس تدبیر سے پورا کرتا ہے۔''
(ص ۵۷۷)

قرآن کریم سے حفظِ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا روشن ثبوت

قرآن کریم کی یہ نہایت روشن شہادت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا کو سالہا سال کھڑا رہنے سے گھن لگ گیا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے اپنے جسد مبارک کو وہ نہ لگا اور آپ کی ٹانگیں پوری سلامتی سے زمین پر آلگیں یہ تحفظ اجساد انبیاء کی کھلی آسمانی ضمانت ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو وہ آپ کے جسد اطہر پر اترتا ہے تبھی تو انھوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ پر ہمارا عرض صلوٰۃ

وسلام کیسے ہوگا؟ اس پر آپ ﷺ نے انہیں تحفظ اجساد انبیاء کی خبر دی۔

ہم مقام حیات کی پہلی جلد ص ۳۹۷ طبع قدیم پر تحفظ اجساد انبیاء ﷩ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں اور اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ انبیاء کرام ﷩ کے اجساد محفوظ ہوتے ہیں اور انھیں مٹی نہیں کھا سکتی۔

(۴) قرآن کریم سے حفظِ اجساد انبیاء کا ایک اور ثبوت

حضرت یونس ﷤ کا مچھلی کے پیٹ میں جانا اور وہاں کئی دنوں تک زندہ رہنا کسے معلوم نہیں؟

آپ اس پر بھی توجہ دیں کہ جب کوئی جانور کسی دوسرے جانور کو پورا نگل لے تو اس کا دوسرا عمل کیا ہوتا ہے؟ اسے اندر ہی اندر چورا کرنا اور اسے کھا لینا۔

یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اس مچھلی نے یہ کام کیوں نہ کیا؟ اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت یونس ﷤ نبی تھے اور نبیوں کے اجساد اس دنیا کے تمام ایسے معرکوں میں ایک آسمانی حفاظت سے محفوظ ہوتے ہیں انہیں کوئی دوسرا جانور کھا نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ انبیاء میں اس کا اس طرح ذکر کیا ہے: ''وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ، فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُـــجِي الْمُؤْمِنِيْنَ '' (پ ۱۷، الانبیاء ۸۷، ۸۸)

ترجمہ: اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو پھر پکارا ان اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گناہگاروں سے، پھر سن لی ہم نے اس کی فریاد اور بچا دیا اس کو اس گھٹن سے اور یونہی ہم بچا رہے ہیں ایمان والوں کو۔

حضرت شیخ الاسلام ﷫ نے اس واقعہ کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے جس سے ہر پڑھنے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد طاہرہ کو اس زمین کی مٹی سے بنے ہرگز نہیں کھا سکتے آپ کے اس مچھلی کے پیٹ سے زندہ باہر آنے کو قرآن کریم نے پھر سورۃ صافات میں بیان کیا ہے پہلے آپ حضرات اس کے سورۃ انبیاء میں دیے ہوئے بیان کو حضرت شیخ الاسلام ﷫ کے الفاظ میں پڑھ لیں:

اللہ تعالیٰ نے ان کو شہر نینویٰ کی طرف جو موصل کے مضافات میں سے ہے مبعوث فرمایا تھا یونس ﷤ نے ان کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا وہ ماننے والے کہاں تھے روز بروز ان کا عناد و تمرد ترقی کرتا رہا۔ آخر بددعا کی اور قوم کی حرکات سے خفا ہو کر غصہ میں بھرے ہوئے شہر سے نکل گئے حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور وعدہ کر گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا ان کے نکل جانے کے بعد قوم کو یقین ہوا کہ نبی کی بددعا خالی نہیں جائے گی کچھ آثار بھی عذاب کے دیکھے ہوں گے گھبرا کر سب لوگ بچوں اور جانوروں سمیت باہر جنگل میں چلے گئے اور ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا میدان میں پہنچ کر سب نے رونا چلانا شروع کر دیا بچے اور مائیں آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی تمام بستی نے سچے دل سے توبہ کی بت توڑ ڈالے خدا

تعالیٰ کی اطاعت کا عہد باندھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے کہ ملیں تو ان کے ارشاد پر کاربند ہوں حق تعالیٰ نے آنے والا عذاب ان پر سے اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کے مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکل آنے کا واقعہ پ ۲۳ سورۃ الصافات میں اس طرح بیان کیا ہے: ''وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ، اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ، فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ، فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ، فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ، لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ، فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ، وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ''

(الصافات ۱۳۹ تا ۱۴۶)

ترجمہ: اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں سے جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر۔ پھر قرعہ ڈلوایا تو نکلا خطاوار، پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا۔ پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو تو رہتا اسی کے پیٹ میں جس دن تک کہ مردے زندہ ہوں پھر ڈال دیا ہم نے اس کو ایک چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھا اور اگایا ہم نے اس پر ایک درخت بیل والا۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''الزام یہی تھا کہ خطا اجتہادی سے حکم الٰہی کا انتظار کیے بغیر بستی سے نکل پڑے عذاب کے دن کی تعیین کر دی یعنی چونکہ مچھلی کے پیٹ میں بھی اور پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ کو یاد کرتا تھا اس لیے ہم نے جلدی نجات دے دی ورنہ قیامت تک اس کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا مچھلی کی غذا بن جاتے۔''

تنبیہ: ''لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ...'' کنایہ ہے کبھی نہ نکلنے سے اور یہ واقعہ دریائے فرات کا ہے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہم نے خود اس دریا میں بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں تعجب نہ کیا جائے۔

پہلے گزر چکا کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' مچھلی کو حکم ہوا اس نے یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا، غالباً کافی غذا و ہوا وغیرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے بیمار اور نحیف ہو گئے کہتے ہیں کہ دھوپ کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا بدن پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا اللہ کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اُگ آئی اس کے پتوں نے اس کے جسم پر سایہ کر لیا اور اس طرح قدرت خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔

اس وقت اس واقعہ کی تفصیلات ہمارا موضوع نہیں ہم اس سے صرف یہ استدلال کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حفاظت کی حضرت یونس علیہ السلام کے بدن کی اور آپ کس طرح ایک مچھلی کے پیٹ سے زندہ باہر نکل آئے یہ تحفظ اجساد انبیاء پر قرآن کی چوتھی شہادت ہے۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسد کے تحفظ کی شہادت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس مصر جا رہے تھے تو رستے میں آپ نے ایک نہایت عجیب وغریب منظر دیکھا۔

اسے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: ''ایک درخت میں زور وشور سے آگ

لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے اور جوں جوں درخت کی سرسبزی وشادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا لیکن جتنا آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی۔ اسی حیرت ودہشت کی حالت میں آواز آئی انی انا ربک میں جو ہوں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے۔ گویا وہ درخت بلاتشبیہ اس وقت غیبی ٹیلیفون کا کام کر رہا ہے۔" (ص ۱۴۷ طبع سعودی عرب)

اس وقت اس پر تعجب نہیں کہ وہ درخت آگ سے جلتا کیوں نہ تھا اس پر حیرت ہے کہ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسد خاکی کیوں نہ جلا؟ اس پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد کریمہ کو تحفظ آسمانی کی ضمانت حاصل ہے۔

رہی یہ بات کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام گر کیوں پڑے؟

"فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا" (پ۹، الاعراف ۱۴۳)

تو یہ گرنا خود اس بات کی شہادت ہے کہ آپ کا بدن محفوظ رہا آگ اس کو جلا نہ سکی۔

یہ "خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا" اس طرح ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام، (جب ان کی لاٹھی کو گھن لگ گیا تو وہ) زمین پر گر پڑے تھے اور ان کا بدن مبارک گھن سے بالکل محفوظ رہا تھا آپ قرآن کریم کی یہ شہادت پہلے پڑھ آئے ہیں: "فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ" (پ ۲۲، سبا ۱۴)

(۶) اصحاب کہف اپنے اجساد کریمہ سے بلا کھائے پیئے سالہا سال تک زندہ رہے

یہ انبیاء نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے بلند پایہ اولیاء کرام ضرور تھے اللہ تعالیٰ نے سالہا سال ان کے عنصری ابدان کی حفاظت کس طرح کی اسے سورۃ الکہف میں ملاحظہ کیجئے:

"وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا، وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا" (پ ۱۵، الکہف ۱۷، ۱۸)

ترجمہ: اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ کر نکل جاتی ہے ان کی کھوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں اس کے۔ یہ ہے اللہ کی قدرتوں سے جس کو راہ دیوے اللہ وہی آئے راہ پر اور جسکو وہ بچلائے پھر تو نہ پائے ان کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں اور وہ سو رہے ہیں اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم ان کو داہنے اور بائیں اور کتا ان کا پسار رہا ہے اپنی باہیں (بازو) چوکھٹ پر۔ اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں ان کی دہشت۔

ان کی یہ حیات انبیاء کی حیات سے بھی زیادہ عجیب تر ہے معلوم نہیں ان کے بارے میں یہ ہمارے دور کے منکرین حیات کیا کہتے ہوں گے جن کے لئے یہ ماننا مشکل ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ میں ایک پردے کے پیچھے برزخی حیات سے زندہ ہیں معلوم نہیں وہ ان اصحاب کہف کی اس حیات کے بارے میں کیا کہتے ہوں گے ان کی

اس حیات میں جو رعب اور وحشت ہے ظاہر ہے کہ وہ انبیاء کرام کی اس حیات میں جس کا سمجھنا آج ان منکرین حیات کے لئے ایک مصیبت بنا ہوا ہے کہیں ہے۔

اصحاب کہف کے حالات کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا اور لکھا گیا ہے لیکن ہم ان تمام بیانات سے قطع نظر ان کے بارے میں اسی نصیحت پر اکتفاء کرتے ہیں جو حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے کی ہے: "یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے انتقال ہوا تو کب ہوا زندہ رہے تو کب تک رہے یا کب تک رہیں گے؟ بہر حال اہل شہر نے ان کے عجیب وغریب احوال پر مطلع ہو کر فرط عقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کریں جس سے زائرین کو سہولت ہو۔ اس میں اختلاف رائے ہوا ہوگا کہ کس قسم کا مکان بنایا جائے۔ تاہم جو بارسوخ یا ذی اقتدار لوگ تھے ان کی رائے یہ قرار پائی کہ غار کے پاس ایک عبادت گاہ تعمیر کر دی جائے اصحاب کہف نسبت بجز اس کے کہ پکے موحد اور متقی تھے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس نبی کی شریعت کے پیرو تھے۔ لیکن جن لوگوں نے معتقد ہو کر وہاں مکان بنایا وہ نصاریٰ تھے۔" (ص ۳۹۵)

حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں اس سے بھی زیادہ کا ایک منظر

قرآن کریم میں علم لدنی دیئے جانے والے ایک مرد غیبی کا اس طرح ذکر ملتا ہے: "فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا" (پ ۱۵ الکہف ۶۵)

ترجمہ: پھر پایا (ان دونے) ایک بندہ ہمارے بندوں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے (علم لدنی) ایک علم۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیہ کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضر کو رسول مانا جائے یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہو سکتا تاہم احقر کا رجحان اس طرف ہے کہ ان کو نبی تسلیم کیا جائے۔" (ص ۴۰۲)

وہ دو کون تھے جن کا ذکر ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم خاص حضرت یوشع بن نون! حضرت یوشع نے آئندہ ایک بڑا مقام پانا تھا اس لیے یہاں انہیں ایک خادم کی بجائے "اپنے جوان" کا پُر عزت عنوان دیا گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے آپ کو وقت کا سب سے بڑا عالم سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے ان کی طرف توجہ دلائی کہ ہمارا ایک بندہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، وہ تمہیں ملے گا کہاں؟ جہاں دو دریا ملتے دکھائی دیں۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملتے ہیں اس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔"

دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟

بعض نے کہا بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں شاید ملاپ سے مراد قرب ہوگا یعنی جہاں دونوں

کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں بعض علماء کے نزدیک مجمع البحرین وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ واللہ اعلم!

بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی مجھے اس کا پورا پتہ نشان بتایا جائے تاکہ میں وہاں جاکر کچھ علمی استفادہ کروں حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو جہاں مچھلی گم ہو وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے گویا مجمع البحرین سے جو ایک وسیع قطعہ مراد ہو سکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرمادی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشع کو ہمراہ لے کر سفر شروع کر دیا اور یوشع کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا میں برابر سفر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں۔ (ص ۴۰۱)

آپ آگے جاکر لکھتے ہیں: ''وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا یوشع کو دیکھ کر تعجب آیا چاہا کہ موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے کہوں وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے۔ یوشع نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسیٰ نے جب ان کو مچھلی کی خبر گیری کے لئے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں چاہیے۔'' (ص ۴۰۱)

مچھلی کے گم ہونے کی کیا صورت عملاً سامنے آئی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مرد غیبی کے ملنے کے لئے صرف مچھلی کے گم ہونے کا نشان دیا گیا تھا اور اس کے گم ہونے کی کئی صورتیں ہو سکتی تھیں کوئی فرشتہ اسکو اٹھالے یا کوئی شخص اسے کھالے لیکن اللہ تعالیٰ کے اسرار تکوینی میں جو اس کے گم ہونے کی صورت تھی وہ بہت زیادہ حیرت افزا تھی۔ موسیٰ علیہ السلام بھی اسے دیکھ نہ پائے وہ عجیب وغریب نظارہ صرف حضرت یوشع نے دیکھا مٹی اور پہاڑوں میں سرنگیں بنتی تو لوگوں نے عام دیکھی ہوں گی لیکن پانی میں سرنگ کا بننا اب تک کہیں سنا یا دیکھا نہ گیا تھا۔

پھر مچھلی کے بارے میں یہ شک نہیں ہو سکتا کہ وہ مرنہ چکی تھی مرنے کے بعد وہ اچھی تلی اور بھنی ہوئی تھی اس کا زنبیل سے زندہ ہو کر نکلنا اور پھر سے دریا میں چلا جانا یہ عجیب وغریب واقعہ بھی صرف حضرت یوشع ہی دیکھ پائے۔ ایسے عجیب وغریب واقعہ کو قرآن میں پڑھ کر تو کسی مسلمان کو کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی لیکن یہ واقعہ جو کسی حدیث سے سامنے آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو ہمارے نادان دوستوں کو عقیدہ حیات النبی ﷺ کا تحمل بہت گراں دکھائی دیتا ہے آیئے قرآن کریم میں دیکھیں کہ مچھلی کے گم ہونے کی کیا کیا عملی صورت سامنے آئی اور پھر جانیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اس کی قدرت کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اگر مچھلی میں اس کی روح دوبارہ آسکتی ہے اور وہ زندہ ہو کر پھر دریا میں چھلانگ لگا سکتی ہے تو انبیاء کا وفات کے بعد تعلق روح سے زندہ ہونا اس میں ان منکرین حیات کو عقلاً یا نقلاً کونسی مشکل محسوس ہوتی ہے۔

''فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا، قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا

الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا" (پ ۱۵ الکہف ۶۱ تا ۶۳)

ترجمہ: ...... پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر۔ پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف (تھکان) بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس۔ سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے (مچھلی نے) کر لیا اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح۔

حضرت شیخ الاسلام ﷫ کی یہ بات آپ پہلے پڑھ آئے ہیں: "یوشع ﷤ نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ سی بناتی چلی گئی وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سا کھلا رہ گیا۔" (ص ۴۰۱)

معلوم نہیں کہ اس دور کے منکرین حیات النبی ﷺ ان آیات کو پڑھتے اور ایک مچھلی کا پھر سے زندہ ہونا مانتے ہوئے حضور ﷺ کے بارے میں کیوں اتنے جری ہو گئے کہ آپ کے اپنی وفات کے بعد برزخی زندگی سے زندہ ہونے کا کھلے بندوں انکار کرتے ہیں۔

صحابہ کرام ﷢ کا یہی عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ پر پڑھا گیا صلوٰۃ و سلام آپ کے اسی جسدِ اطہر پر پیش ہوتا ہے جو ان کے سامنے ہے تبھی تو انہوں نے حضور ﷺ سے کہا ہمارا صلوٰۃ و سلام آپ پر کس طرح پیش ہوگا جب آپ اپنی قبر میں ہوں گے اس پر حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ تو صرف روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ ارشاد فرمایا کہ پیغمبروں کے اجساد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے یعنی صلوٰۃ و سلام ان پر برابر اترتا رہے گا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد ایک برزخی زندگی سے زندہ ہیں اور ان پر صلوٰۃ و سلام کے پیش ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اگر حضور ﷺ کی روح مبارک کسی اور جگہ ہو اور جسد اطہر روضہ پاک میں اس زمین پر ہو تو جو فرشتے امتیوں کا درود و سلام حضور ﷺ تک لے جاتے ہیں ان کا دائرہ عمل بین السماء والارض ہوگا لیکن حدیث میں صریح طور پر ان فرشتوں کے لئے "سیاحین فی الارض" کے الفاظ وارد ہیں۔ درود پڑھنے والے بھی زمین پر اور حضور ﷺ کا جسدِ اطہر بھی اسی زمین پر تو اس پہلو سے ان کے لئے حدیث میں سیاحین فی الارض کے الفاظ وارد ہیں۔

امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی (ص ۲۵۵ھ) اور امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی (۳۰۳ھ) حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِي السَّلَامَ" (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵۰ و سنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو اس زمین پر برابر سیاحت میں رہتے ہیں وہ مجھے میرے امتیوں کا درود و سلام پہنچاتے ہیں۔

ان کی زمین پر سیاحت اس طرح ہے کہ درود و سلام پڑھنے والے بھی اس زمین پر اور حضور ﷺ بھی اسی زمین پر اور اب بعد وفات روضہ مبارک بھی اس زمین پر اور آپ کی رفاقت میں حضرت ابو بکر ﷛ اور حضرت عمر ﷛ بھی اس گنبدِ خضریٰ کے مکین ہیں۔

اس صریح ارشاد نبوت کے ہوتے ہوئے پھر بھی اگر کوئی نادان عقیدہ حیات النبی ﷺ کو اپنے لیے ایک بوجھ سمجھتا ہے تو سوائے اس کے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ اسے اہل سنت کی لائن ہی نصیب نہیں۔

آیئے! اب ہم صرف قرآن کریم کی روشنی میں اس عقیدہ کا کچھ تجزیہ کریں پہلے تو ہم صرف تحفظ اجساد انبیاء کے موضوع میں لگے رہے کیونکہ اس کے بغیر مسئلہ حیات انبیاء کو سمجھنا کوئی آسان مرحلہ محسوس نہیں ہوتا۔

"وَاللّٰهُ هُوَ الْمُوَفِّقُ لِمَا یُحِبُّهٗ وَیَرْضٰی بِهٖ"

شہادۃ القرآن باعلی النداء باعتقاد حیات نبینا فی الروضۃ الخضراء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (پ۲۱، الاحزاب ۶)

ترجمہ: نبی کا مؤمنین سے لگاؤ ان کی جان سے زیادہ ہے اور اس کی بیویاں سب مؤمنین کی مائیں ہیں۔

اس آیت کریمہ نے (ہم) مؤمنین کو حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے امہات المؤمنین ہونے کا عقیدہ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں مؤمنین سے مراد صرف حضرت خاتم النبیین ﷺ کی وفات سے پہلے ایمان لانے والے ہی نہیں آپ پر قیامت تک ایمان لانے والے سب اس صف مؤمنین میں داخل ہیں اس آیت میں امہات المؤمنین کے لئے ہمیشہ کے لئے ازواج کا لفظ نہایت غور طلب ہے پوری دنیا میں ہر فوت ہونے والے کی بیویاں اس کی وفات کے بعد اس کی بیوہ سمجھی جاتی ہیں۔ اب ان کے لئے اس کی بیویاں ہونے کا لفظ باقی نہیں رہتا یہ وہ عرف عام ہے جس سے دنیا کا کوئی تمدن انکار نہیں کرتا۔

دنیا سے انصاف اگر کلیۃً ختم نہیں ہو گیا اور اس میں کسی درجہ میں بھی علمی حیاء پائی جاتی ہے تو وہ قرآن پاک کی اس آیت کی روشنی میں سب امہات المؤمنین کے لئے حضور ﷺ کی ازواج ہونے کا پُر افتخار و اعزاز لقب کبھی نہ چھین سکے گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا کسی پہلو سے بھی انکار نہ کر سکے گا۔

بیوی اور بیوہ میں صرف موت کا فاصلہ ہے

بیوی صرف اس وقت تک بیوی ہوتی ہے جب تک خاوند زندہ ہے اس کی وفات کے متصلاً بعد وہ بیوہ ہو جاتی ہے عربی میں کہا جاتا ہے آم الرجل من زوجتہ اوالمرأۃ من زوجہا۔ آدمی رانڈ ہو گیا اپنی بیوی سے یا عورت بیوہ ہو گئی اپنے خاوند سے۔ اس لفظ کے ماضی مضارع ہیں: آم یئیم ایمۃ۔

اللہ تعالیٰ سورۃ النور میں بیواؤں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: "وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ"

(پارہ ۱۸، سورۃ النور ۳۲)

ترجمہ: اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ (ترجمہ: مولانا فتح محمد جالندھری)

یہاں بیوہ ان عورتوں کو کہا گیا ہے جن کے خاوند فوت ہو چکے اور اب وہ بے نکاح ہیں اکثر مترجمین نے یہاں بے نکاح ہونے کا ترجمہ کیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بیوی اور بیوہ میں صرف موت کا فاصلہ ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں جس میں حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات ﷥ کو امہات المؤمنین کہا گیا ہے ان کے لئے ازواج کا لفظ ان کا ایک دائمی اعزاز ہے یہ لفظ ان کے لئے رہتی دنیا تک رہے گا ان کے لئے حضور ﷺ کی بیوہ ہونے کا لفظ کبھی نہ آئے گا یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حیات تسلیم کیا جائے۔

جس طرح امہات المؤمنین ہمیشہ کے لئے امت کی مائیں ہیں آپ ﷺ اس ناطے ہمیشہ کے لئے امت کے باپ ہیں۔اس آیت نے ''وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ'' کہہ کر انہیں ہمیشہ کے لئے امت کی مائیں قرار دیا ہے اس سے حضور ﷺ کے حیات النبی ﷺ کا اعزاز بھی آپ ﷺ سے جدا نہیں کیا جا سکے گا۔ ہمیں ان دوستوں پر حیرت ہوتی ہے جو اس آیت کو پڑھ لینے کے بعد بھی عقیدہ حیات النبی ﷺ کو ماننا اپنے لئے گراں سمجھتے ہیں۔قرآن کریم کی اس آیت کی رو سے حضور ﷺ کے اس امت سے دولافانی رابطے قائم ہیں۔جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) ایک یہ کہ آپ اپنے ہر امتی کا منبع ایمان ہیں آپ ﷺ ایمان سے موصوف بالذات ہیں اور جس کو بھی ایمان ملا حضور ﷺ کے طفیل ہی ملا۔

(۲) دوسرا یہ کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ﷢ رہتی دنیا تک اس امت کی مائیں ہیں، وہ کبھی کسی مؤمن کی نانی نہ بنیں گی۔

قرآن کریم میں حضور ﷺ سے اس امت کے ان دونوں رابطوں کو اس طرح یکجا کیا گیا ہے کہ جب تک ان دونوں کو ایک دوسرے سے لازم نہ سمجھا جائے عقیدہ حیات النبی ﷺ پوری وضاحت سے مومنین کے دل ودماغ میں نہیں اتر سکتا۔

حضرت شیخ الاسلام ﷫ حضور ﷺ کے منبع ایمان ہونے کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ''مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔آفتاب نبوت پیغمبر علیہ السلام ہیں بنابریں (مِنْ حَیْثُ ھُوَ مُؤْمِنٌ) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے۔اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مومنین کے حق میں نبی بمنزلہٗ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔چنانچہ سنن ابی داؤد میں ''اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ.... الحدیث'' اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں وَھُوَ اَبٌ لَّکُمْ کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت اور شفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمان اور روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے اور جو شفقت اور تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ کو تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔'' (تفسیر عثمانی ۵۵۶ طبع سعودی عرب)

قارئین غور کریں! جس سے امتی کو دائمی حیات ملے کیا وہ خود برزخی حیات سے حیات النبی ﷺ نہ ہوگا؟

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ﷢ کے امہات المومنین ہونے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انہیں جو امتیاز ملا وہ صرف عام عورتوں کے بالمقابل نہیں وہ امت کی تمام مومنات کے بالمقابل ان کی ایک ممتاز پوزیشن ہے سو ان کے امت کی مائیں ہونے سے صرف ان کے مائیں ہونے کا عقیدہ نہیں ملتا بلکہ سب مومنین کی مائیں ہونے کا پتہ ملتا ہے۔اس سے شیعہ کے اس گمان کی تردید ہوتی ہے کہ وہ صرف امت کی مائیں ہیں ایسا نہیں وہ اعلیٰ درجہ کی مومنات ہیں۔

حضور ﷺ کی ازواج واولاد نے آپ ﷺ کی وراثت نہ پائی

اس تاریخی حقیقت سے اب تک کسی نے انکار نہیں کیا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات ﷢ نے آپ کی مالی وراثت نہ پائی آپ کی اولاد میں سے صرف حضرت سیدہ فاطمہ ﷤ زندہ تھیں ان کو بھی اپنے باپ کی مالی وراثت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ وراثت کس کی نہیں چلتی؟ جو زندہ ہو سو آپ کی مالی وراثت آگے نہ چلنا حیات النبی ﷺ ہونے کی وجہ سے ہے۔

حضور ﷺ کی وفات دوسرے انسانوں کی وفات کی طرح نہ تھی

حضور اکرم ﷺ کی تعلیم عام تھی کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو اس کی تدفین میں دیر نہ کی جائے لیکن آپ ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام ﷢ اور اہل بیت عظام ﷢ میں سے کسی نے یہ نکتہ نہیں اٹھایا کہ آپ ﷺ کی تدفین میں دیر کیوں کی جارہی ہے؟

جلدی تدفین کی اس لئے تعلیم دی گئی کہ موت کے بعد میت پر آثار موت وارد ہوتے ہیں اس کا بدن اکڑنے لگتا ہے لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے بدن مبارک پر ان آثار موت کے وارد ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ سو امت کا پہلا اجماع اسی عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ہوا اور آپ ﷺ کی تدفین تین دن کی تاخیر سے ہوئی گو اس وقت اس تاخیر کو حیات النبی ﷺ کا عنوان نہ دیا گیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بعض اوقات بداہت سے ثابت ہونے والے امور محتاج صراحت نہیں سمجھے جاتے وہ عیاں راچہ بیاں کی مد میں آتے ہیں۔

آپ ﷺ کی نماز جنازہ بھی اس دعا سے نہ پڑھی گئی نہ کوئی اس میں امام تھا: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا" حضرت علی المرتضیٰ ﷛ نے اعلان کر دیا تھا کہ حضور ﷺ اس دنیا کی زندگی میں بھی امام تھے اور اب آپ وفات پانے کے بعد بھی امام ہیں اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کی موت میں موت وحیات دونوں جمع ہیں۔ موت اس جسم پر آئی ہے اور حیات اس جسم اطہر میں برزخی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ ﷛ نے اس وقت حضور ﷺ کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ آپ ﷺ امام "حیاً و میتاً" تو اس کا مطلب یہی تھا کہ آپ کی موت میں موت اور حیات دونوں جمع ہیں جسم اطہر وہی دنیوی ہے اور اس میں حیات برزخی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ ﷛ کے اس عمل جنازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے اختیار سے بلا کسی سے مشورہ کئے یہ عمل کر رہے ہیں اور اس پر کسی دوسرے صحابی نے آپ کو ٹوکا نہیں اس صورت حال سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر حضور ﷺ نے آپ کو خلیفہ نامزد کیا ہوتا تو آپ اس کا کھلم کھلا اظہار کر کے یہ خدمات بطور امیر المؤمنین ادا فرماتے یہ بات قطعاً صحیح نہیں کہ آپ پر دوسرے صحابہ کا رعب تھا اس وجہ سے آپ اپنی خلافت کا اعلان نہ کر سکے۔

آپ کے جنازے کا مسئلہ آج تک اہل سنت اور شیعہ میں زیر بحث چلا آرہا ہے اور اب بھی شیعہ ذہن ہی ہے کہ جس نے مسئلہ حیات النبی ﷺ کو ایک اختلافی مسئلہ بنا رکھا ہے ورنہ یہ تو اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے۔

حضور ﷺ کی زوجیت ایک وہبی مرتبہ ہے جیسے صحابیت ایک وہبی مرتبہ ہے

جس طرح صحابیت ایک وہبی مرتبہ ہے خدا تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہے کہ اللہ نے انہیں اس دور میں پیدا کر دیا اسی طرح حضور ﷺ کی ازواج ؓ بھی خدا تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہے ان کا مرتبہ عام عورتوں کا سانہیں۔

حضرت شیخ الاسلام ﷫ قرآن کریم کی آیت "یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ" (پ۲۱، الاحزاب ۳۲) کے تحت لکھتے ہیں: "یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا ہے اور امہات المؤمنین بنایا لہٰذا اگر تقویٰ وطہارت کا بہترین نمونہ پیش کرو گی جیسا کہ متوقع ہے اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا اور بالفرض اگر کوئی بری حرکت سرزد ہو تو اس نسبت سے وہ بھی زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی عام مومنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔" (ص ۵۶۱)

یہاں امہات المؤمنین کی پوزیشن عام عورتوں کے بالمقابل ممتاز بتائی جارہی ہے یہ امتیاز انہیں عام مومنات کے بالمقابل حاصل ہے اور اس کا حاصل یہی ہے کہ حضور ﷺ کی زوجیت بھی کسی کی اپنی محنت نہیں یہ ایک وہبی مرتبہ ہے جو خدا کا اپنا انتخاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص اس دور میں پیدا کیا کہ وہ حضور ﷺ کی زوجیت میں آسکیں۔

یہ اسی کا انتخاب ہے کہ امہات المؤمنین تمام مومنین وہ حضور ﷺ کی وفات سے پہلے ایمان لائے ہوں یا اس کے بعد کسی بھی دور میں اور دنیا کے کسی بھی کونے میں ایمان لائے ہوئے ہوں آپ کی ازواج مطہرات ان سب کی مائیں ہیں وہ نانی کسی فرد امت کی نہیں جس طرح وہ پوری امت کی مائیں ہیں حضور اکرم ﷺ بھی پوری امت کے روحانی باپ ہیں آپ ﷺ کا یہ منصب اور مرتبہ اور ازواج مطہرات کا پوری امت کی مائیں رہنے کا مرتبہ بدوں اس کے کسی طرح سمجھ نہیں آسکتا کہ آپ ﷺ کو حیات النبی ﷺ جانا اور مانا جائے اور آپ کا اپنی امت سے ایک وہ لافانی رشتہ ہو کہ اس کا کسی طرح انکار نہ کیا جاسکے۔

صفت رحمۃ للعالمین بھی آپ ﷺ کے حیات النبی ﷺ ہونے کی خبر ہے

جس طرح امہات المؤمنین ہمیشہ کے لئے مومنین کی مائیں ہیں اور حضور ﷺ سب مومنین کے روحانی باپ ہیں اسی طرح حضور ﷺ سب جہان کے لئے اور سب ادوار کے لئے بھی رحمت ہیں یہاں تک کہ آپ کی رحمت کے جھونکے کافروں تک فیض رساں ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: "اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ، وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (پ۱۷، الانبیاء ۱۰۶، ۱۰۷)

ترجمہ: اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں لوگ بندگی والے اور ہم نے آپ کو دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے۔

اس پر حضرت شیخ الاسلام ﷫ لکھتے ہیں: "یعنی آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں

اگر کوئی بدبخت اس رحمۃ عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے آفتاب عالم تاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا اور یہاں تو رحمۃ للعالمین کا حلقہ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب وانسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم اور کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام ومستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لئے سراسر رحمت تھا کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی۔ ایک حدیث میں ہے: ''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ، لَأَقْتُلَنَّهُمْ ولأصلبنّهم وَلَأَهْدِيَنَّهُمْ وَهُمْ كَارِهُونَ، إِنِّي رَحْمَةٌ بَعَثَنِي اللهُ، وَلَا يَتَوفَّانِي حَتَّى يُظْهِرَ اللهُ دِينَهُ'' (ابن کثیر) ان الفاظ سے آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۴۴۱ طبع سعودی عرب)

دریا آبادی صاحب لکھتے ہیں: ''فلاح کریمین اور سعادت دارین صرف رسول کے اتباع میں ہے یہاں تک کہ رسول کا غزوہ وقتال بھی دنیا کے حق میں سرتاسر رحمت ہی ہوتا ہے اقبال نے کتنا سچ کہا ہے:

لطف و قہر او سراپا رحمتے — آں بہ یاراں ایں بہ اعداء رحمتے

مرشد تھانوی نے اس آیت سے ایک نکتہ بھی استنباط کیا ہے کہ مقبولین کی برکات ان کے قصد کے بغیر بھی عالم کو پہنچتی رہتی ہیں جیسے آفتاب کی شعاعیں کہ بلا اس کے قصد وعلم کے سب کو پہنچتی رہتی ہیں۔''

(مولانا عبدالماجد دریابادی ص ۶۷۴)

حضور ﷺ کی یہ برکات اگر اب تک دینا میں سب کو پہنچ رہی ہیں تو یہ بدوں اس کے نہیں ہوسکتا کہ رحمۃ للعالمین کے یہ اثرات آپ کے حیات النبی ﷺ ہونے سے نہ ہوں حضور اکرم ﷺ نے جب مسئلہ حیات النبی ﷺ بیان فرمایا تو سب انبیاء کو اس میں ساتھ رکھا اور پھر ان کے قبروں کے زندہ اعمال کی خبر دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت رحمۃ للعالمین کو بھی سورۃ الانبیاء میں رکھا اور اس میں حضور اکرم ﷺ کے پورے عالم میں رحمۃ للعالمین ہونے کی خبر دی ہے۔

روضہ خضراء میں حضور ﷺ کی حیاتِ برزخی پر پوری امت کا اجماع ہے

پورے حلقہ اہل سنت میں ایک معروف عالم دین بھی ایسا نہیں ملتا جو آپ کی اس حیات برزخی کا منکر ہو۔ گیارھویں صدی ہجری کے مشہور محدث اور فقیہ حضرت علامہ ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ) نے آپ ﷺ کے روضہ انور کی حاضری پر ایک مستقل رسالہ ''الدرۃ المضیۃ فی الزیارۃ الرضیۃ'' کے نام سے لکھا ہے اور اس کا نام زیارۃ الرضیہ لکھ کر بتلا دیا کہ اس زیارت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں رضا ہی رضا ہے اسے کسی طرح کوئی اختلافی مسئلہ نہیں کہا جاسکتا یہ آپ کے رسائل میں نمبر چودہ کا رسالہ ہے آپ کے یہ رسائل پہلی دفعہ ۱۴۳۷ھ (۲۰۱۶ء) میں شائع

ہوئے آپ اس میں اجماع کے عنوان سے رقمطراز ہیں: ''واما الاجماع فقد نقله جماعة من الائمة حملة الشرع منهم النووی من الشافعية وابن الهمام من الحنفية وفی فتح الباری الزيارة من افضل الاعمال واجل القرب الموصلة الی ذی الجلال ومشروعيتها محل اجماع بلانزاع''

(المجموع للنووی ج ۵ ص ۳۱۰، فتح الباری ج ۳ ص ۶۶)

ترجمہ: جہاں تک اجماع کا تعلق ہے اسے ائمہ کی ایک جماعت نے جو شریعت کے علم بردار مانے جاتے ہیں نقل کیا ہے ان میں شافعیہ کے امام نووی اور حنفیہ کے امام ابن ہمام ہیں اور فتح الباری میں ہے کہ حضور ﷺ کے روضہ کی زیارت افضل اعمال میں سے اور آپ سے بڑے اونچے درجے کی قرابت ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے اور اس کی مشروعیت پر ایسا اجماع ہے کہ جس پر شریعت میں کوئی نزاع نہیں ملتا۔

اور اس کے آگے ''ومن اعظم فوائد الزيارة'' کے عنوان سے لکھتے ہیں: ''ان زائره اذا صلی وسلم عند قبره سمعه سماعا حقيقياً ورد عليه من غير واسطة وناهيک بذالک بخلاف من يصلی ويسلم عليه من بعيد فان ذالک لايبلغه الا بواسطة لما جاء عنه بسند جيد من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعيد اعلمته ومن صلی علی نائيا بلغته، رواه ابن ابی شيبة وغيره'' (الدرۃ المضیہ فی الزیارۃ الرضیہ ص ۲۰۶)

(من مجموع الرسائل العلامۃ ملا علی قاری)

ترجمہ: روضہ پر حاضری دینے والا جب اس پر صلوٰۃ وسلام پیش کرتا ہے تو حضور ﷺ سے بغیر کسی فرشتہ کے واسطہ کے خود سماعت فرماتے ہیں بخلاف اس کے جو دور سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے اس صورت میں آپ ﷺ اسے واسطہ سے سنتے ہیں اس لیے کہ یہ اس حدیث میں جو بڑی عمدہ سند سے ملتی ہے وارد ہے کہ جو مجھ پر دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ نائیا کا معنی دور سے پڑھنا ہی ہے۔

پھر آگے صفحہ ۲۰۸ پر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں: ''ثم اعلم انه علم من هذه الاحاديث ايضا انه ﷺ حی علی الدوام اذ من المحال العادی ان يخلو الوجود كله عن واحد يسلم عليه فی ليل او نهار فنحن نؤمن بانه حی يرزق وان جسده الشريف لاتأكله الارض وكذا سائر الانبياء كما ورد فی حديث ان الله حرم علی الارض ان تأكل لحوم الانبياء والاجماع علی هذا قيل وكذا العلماء والشهداء وصح انه كشف عن غير واحد من العلماء والاولياء فوجدا لم تتغير اجسادهم كما صح ان عبد الله ابا جابر وعمرو بن الجموح وهما ممن استشهد يوم احد حضر السيل قبرهما بعد ست واربعين سنة فوجدوا لم يتغيرا وكان احدهما جرح فوضع يده علی جرحه فدفن وهو كذالک فاميطت يده عن جرحه فسال الدم منه ثم ارسلت فرجعت كما كانت''

ترجمہ: اور یہ بات صحیح ثابت ہو چکی کہ کئی علماء اور اولیاء کی قبروں سے جب پردہ ہٹایا گیا تو ان کے اجساد کریمہ بلا تغیر پائے گئے جیسا کہ یہ خبر جابر کے والد عبداللہ اور عمرو بن الجموح کے بارے میں صحیح پائی گئی اور یہ دونوں صحابی جنگ احد میں شہید ہوئے تھے جنگ احد سے چھیالیس سال بعد جب ایک بڑے سیلاب نے ان کی قبریں کھول دیں تو ان دونوں کے ابدان بلا تغیر پائے گئے ان دونوں میں ایک وہ تھے جنہوں نے وقت دفن اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا جب انکا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا تو پھر خون چلنے لگا پھر ہاتھ کو اس پر رکھ دیا گیا تو وہ پھر رک گیا۔

اس کے حاشیہ میں تحقیقی کام کرنے والے نے لکھا ہے: ''اخذ المولف ذالک من القسطلانی من المواهب اللدنیه'' (ج ۳، ص ۲۰۱)

(ورواہ امام مالک فی الموطا ج ۲ ص ۴۷۰، وانظر صفۃ الصفوۃ ابن الجوزی ج ۱ ص ۶۴۷، والاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ابن حجر ج ۴ ص ۱۱۵)

اس کے بعد محقق کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری ﷫ لکھتے ہیں: ''ولما حضر معاویة ﷜ العین التی استنبطها بالمدینة وذلک بعد احد بنحو خمسین سنة ونقل الموتی اما اصابت المسعاة قدم حمزة ﷜ فسال منه الدم نعم الظاهر من الادلة ان حیاة الشهداء اقوی من حیاة الاولیاء للنص علیها فی القرآن دون حیاة الانبیاء لانهم بها اولی واحری والتفاوت فیها بمعنی التفاوت فی ثمراتها غیر بعید فتأمله وقد جمع البیهقی جزأفی حیاة الانبیاء فی قبورهم واستدل بکثیر من الاحادیث السابقة وبالحدیث الصحیح الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون''

ترجمہ: اور جب احد کے تقریباً پچاس سال بعد حضرت معاویہ ﷛ نے مدینہ منورہ میں ایک نہر لانے کے لئے زمین میں کھدائی کرائی اور وہاں کے مدفونین کو دوسری جگہ منتقل کرایا تو زمین کھودنے والے (سید الشہداء) حضرت حمزہ ﷛ کے قدم تک جا پہنچے تو ان کے قدم سے پھر خون چل پڑا۔

ہاں دلائل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شہداء کی حیات اولیاء کرام کی حیات سے زیادہ قوی ہے کیونکہ اس پر (حیات شہداء پر) قرآن کریم کی نص موجود ہے اور اس طرح نص انبیاء کرام کی حیات پر نہیں حالانکہ وہ اپنے درجہ میں شہداء سے بھی زیادہ اس حیات کے اہل اور لائق ہیں ان میں اور شہداء میں جو ان کی حیات (برزخی) میں تفاوت پایا جاتا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ تفاوت اس حیات کے ثمرات میں ہو اس پر مزید غور کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں: (امام بیہقی ﷫ ۴۵۸ ھ) نے انبیاء کے اپنی قبروں میں زندہ ہونے پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں بہت سی بیان کردہ پہلی احادیث اور اس صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ ان میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

امت مسلمہ کا یہ اجماعی عقیدہ

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اشارہ دیا گیا ہے

۱...... ''وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ '' (الزخرف:۴۵)

ترجمہ: اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہیں ہم نے تجھ سے پہلے کبھی ہم نے رکھے ہیں رحمن کے سوا اور حاکم کہ پوجے جائیں۔

یہ جو پوچھ دیکھ کہا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ان میں سے کس کس کی آپ سے ملاقات ہوگی ملاقات زندہ انسانوں کی ہوتی ہے یہ کوئی خواب کی بات نہیں ہوتی ملاقات ظاہری طور پر آپس میں ملنا ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ﷫ اس پوچھنے کے بارے میں لکھتے ہیں پوچھ دیکھو یعنی (۱) جس وقت ان سے ملاقات ہو یا (۲) ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو۔

بہرحال جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔ (ص ۶۵۴ طبع سعودی عرب)

حضور ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کشفاً ملاقات ہوئی آپ نے دیکھا کہ آپ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں:
''مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)

موسیٰ علیہ السلام کی اس ملاقات میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مولانا سید انور شاہ رحمہ اللہ اس پر لکھتے ہیں:
''يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ'' (مشکلات القرآن ص ۲۳۴)

اور آگے لکھتے ہیں: وَهٰكَذَا فِي الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ ج ۶، ص ۱۶۔ روح المعانی ج ۵، ص ۸۹۔ جمل ج ۴، ص ۸۸۔ شیخ زادہ ج ۳، ص ۲۹۸۔ خفاجی ج ۷، ص ۴۴۴

۲...... پھر سورۃ السجدۃ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر فرمایا ہے: ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ'' (پ ۲۱ السجدہ ۲۳)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پس مت رہ تو بیچ شک کے ملاقات اس کی سے دھوکہ نہ کر اس کے ملنے میں۔

یعنی کتاب کے ملنے میں یا موسیٰ کے معراج کی رات ان سے ملنے کی اور بھی کئی بار ہو سکتا ہے کہ اس ملاقات کی طرف اشارہ ہو جو آپ کی بیت القدس میں معراج کی رات ہوئی۔ ملاقات زندہ کا زندہ سے ملنا ہے یہ سب اشارے حیات انبیاء کے ہیں جن کی قرآن پاک میں اس طرح خبر دی گئی ہے یہ اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ہے۔

حضرت امام بیہقی کا عقائد اہل سنت میں تصلب

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار میں ایک ملحد ابونصر منصور بن محمد الکندی وزارت کے منصب پر آ گیا تھا اس نے معتزلہ کی حمایت میں بہت کوششیں کیں اور دو مسئلوں کو اپنا محور بنایا:

۱...... حضور ﷺ کا جسد اقدس قبر میں جماد محض ہے اس میں کوئی حس نہیں۔

۲...... وفات کے بعد روح و بدن میں کلی مفارقت ہے برزخی معاملات سب روح پر گزرتے ہیں۔

امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) محدثین میں سے ہونے کے باوجود عقائد اہل سنت میں نہایت پختہ فکر تھے آپ نے اس پر کتاب الاسماء والصفات اور حیات النبی ﷺ حیات الانبیاء اور ''شکاثة اهل السنة بمانالهم من المحنة'' لکھی: آپ کے بعد حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) نے اس پر تَبْيِيْنُ كِذْبِ الْمُفْتَرِيْ لکھ کر کرامیہ اور معتزلہ کی پرزور تردید کی۔

قبر میں روح کا اس بدن عنصری سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اسے بالکل غلط ٹھہرایا اہل سنت کے عقیدہ میں آپ ﷺ کی حیات برزخی اسی بدن عنصری میں ہے جو گنبد خضراء میں مکین ہے۔

اس کے بعد محدث کبیر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے واقعہ حرہ کا ذکر کیا ہے جب حرم مدینہ میں تین دن مسلسل نہ اذان ہو پائی نہ نماز اس کے وجوہ کیا تھے اسے ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں یہاں ذکر نہیں کیا تاہم یہ ایک ایسا سانحہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا جلیل القدر تابعی حضرت سعید ابن المسیب (۹۳ھ) ان دنوں حرم مدینہ میں تھے اللہ تعالیٰ ان جیسے عارفین کو کبھی نماز سے محروم نہیں رکھتا۔ آپ ایام حرہ میں آذان کی آواز کہاں سے سنتے رہے؟

حضرت علامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "روی ان یزید بن معاویۃ رضی اللہ عنہ لما حاصر المدینۃ وقتل من اھلھا من قتل حتیٰ خلا المسجد عن اقامۃ الصلٰوۃ فیہ مدۃ قال ابن المسیب کنت فیہ وما کنت اعلم دخول الاوقات الابسماع الاذان والاقامۃ من داخل القبر المکرم" (الدرۃ المضیہ فی الزیارۃ الرضیہ ص ۳۱۰)

ترجمہ: روایت میں ہے کہ جب یزید نے (اپنی خلافت سے نکلنے والوں کا) مدینہ میں محاصرہ کیا اور وہاں کے رہنے والوں میں جن کو چاہا قتل کیا یہاں تک کہ مسجد نماز ہونے سے کچھ وقت کے لئے خالی ہوگئی حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میں ان دنوں مسجد میں تھا نماز کے اوقات کو حضور ﷺ کی قبر مبارک میں ہوئی اذان اور اقامت سے ہی معلوم کرتا تھا۔

اس کے آگے آپ لکھتے ہیں: "وقد صح عن النبی ﷺ انہ قال ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتیٰ ارد وقد صدر البیھقی باب زیارۃ قبر النبی ﷺ وذکر ابن قدامۃ الحدیث من روایۃ احمد بلفظ ما من احد یسلم عند قبری۔۔۔ (ابن قدامہ ج ۳ ص ۴۷۸) وقد وقع لجمع من الاولیاء وانھم سمعوا رد السلام علیھم من الحجرۃ الشریفۃ" (الدرۃ المضیہ ص ۳۱۱)

ترجمہ: حضور ﷺ سے یہ حدیث صحیح روایت سے ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹاتے ہیں یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب زیارۃ قبر النبی ﷺ میں اسے روایت کیا ہے اور ابن قدامہ نے بھی اس حدیث کو حضرت امام احمد کی روایت سے اس طرح روایت کیا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو میری قبر پر آ کر مجھ پر سلام کرے تو میں اسے خود سنتا ہوں۔ یہ حدیث جس کی آپ نے تصحیح کی ہے حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۳۷ اور سنن ابی داؤد میں نمبر ۲۰۴۱ پر موجود ہے۔

امام دارمی (۲۵۵ھ) بھی اپنی سنن میں قبر سے آواز آنے کو اس طرح روایت کرتے ہیں: "عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا، وَلَمْ يُقَمْ، وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ الْمَسْجِدَ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ" (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴)

یہ سب روایات بتلا رہی ہیں کہ حضور ﷺ اپنے روضہ خضراء میں اپنے بدن عنصری سے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور یہ قبر اپنی وسعت میں اس قدر پھیلی ہے کہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اس لیے آپ کی وہ حدیث بھی سامنے آجاتی ہے جب آپ ﷺ مومنین کے دفن کے وقت ان کے لئے دعا کرتے رہے "اَللّٰھُمَّ اَکْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ" اے اللہ اس بندہ مومن کی اچھی مہمانی فرما اور اس کی قبر کو کھول دے۔

حضور ﷺ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو کیا وہ قبر اندر سے وسیع نہ تھی۔

حضرت معاویہ ﷜ کی وفات کے بعد یزید کی حکومت کیا کل سلطنت پر ہو پائی؟

واقعہ حرہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے اس سوال کا اجمالی جواب نفی میں ہے کہ نہیں یزید مکہ مکرمہ پر ایک دن بھی حکمران نہ ہوسکا مکہ مکرمہ پر حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ ہی قابض رہے ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ نے یزید کی زندگی تک نہ اہل مکہ سے اپنے لئے بیعت لی نہ اپنی خلافت کا دعویٰ کیا۔

جب یزید بن معاویہ کی وفات ہوئی اور اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ کی بیعت کی تو اسے یزید کے جانشینوں نے یزید کے خلاف ایک بغاوت قرار دیا اور اہل مدینہ میں جنھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ کو خلیفہ مان لیا، انھیں یزید کی سلطنت میں دوسرا مدعی خلافت ٹھہرایا اور اس حدیث کی رو سے مدینہ پر چڑھائی کر دی ''إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخِرَ مِنْهُمَا'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸)

امویوں کی اس چڑھائی کو ہی واقعہ حرہ کہا جاتا ہے اور اس کا ذکر بھی صحیح مسلم میں موجود ہے: ''جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُطِيعٍ حِينَ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحَرَّةِ مَا كَانَ، زَمَنَ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: اطْرَحُوا لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وِسَادَةً، فَقَالَ: إِنِّي لَمْ آتِكَ لِأَجْلِسَ، أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸)

ترجمہ: ......حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ یزید بن معاویہ کے دور میں حرہ کی صورت حال میں عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے آپ کو دیکھتے ہی عبداللہ بن مطیع نے اپنے عملے کو کہا آپ کے لئے فرش بچھاؤ، آپ ﷜ نے فرمایا میں آپ کے پاس مجلس کرنے نہیں آیا میں آپ کو ایک حدیث سنانے آیا ہوں جو میں نے حضور ﷺ سے سنی تھی آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص اپنے امیر کی اطاعت سے نکلے تو قیامت کے دن اللہ کے حضور اس طرح آئے گا کہ اس کے پاس اپنے اس عمل کا کوئی جواب نہ ہوگا اور جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ کسی امیر کی اطاعت میں نہ تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

حرہ میں صورت واقعہ اس طرح نہ تھی۔ یہ واقعہ یزید کی زندگی میں پیش نہ آیا تھا کہ حضرت بن زبیر ﷜ کو دوسرا خلیفہ قرار دے کر اس حدیث کے تحت لایا جائے آپ کی بیعت یزید کے دور میں نہیں اس کے بعد ہوئی تھی اور مدینہ کے لوگ خود حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ کی خلافت میں جذب ہوئے تھے اطاعت یزید سے نکلنے کے لئے نہیں حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ تو شروع سے یزید کو مکہ سے بے دخل رکھے ہوئے تھے اس میں کسی کو شک کی راہ نہیں کہ حضرت معاویہ ﷜ کی وفات کے بعد یزید ان کی کل سلطنت پر والی نہ ہوسکا مکہ مکرمہ پر اس کی حکومت نہ آسکی تھی اور یہ بات یزید سے بھی کسی معرض خفا میں نہ تھی۔

مدینہ منورہ میں یزید کی طرف سے جابر بن اسود حکمران تھا حضرت عبداللہ بن زبیر ﷜ نے اسے معزول کر کے طلحہ بن عبداللہ کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا۔

یہ وہ حالات تھے جن میں یزید کے جانشین عبد الملک بن مروان نے مکہ کا محاصرہ کیا عبد الملک نے سرداران شام کو مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کا کہا مگر سب نے خانہ کعبہ کو رزم گاہ بنانے سے انکار کیا یہ وہ صورت حال تھی جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں تین دن اذان ونماز نہ ہوسکی اور حضرت سعید بن المسیب ﷛ حضور ﷺ کے روضہ انور سے اذان اور نماز کے اوقات جانتے رہے جیسا کہ سنن کی روایت سے ہم پیچھے ذکر کرآئے ہیں۔

یہ واقعہ حرہ کی بات ایک ضمنی بات تھی جو محدث کبیر ملا علی قاری ﷫ ۱۰۱۴ ھ) اپنے اس رسالہ میں لے آئے ہیں، اس کی مراد بھی حضور ﷺ کے روضہ اطہر سے اذان اور نماز کی جگہ کی وسعت گویا کہ وہ ریاض الجنۃ (جنت کے باغ) میں ہورہی ہے اس صورت عمل کا اثبات اور روضہ انور سے آنے والی آواز کا سنا جانا تھا یہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا ایک کھلا ثبوت ہے جس کا انکار سوائے معتزلہ اور شیعہ کے اور کسی کا نصیب نہیں۔

پاکستان میں اس پر اختلاف پہلی بار ملتان سے اٹھا اور زیادہ افسوس اس پر ہے کہ اس کا انکار کرنے والے دیوبند کی چھتری تلے سامنے آئے اور کھلے بندوں مماتی کہلائے۔

ان حالات میں ضروری محسوس ہوا کہ پاکستان میں مسلک دیوبند کا تعارف عام طور پر جن اکابر دیوبند کے نام سے ہوتا ہے اس موضوع پر انکا عقیدہ عوام کے سامنے لایا جائے اس کے سامنے آنے سے یہ اختلاف پنجاب سے آگے کہیں نہ جا سکے گا۔ الحمد للہ کہ اس کی آواز پورے ہندوستان میں دیوبند کی چھتری کے نیچے کہیں نہیں سنی گئی۔

حجۃ الاسلام ﷫ حضرت مولانا محمد قاسم ﷫ نے کتاب آب حیات لکھی تو آپ اپنے اس موقف میں اکیلے نہ تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، ابو الحسنات مولانا محمد عبد الحی لکھنوی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی ﷭ اور ان جیسے اور بڑے بڑے اہل علم حضرات ہندوستان میں موجود تھے کسی نے حضرت حجۃ الاسلام ﷫ کے عقیدہ حیات النبی ﷺ پر کوئی انگلی تک نہ اٹھائی اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہندوستان میں مسلک دیوبند کی یہ کوئی نئی علمی آواز نہ تھی یہ وہی آواز ہے جو قرون اولیٰ میں اہل السنۃ والجماعۃ کی علمی تحقیقی اور دینی آواز رہی ہے۔

حلقہ دیوبند کے نام سے حضرت مولنا محمد قاسم ﷫ کو بانی دار العلوم دیوبند کے عنوان سے پہلا دیوبندی عالم سمجھا جاتا ہے ان کے ساتھ نو اور بزرگ ملا لیں تو یہ حلقہ دیوبند کا پہلا عشرہ کہلائے گا۔ ہم نے مقام حیات میں علماء دیوبند کے مسلک ارجمند پر پہلے ان دس مرحومین کی شہادت پیش کی ہے۔ ان کے بعد ان اکابر دیوبند سے جو پنجاب کے مذکورہ بالا اختلاف کے وقت زندہ موجود تھے ان میں سے دس حضرات سے اس مسلک ارجمند پر شہادت لی ہے ان بیش قدر بیس شہادتوں کے بعد ہم اس مسلک پر اور کسی شہادت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اس صحیح عقیدے کی حمایت میں آئندہ ہزاروں آوازیں بھی اٹھیں ہم ان سب کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن دانشوروں کے لئے ان پہلی بیس شہادتوں کا وزن ان سب سے زیادہ ہے۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

''اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا''

(پ ۱۰، الانفال ۶۵)

ترجمہ: اور اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور ہوں اگر سو تو غالب آئیں ہزار کافروں پر۔

ایسے دیدہ ور کہیں اور کبھی ہوئے ہیں؟

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتے ہیں جہاں میں دیدہ ور پیدا

شہداء کے قتل ہونے کے بعد ان کی زندگی کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا کہ وہ زندہ ہیں ایک ہی جگہ ان کے لئے قتل ہونے اور زندہ ہونے کے الفاظ ہیں ان کی اس زندگی کے بارے میں صرف یہ کہا گیا کہ تمھارے شعور سے بالاتر ہے ان کے وہاں زندہ ہونے کا کوئی نشان نہیں بتلایا گیا۔

''وَلَاتَقُوْلُوْالِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' (پ۲ البقرہ ۱۵۴)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اس آیت پر لکھتے ہیں جنہوں نے اللہ کے لئے جان دی وہ اس جہاں میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

آگے چوتھے پارے میں ان کے زندہ ہونے کا ایک نشان بھی بتلایا گیا ہے کہ انکو وہاں رزق ملتا ہے:

''وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ'' (پ۴، آل عمران ۱۶۹)

احادیث میں ان کی اس شاندار زندگی کی کچھ اور علامات بھی بتلائی گئیں۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی انکو حق تعالیٰ کا ایک خاص قرب حاصل ہوتا ہے بڑے عالی درجات ومقامات پر فائز ہیں جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے جس طرح ہم اعلیٰ درجے کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑتے چلے جاتے ہیں شہداء کی ارواح حواصل طیور خضر میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں ان طیور خضر کی کیفیت اور کلانی کو اللہ ہی جانے وہاں کی چیزیں ہمارے احاطہ خیال میں کہاں آسکتی ہیں۔''

(تفسیر عثمانی ص ۹۴ طبع سعودی عرب)

قرآن پاک میں ان شہداء کی زندگی کا صرف ایک نشان ہی دیا گیا ہے کہ انہیں وہاں ایک خاص درجے کا رزق ملتا ہے یہ رزق کیا صرف اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو ہی ملتا ہے یا کوئی اور مقتولین بارگاہ ایزدی بھی ہیں جنھوں نے طبعی وفات پائی اور انہیں بھی وہاں رزق ملتا ہے، اگر واقعی کوئی ایسے مقبولین بھی ہیں تو وہ سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے اور کون ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں اگر ان کا بھی کوئی نشان ملتا ہے تو کیا وہ حیات انبیاء کا جلی اشارہ نہیں شہداء سے آگے سوائے انبیاء وصدیقین اور کون ہیں؟ قرآن کریم میں حیاۃ انبیاء پر یہ جلی اشارہ ''مَاتُوْا'' کے لفظ میں موجود ہے: ''وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ، لَیُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ'' (پ۱۷، سورۃ الحج ۵۹)

ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاص اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا ہے البتہ پہنچائے گا ان کو ایسی جگہ جس کو وہ پسند کریں گے کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں۔

یہ حیات انبیاء نہیں تو اور کونسا برزخی مقام ہے؟ یہ حیات انبیاء علیہم السلام پر ایک جلی اشارہ ہے۔

اسلام میں روح و بدن کا رشتہ

زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کے آباد ہونے کے بعد پہلے انسان (حضرت آدم کے بیٹے ہابیل) کے زمین میں دفن ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک کوے سے کام لیا۔ قرآن پاک میں اس کے لئے بعثت کا لفظ ملتا ہے۔

''فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ لِیُرِیَہٗ کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡءَۃَ اَخِیۡہِ... '' (پ۶، المائدہ ۳۱)

ترجمہ: پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا زمین کو تا کہ اسے دکھلا دے کہ کس طرح پردے میں کرے اپنے بھائی کی لاش۔

جو خدا شہد کی مکھی کو وحی کر سکتا ہے وہ ایک کوے کو بھی کسی کام کے لئے مبعوث کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ انسان میت ہو کر بھی ایسا بے آبرو نہ ہو کہ اسے حیوانات نوچیں اور کھائیں۔ جس طرح مٹی اسے پہلے اٹھائے رہی اس طرح اب اس میت کو بھی زمین اپنے اندر سمیٹ لے اسے یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گڑھے کو جسے ہم قبر کہتے ہیں انسانوں کی روح کا مسکن بنایا ہے اور اسے میت ہو کر بھی وہ آبرو دی ہے کہ اس کی روح کا بدن سے ایک تعلق رہے انسان کی روح مطلق بے گھر نہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے اس طرح ذکر کیا ہے: ''اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا اَحۡیَآءً وَّ اَمۡوَاتًا'' (پ۲۹، المرسلات ۲۵)

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی زندوں کو اور مردوں کو۔

یعنی جب وہ زندہ تھے تو زمین ہی انہیں سنبھالے ہوئے تھی وہ اسی پر رہتے تھے اور جب وہ میت ہوئے تو بھی زمین نے ان کو سنبھالا یعنی یہ قبر ہی اس روح کا مسکن بنی اور اسی نے اس کے شرف انسانی اور آبرو کو ایک نیا گھر دیا شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''جو یوں کہا کرتے تھے کہ مٹی میں مل کر جب ہماری ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے اس وقت اپنے ان لچر پوچ شبہات پر شرمائیں گے اور ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔ زندہ مخلوق اسی زمین پر زندگی بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا دوبارہ اس خاک سے اسے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا۔'' (ص ۷۷۲)

اللہ تعالیٰ نے سورہ عبس میں انسان کے بارے میں قبر کی اس آبرو کو اس طرح ذکر کیا ہے: ''ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقۡبَرَہٗ'' (پ۳۰ سورہ عبس ۲۱)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی پھر اسے قبر میں رکھوا دیا۔

اس پر شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''جس نے ایک مرتبہ جلایا اور مارا اس کو اختیار ہے کہ جب چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے اس کی قدرت اب کسی نے سلب نہیں کر لی۔'' (ص ۷۷۸ مجمع سعودی)

اب اس سے ہمارے قارئین غور فرمائیں اور سوچیں کہ کیا قبر میں اسے منکر نکیر کے سوالات کے لئے زندہ کرنا اور اس میں اس کی روح کا لوٹانا کیا اس کے زیر قدرت نہیں اور کیا احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں ہے؟

افسوس کہ ہمارے مماتی دوستوں نے اس آیت کے لفظ اقبار پر کچھ بھی غور نہیں کیا اس کا معنیٰ دوسرے کو اس کے دفن کرنے کا حکم دینا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کے ذریعہ انسان کو حکم دیا کہ وہ دوسرے انسان کو قبر میں دفن کر کے اس کو عزت دے لغت کی کتاب صراح میں فاقبرہ کا معنیٰ یہ دیا گیا ہے: ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' اَیْ جَعَلَهٗ مِمَّنْ یُقْبَرُ، وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِمَّنْ یُلْقٰی لِلْکِلَابِ، وَکَانَ الْقَبْرُ مِمَّا اُکْرِمَ بِهٖ بَنُوْ آدَمَ''

ترجمہ: ''پھر اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی پھر اسے قبر میں رکھوا دیا'' یعنی انسان کو ان میں سے بنایا جن کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تاکہ ان میں سے جن کو درندوں کے سامنے ڈال دیا جاتا ہے گویا قبر ایسی چیز ہے جس سے بنی آدم کو شرف بخشا گیا ہے۔

اس آیت پر امام فخر الدین الرازی (۶۰۶ ھ) لکھتے ہیں: ''وَلَمْ یَقُلْ فَقَبَرَهٗ، لِأَنَّ الْقَابِرَ هُوَ الدَّافِنُ بِیَدِهٖ، وَالْمُقْبِرُ هُوَ اللهُ تَعَالٰی، یُقَالُ قَبَرَ الْمَیِّتَ إِذَا دَفَنَهٗ وَأَقْبَرَ الْمَیِّتَ، إِذَا أَمَرَ غَیْرَهٗ بِأَنْ یَجْعَلَهٗ فِی الْقَبْرِ''

(تفسیر کبیر ج ۳۱، صفحہ ۵۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں ''اَقْبَرَهٗ'' کہا ہے ''قَبَرَهٗ'' نہیں کہا کیونکہ ''قَابِرٌ'' وہ ہوتا ہے جو کسی کو اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور اللہ تعالیٰ ''قَابِرٌ'' نہیں مُقْبِر ہے ''قَبَرَ'' وہاں کہا جاتا ہے جب کوئی کسی کو اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور اَقْبَرَ وہاں کہا جاتا ہے جب کوئی کسی کے کہنے پر کسی کو قبر میں اتارے۔

قرآن پاک کی رو سے اللہ تعالیٰ نے کوے کی بعثت سے انسان کی میت کو زمین میں دفن کرنے کا حکم دیا اس سے قبر اس روح کا مسکن بنی جس میت کو اس میں رکھا گیا اس سے روح و بدن کا رشتہ کھل کر سامنے آجاتا ہے روح بدن میت کے اندر نہ بھی ہو تو بھی روح کو بدن سے ایسا انس ملتا ہے کہ کبھی اسے زائرین بھی اپنے میں محسوس کرتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں (۱۸۹۰ء) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ۱۰۵۲ ھ) کے مزار کا جذب اس طرح بیان کرتے ہیں: ''جب میں دہلی میں وارد ہوا تو آپ کی قبر کی زیارت کو گیا اور موضع قبر کو انس و ٹھنڈک کا موجب پایا۔'' (ابجد العلوم ص ۹۰۱)

حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے بھی تاریخ اہل حدیث میں اسے بہ پیرایہ عقیدت ذکر کیا ہے۔ دیکھئے تاریخ اہل حدیث ص ۴۴۱۔

جب اولیاء کرام کی حیات فی القبر کی اس طرح شہادت ملتی ہے تو قبر میں جسے مماتی حضرات ایک گڑھا کہہ کر ذکر کرتے ہیں اس میں روح اور بدن کے اس رشتہ کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ۱۲۳۰ ھ) تفسیر عزیزی میں اس روح و بدن کے اس تعلق کا اس طرح ذکر کرتے ہیں: ''در دفن کردن چوں اجزائے بدن یکجائے باشد علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بحال مے ماند و توجہ روح بزائرین و متانسین و مستفیدین بسہولت مے شود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہائے و تلاوت قرآن مجید چوں دراں بقعہ کہ مدفن بدن او است واقع شود بسہولت نافع مے شود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکن برائے روح ساختن۔ بنابریں است کہ از اولیاء مدفونین و دیگر صلحاء مومنین انتفاع و استفادہ جاری است۔'' (تفسیر عزیزی ص ۵۰)

ترجمہ: دفن کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ جب بدن کے اجزاء تمام یکجا ہوں گے تو بدن سے روح کا تعلق کامل ہوگا اور سارے بدن سے ہوگا اور وہ زائرین اور انس رکھنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف سہولت سے متوجہ ہوگی کیونکہ بدن کے مقام کے تعین سے روح کا مقام بھی متعین ہوگا اور اس دنیا سے ملاقات، فاتحہ اور تلاوت قرآن کا ثواب بدن کے مدفن میں پہنچے گا تو خوب نافع ہوگا اس لئے بدن کو جلانا (جیسا کہ ہندو کرتے ہیں) گویا روح کو بے گھر کر دینا ہے اور دفن کرنا گویا روح کے لئے ایک مسکن بنانا ہے اسی بناء پر اولیاء مدفونین و دیگر صلحاء مومنین سے انتفاع اور استفادہ کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ نہ سمجھئے کہ یہ افادہ اور نفع رسانی ان اولیاء کرام کے اپنے عمل اور ارادہ سے ہوتی ہے ایسا نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' کے معنی ابھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قبر میں رکھوا دیا اسے یوں سمجھئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے چاند کو کرہ نور بنایا چاند سب کو روشنی دیتا ہے مگر اپنے ارادہ سے نہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے عمل میں آتا ہے۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ جب عام صلحاء مومنین کے روح و بدن میں یہ تعلق اس درجے کا ہے تو جن ابدان کے بارے میں نہایت قوی درجے میں یہ شبہات موجود ہے کہ ان کے اجساد کریمہ کو اس زمین کی مٹی ریزہ ریزہ نہیں کرتی ان میں روح و بدن کا یہ علاقہ کس قدر قوی ہوگا، اسے اگر اس درجے میں تسلیم نہ کیا جائے کہ مکین گنبد خضراء حضور اکرم ﷺ اپنے روضہ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والوں کا سلام خود سماعت فرماتے ہیں تو کس طرح آپ کی روح مبارکہ اور جسد اطہر کے باہمی تعلق کو بیان کیا جائے؟ غور کرنے والوں کے لئے یہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کا ایک نہایت جلی اشارہ ہے۔

افسوس کہ ہماری اس صدا پر ہمارے مماتی دوست اچانک بھڑک اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سب مفروضہ قرآن کے خلاف ہے قرآن کہتا ہے: ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' (پ ۲۲، الفاطر ۲۲)

ترجمہ: اور تم ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے۔

''مَنْ فِي الْقُبُوْرِ'' سے مردے مراد نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے جو جہالت کے گھڑے میں گرے ہیں ان کے بارے میں کہا گیا ہے وہ مُردوں کے حکم میں ہیں جس طرح مردہ کسی کے کہنے پر عمل نہیں کرسکتا یہ منکرین نبوت وحی کی کسی بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی کی کتاب المفردات لغات قرآن میں بہت اونچا درجہ رکھتی ہے اس میں آیت ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' کے معنی یہ دیئے گئے ہیں: ''مصدر قَبَرْتُهُ: جعلته في القبر، و أَقْبَرْتُهُ: جعلتُ له مَكَانًا يُقْبَرُ فيه. نحوُ: أَسقيتُه: جعلتُ له مَا يُسْقَى مِنه. قَالَ تَعَالٰى: ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' (صفحہ ۶۵۱)

یعنی اگر یہ قَبَرْتُهُ کا مصدر ہو تو اس کے معنیٰ میت کو قبر میں دفن کرنے کے ہوتے ہیں اور اَقْبَرْتُهُ کے معنیٰ کسی کے لئے قبر مہیا کرنے کے ہیں تا کہ اسے دفن کیا جائے جیسے اَسْقَيْتُهُ کے معنیٰ پینے کے لئے پانی مہیا کرنے کے ہیں۔

قرآن میں ہے ''ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ'' (پ ۳۰ عبس ۲۱)

جب موت آکر دستک دیتی ہے تو اس کی آنکھیں کھلتی ہیں اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' اور تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔

یعنی جو لوگ جہالت کے گڑھے میں گرنے کی وجہ سے مردوں کے حکم میں ہیں، آپ انہیں نہیں سنا سکتے۔

اگر وہ سنتے نہیں تو مسلمانوں کے قبرستان میں جا کر تم السلام علیکم یا اہل القبور کیوں کہتے ہو اور وہ سنتے ہیں، کیا یہ آیت مذکورہ بالا سے ٹکراؤ نہیں؟ بات یہیں آکر ٹھہرے گی کہ یہ سننا تحت الاسباب نہیں، ہوا کے تموج اور کانوں کے پردہ سے نہیں اور فوق الاسباب اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا دیں کوئی اس پر منع وارد نہیں کر سکتا، اس پر ذخیرہ احادیث میں روایات متواتر درجے میں موجود ہیں۔

ہم نے جلد اول میں اپنے ایک پرانے کئے گئے وعدہ کے ایفا میں روح و بدن کا یہ رشتہ ہدیہ قارئین کیا ہے اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی جو شہادت تفسیر عزیزی سے پیش کی گئی ہے اس میں ہندوؤں کے مردوں کو جلانے کے عمل پر بہت عمدہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ اس میں انسانوں کے بدن کو جلا کر ان کی ارواح کو بالکل بے گھر کر دیا جاتا ہے اور ان ارواح کا کوئی پیرایہ انس اس دنیا سے قائم نہیں رہتا۔

مسلمانوں میں اولیاء کرام ﷭ کے کئی مقابر سے یہاں کے زندہ انسانوں نے بسا اوقات خوشبو کی لہریں محسوس کیں ہم نہیں سمجھتے کہ ہمارے مماتی دوستوں نے ان ظاہری قبروں کو قبریں نہ ماننے سے قرآن کی کیا خدمت کی ہے؟ ہم یہاں قرآن پاک کی دو تین آیتیں پیش کئے دیتے ہیں جہاں قبروں کا معنیٰ ان ظاہری گڑھوں کے سوا اور کچھ لیا ہی نہیں جا سکتا۔

۱...... ''وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ'' اور کبھی نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر۔ (پ ۱۰، التوبہ ۸۴)

اگر قبر کسی اور جگہ کا نام ہے تو اس میت پر دعاء کے لئے حاضر ہونے والا کہاں اس پر دعا یا استغفار کے لئے کھڑا ہو؟

۲...... ''وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' اور تم ان کو جو قبروں میں ہیں سنا نہیں سکتے۔ (پ ۲۲، فاطر ۲۲)

قبر پر قبر والے کو سنانے کے لئے زائر کہاں جا کر کھڑا ہوتا ہے کہ اس آیت پر کچھ اسے یہ بتلایا جائے کہ تو انہیں سنا نہیں سکتا؟

۳...... ''أَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ، حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ'' غفلت میں ڈال دیا تم کو بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں تم نے قبریں۔ (پ ۳۰، التکاثر)

پردہ غفلت کا نہیں اٹھتا یہاں تک کہ موت آجاتی ہے، یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ یہ کونسی قبریں ہیں جو انہوں نے جا دیکھیں؟ کیا یہ وہ گڑھے تو نہیں جن میں ان کے عزیزوں نے ان کی میتیں اتاری تھیں؟ اب انہی کو قبر کہا جا رہا ہے۔ گنبد خضراء کے نیچے قبریں کن کی ہیں؟ اسے حضرت امام بخاریؒ سے پوچھئے: ''بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَقْبَرْتُ الرَّجُلَ أُقْبِرُهُ إِذَا جَعَلْتَ لَهُ قَبْرًا، وَقَبَرْتُهُ: دَفَنْتُهُ {كِفَاتًا} يَكُونُونَ فِيهَا أَحْيَاءً، وَيُدْفَنُونَ فِيهَا أَمْوَاتًا'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۶)

''عَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ رَأَى قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ مُسَنَّمًا'' (ایضاً ص ۱۸۶)

وہ احادیث جن میں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا جو نظر آتا ہے

۱...... ''عَنِ الْقَاسِمِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّهْ اكْشِفِي لِي عَنْ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَصَاحِبَيْهِ رَضِيَ

اللہ عَنْهُمَا، فَكَشَفَتْ لِي عَنْ ثَلَاثَةِ قُبُورٍ '' (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۹۴)

ترجمہ: حضرت قاسمؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا اور کہا اے ام المؤمنین! مجھے حضور ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھلائیں، آپ نے پھر مجھے تینوں قبریں دکھلائیں۔

۲...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو منع فرماتے سنا: '' نَهَى أَنْ يَقْعُدَ عَلَى الْقَبْرِ، وَأَنْ يُجَصَّصَ وَيُبْنَى عَلَيْهِ '' (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۰۴)

ترجمہ: حضور ﷺ نے قبر پر بیٹھنے سے اور قبر پر چونا لگانے اور اس پر چھت ڈالنے سے روکا ہے۔

کیا یہ ارشادان قبروں کے بارہ میں نہیں جو کھلے طور پر قبریں دکھائی دیتی ہیں؟

۳...... احد کے دن شہداء بڑی تعداد میں تھے حضور ﷺ نے فرمایا قبروں کو وسیع رکھو اور گہرا کرو، دو دو تین تین ایک قبر میں دفن کرو۔

'' أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَ أُحُدٍ: احْفُرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَعْمِقُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الِاثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا '' (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

ترجمہ: حضور ﷺ نے احد کے دن ارشاد فرمایا احد کے شہیدوں کے لئے قبریں کھودو انہیں کھلا کرو اور گہری بناؤ دو دو اور تین تین ایک قبر میں......

کیا یہ انہی قبروں کے بارے میں نہیں جو عرفاً قبریں سمجھی جاتی ہیں؟

کیا یہ قبریں کسی غیبی جگہ میں کھودی گئی تھیں؟

۴...... حضرت ابومرثد الغنوی کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: '' لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ، وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا '' (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

ترجمہ: تم قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

۵...... '' عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ، إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ '' (سنن ابی داؤد رقم ۳۲۲۱)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب کسی میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کچھ وقت ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی مانگو اس سے اس وقت سوال کئے جا رہے ہیں۔

یہ سوال کہاں ہوتے ہیں؟ اسی گڑھے میں جس میں میت اتاری گئی، جس کے بارے میں مماتی کہتے ہیں گڑھے میں کچھ نہیں ہوتا۔

۶...... حضرت سعد بن معاذ کے جنازہ میں حضور اکرم ﷺ نے انہیں قبر میں اتارا اور ان کے لئے دعا کی۔

یہ قبر کہاں تھی؟ کسی عالم غیب میں نہ تھی وہی گڑھا تھا جسے سب جنازہ پڑھنے والے بھی دیکھ رہے تھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرتے ہیں: '' فَلَمَّا صَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَوُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَسَبَّحْنَا طَوِيلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ قَالَ: لَقَدْ تَضَايَقَ عَلَى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ '' (مشکوٰۃ، رقم ۱۳۵)

ترجمہ: جب حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ لی اور اسے قبر میں اتارا اور اس پر مٹی برابر کر دی تو آپ نے تسبیح پڑھی اور ہم نے بھی پڑھی اور کافی وقت آپ تسبیح پڑھتے رہے پھر آپ نے تکبیر کہی ہم نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کہا حضور ﷺ سے اس کے بارے میں ہم نے سوال کیا آپ نے فرمایا اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تسبیح و تکبیر سے اس کی قبر کھلی کر دی۔

یہاں قبر کسے کہا اور سمجھا گیا؟ اسی گڑھے کو جس کے قبر ہونے کا مماتی انکار کرتے ہیں۔

۷...... ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَدْخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ قَالَ: بِسمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ''

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب کسی میت کو قبر میں اتارتے تو یہ کلمات کہتے: ''بِسمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ'' (مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

کیا یہ اس گڑھے کو ہی قبر نہیں کہا گیا جو حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ کو نظر آتی تھی اب وہ دین میں تحریف کرنے والا کون ہے جو اس واضح حدیث کے خلاف اپنی زبان اس جرأت سے کھولے کہ یہ قبر نہیں ہے روح کا سفر اگر علیین میں ہو تو بھی اس کا تعلق اس بدن سے ہے جو اس قبر میں دفن ہو اور اسی کو ہم روح کا مسکن کہتے ہیں اور یہی عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اساس ہے۔

۸...... ''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حثا عَلَى الْمَيِّتِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيعًا وَأَنَّهُ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ'' (مشکوٰۃ رقم ۱۷۰۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے اس میت پر (اس کی قبر پر) تین دفعہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالی اور اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر کچھ کنکریاں رکھ دیں۔

۹...... ''وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ ثُمَّ أَتَى الْقَبْرَ فَحَثَا عَلَيْهِ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ ثَلَاثًا'' (مشکوٰۃ ص ۱۴۹، رقم ۱۷۲۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا پھر آپ قبر پر آئے اور سر کی جانب اس پر تین دفعہ مٹی ڈالی۔

کیا یہاں اسی گڑھے کو قبر نہیں کہا گیا جسے حضرت ابو ہریرہ ﷛ بھی دیکھ رہے تھے اس کے قبر ہونے کا انکار کیا حدیث پیغمبر کے خلاف خود ایک گستاخانہ صدا نہیں۔

۱۰...... ''عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ: رَآنِي النَّبِيُّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلٰى قَبْرٍ فَقَالَ: لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ'' (مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حزم ﷛ سے روایت ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے ایک قبر سے ٹیک لگائے دیکھا آپ نے مجھے کہا اس قبر والے کو اذیت نہ دے اور اس عمل کے باعث وہ تجھے کوئی ایذا نہ دے۔

ہم نے اپنے اس دعوئی پر یہ دس حدیثیں ہدیہ قارئین کر دی ہیں اب ان کے خلاف کسی مماتی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو سکے گی۔ ''تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ''

آیئے اب ہم انہیں اس دعوئی پر صحابہ سے بھی ایک سند لے لیں۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی: ''فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جَزُورٌ وَيُقَسَّمُ لَحْمُهَا حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَأَعْلَمَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي'' (مشکوۃ ص ۱۴۹)

ترجمہ: جب تم مجھے دفن کر لو تو مجھ پر (یعنی میری قبر پر) مٹی ڈالو پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنے وقت میں ایک اونٹ نحر کیا جائے اور اس کا گوشت (حصہ داروں میں) تقسیم کیا جا سکتا ہے تا کہ میں تمہارے ساتھ انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے میری طرف کیسے آتے ہیں۔

یہ آپ کی قبر کے گرد ٹھہرنے والے آپ کے بیٹے کیا آپ کے حقیقی بیٹے نہیں اور آپ کی یہ قبر جس کے گرد ٹھہرے آپ نے انہیں حکم فرمایا زمین کا وہی گڑھا نہیں جس میں میت کو اتار کر اس پر برابری کی جاتی ہے؟

قارئین مماتیوں سے پوچھیں کہ وہ اس حدیث میں کس دلیل سے مثالی بیٹوں کو لے کر آتے ہیں؟

دسویں صدی کے مجدد حضرت علامہ جلال الدین السیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: ''وَقَدْ أَطْبَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلَى اعْتِبَارِهِ، وَلَمْ يُخَالِفْ فِيهِ إِلَّا الْمُعْتَزِلَةُ، فَقَالُوا: لَا يَجُوزُ أَنْ تُسَمَّى الْمَلَائِكَةُ بِمُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ''

(الحاوی للفتاوی ج ۴ ص ۳۳۹)

ترجمہ: اور سب اہل سنت قبر کے عذاب و ثواب پر پوری طرح متفق ہیں اور اس میں معتزلہ کے سوا کسی کا ان سے (اہل سنت سے) اختلاف نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کا نام منکر اور نکیر فرشتوں کی عزت کے پیش نظر درست نہیں ہے۔

الجواب: منکر کے معنی کوئی ناپسندیدہ یا برے کے نہیں یہ اسے کہا جاتا ہے جو پہچان میں نہ آئے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک دفعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک شکل انسانی میں آئے تو کیا صحابہ نے ان کے بارے میں یہ نہ کہا تھا لم یعرفه احدمنا ہم میں سے کوئی بھی انہیں پہچانتا نہ تھا ان کے جانے پر حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو بتایا کہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اس پر ہم اس عنوان کو ختم کرتے ہیں کہ اسلام میں روح و بدن کا رشتہ کیا ہے۔

اب ہم ''مُتَوَكِّلًا عَلَى اللهِ'' اس باب کے دوسرے عنوان کا آغاز کرتے ہیں اسلام کا یہ موضوع کل دوسرے ادیان سے مختلف ہے اس دنیا کا اگلے جہان سے وہ رشتہ ہے جو سوائے دین اسلام اور کسی دین میں نہیں پایا جاتا۔

اسلام میں اس جہان کا اگلے جہان سے رشتہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... أَمَّا بَعْدُ!

برزخ کا لفظ یا اس کے قریب المعنیٰ کوئی دوسرا لفظ سوائے اسلام کے اور کسی دین میں نہیں ملتا۔ راقم الحروف کے نزدیک انکار عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم برزخ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے اکابر علماء اسلام نے عالم برزخ پر بڑی بڑی علمی بحثیں کی ہیں لیکن حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس پر جو ''آب حیات'' لکھی ہے اسے دیکھنے پر ان کے حق میں بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے ''اٰيَةٌ مِّنْ اٰيَاتِ اللهِ''

اسلام میں اس جہان کا اگلے جہان سے رشتہ

برزخ عربی لفظ ہے جس کے معنی پردے کے ہیں یہ دو چیزوں میں ایک حد بندی کا نام ہے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ''اَلْبَرْزَخُ: اَلْحَاجِزُ وَالْحَدُّ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ'' (مفردات ص ۴۲)

ترجمہ: برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ اور حد کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ''اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَائِلُھَا وَمِنْ وَّرَائِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ'' (پ ۱۸، المومنون ۱۰۰)

ترجمہ: ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے (برزخ) اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے اپنی قبروں سے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک چکھتا رہے گا۔ عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔'' (ص ۴۶۴ سعودی عرب)

برزخ کا عذاب نمونہ ہے عذابِ آخرت کا

حضرت شیخ الاسلامؒ کی اس تصریح نے بتایا کہ عذاب برزخ ایک نمونہ ہے عذاب آخرت کا۔ عذاب آخرت بدن اور روح دونوں پر ہوگا اور اسی لئے قبر میں دبے بدنوں میں پھر سے جان ڈالی جائے گی اور اس کے کافر منکر سے اسی پر قلب قرآن سورہ یٰسین میں آخر میں عذاب آخرت کا پتہ دیا گیا ہے۔

''وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَہٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ'' (پ ۲۳، یٰسین ۷۸)

ترجمہ: اور بٹھلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب وہ ہو گئیں کھوکھری............

اس پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے یہ نہایت لطیف نکتہ اٹھایا ہے: ''کیا وہ ایک چیز کی موت و حیات کے الٹ پھیر پر قادر نہیں؟'' (ص ۵۹۳)

قلب مومن سے تو اس کا ایک ہی جواب ملتا ہے ''کیوں نہیں!''

مماتی لوگ اب بھی اقرار نہ کریں کہ جب آخرت کا عذاب بدن اور روح دونوں پر ہے تو برزخ کا عذاب جو اس عذاب کا ہی ایک مختصر نمونہ ہے وہ بدن و روح پر کیوں نہ ہوگا۔ رہے وہ ابدان جو جلا دیئے گئے جیسا کہ ہندو اپنے مردوں کو دفناتے نہیں جلاتے ہیں تو وہ ضابطہ عمل سے اگلے درجہ کی ایک دوسری صورت ہے۔

ایسی استثنائی صورتوں سے اصل ضابطہ عمل کا انکار کرنا کوئی دانشمندانہ اور علمی سوچ نہیں ہے۔

فرعون کا ڈوبتے ہی عالم برزخ شروع

فرعون کا بحر قلزم میں ڈوبتے ہی عالم برزخ شروع ہو گیا اور یہ قیامت تک چلے گا۔

قرآن کریم میں سورہ نوح میں آپ اس کا بیان پڑھ آئے ہیں: "مِمَّا خَطِيۡٓـــٰٔتِهِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا فَلَمۡ يَجِدُوۡا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡصَارًا" (پ۲۹، نوح ۲۵)

ترجمہ: کہہ دو اپنے گناہوں سے ڈبائے گئے پھر ڈالے گئے آگ میں پھر نہ پائے اپنے واسطے انہوں نے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔

صبح و شام آل فرعون آگ کے نظارہ میں

آگ ہے جہنم کی جس کا وہ صبح و شام نظارہ کرتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی اس وقت یہ اس سے بھی بڑے عذاب میں داخل کر دیئے جائیں گے یہ جہنم کا عذاب ہوگا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

"اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا‌ۚ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ" (پ ۲۴، المومن ۷۶)

اس آیت میں آل فرعون پر عذاب برزخ اور عذاب آخرت کا ذکر ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: "بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔" (ص ۵۸۷ طبع سعودی عرب)

برزخ کی آگ صرف روح کا عذاب نہیں یہ بدن میں بھی دھنستا رہا

اس پر آپ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان پہلی جلد میں پڑھ آئے ہیں مجدد صدی چہاردہم لکھتے ہیں: "برزخ کے احکام روح پر جاری ہوں گے سب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں ہوتا لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔" (المصالح العقلیہ ص ۲۲۶)

مماتیوں کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ آگ کا نظارہ جب آنکھوں نے کیا اور صرف روح نے محسوس کیا کہ قیامت قائم ہونے پر اس آگ میں جانا ہوگا تو ان کا یہ روح کا عذاب جسمانی کیسے بن گیا؟

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں بدن میں سرایت کر کے دیکھا جانے والا عذاب بدن میں سرایت کر گیا یہ بڑا لطیف ادراک ہے عام دیہات تک کے لوگ جانتے ہیں کہ جن جب کسی انسان کے بدن میں سرایت کرتا ہے تو بظاہر وہ انسان بول رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں جن اس کی زبان پر بولتا ہے اور جو بات اس انسان پر گزر رہی ہوتی ہے درحقیقت وہ اس جن پر گزر رہی ہے لیکن بزرگوں کے کشف اور ان کی ان تحقیقات کو ماننا جن کا نصیب نہیں وہ جھٹ اپنے مماتی ہونے کے موقف پر آجاتے ہیں۔

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردان حدیث میں واں بھچراں ضلع میانوالی کے مولانا حسین علی مرحوم ایک بڑے عارف بزرگ تھے آپ فنا فی التوحید ہو گئے تھے اور پنجاب میں خانقاہوں میں گھرے اہل بدعت کو سرعام مشرک کہتے تھے انہوں نے پنجاب میں اپنا ایک ایسا حلقہ بنا لیا جو بریلویوں کی کھلی تکفیر کرتے تھے۔

علمائے دیوبند سے ان کا ایک کھلا اختلاف

ہندوستان میں دینی شعور رکھنے والے شاید کسی شخص سے مخفی نہ ہو کہ مولانا احمد رضا خان نے جب علمائے دیوبند کی تکفیر کی تو علماء دیوبند نے ان پر کوئی جوابی تکفیری کارروائی نہ کی تھی ہم اسے مطالعہ بریلویت کی نویں جلد میں ایک مضمون کی صورت میں سامنے لا چکے ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس سے بریلویوں نے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا اس صورت حال میں حضرت مولانا حسین علی مرحوم کے حلقے کے علماء مسلک دیوبند کے معتقدین کے لئے ایک بارانِ رحمت کی صورت میں بولے اور پنجاب میں خاص کر شمالی پنجاب میں مولانا احمد رضا خان کو اپنی تکفیری مہم میں کوئی پذیرائی نہ ملی صرف لاہور میں انہوں نے مسجد وزیر خاں میں اپنا ایک مرکز بنالیا۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی گہری سیاسی بصیرت

حضرت شاہ صاحبؒ پنجاب کے باشندہ ہونے کی وجہ سے دیوبندی بریلوی اختلاف کو پسند نہیں کرتے تھے جب پنجاب میں حضرت مولانا حسین علی مرحوم کے شاگرد میدان میں نکلے تو شاہ صاحب نے پنجاب کے دیوبندی عقیدہ کے لوگوں سے کہا کہ ان کی مخالفت نہ کرنا یہ تمہارا ہراول جتھا ہے۔ جب دو لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں نکلتے ہیں تو آگے آگے ہر ایک کا ہراول جتھا ہوتا ہے جو اپنے مخالفین کو اس قدر ڈرا دیتا ہے کہ ان کے پیچھے آنے والے بسا اوقات پہلے ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ اس گہری سوچ سے ہندوستان کے مسلک اہل سنت والجماعت کی علمی آبرو تو دیوبند سے قائم رہی اور تبلیغی میدان میں مولانا غلام اللہ خاں نے تقریروں اور مناظروں میں کھلے طور پر بریلویوں کو کافر کہا جس سے وہ بہت دب گئے اور بار بار شکستیں کھائیں۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس احرار اسلام کے سیاسی جلسوں میں بھی کھلے طور پر علمائے دیوبند کا صحیح تعارف کرا دیتے اور اختلافی مسائل کو اپنی بے مثال خطابت میں اس طرح لپیٹ دیتے کہ پنجاب میں عام دینی فضا کافی حد تک معتدل رہی مولانا غلام اللہ خاں نے قرآن کریم کو صرف دینی طالب علموں میں نہیں عوامی میدانوں اور تقریروں میں بھی اس طرح پڑھا کہ دیکھتے دیکھتے شیخ القرآن کا لفظ ان کے نام کا جزو بن گیا۔

مولانا غلام اللہ خاں کو حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی جانشیں تھے مگر علماء دیوبند سے بھی نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ جذباتی طور پر ان کا رابطہ رہتا تھا انہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام حسین علی رکھا تو دوسرے کا نام اشرف علی رکھا۔ ان کے راجہ بازار راولپنڈی کے مدرسہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ محدث کشمیریؒ کے نامور شاگرد حضرت مولانا عبدالقدیر تھے جو دارالعلوم دیوبند کی ایک عظیم علمی یادگار تھے اس صورت حال میں کوئی علمی تحقیق کرنے والا یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ مولانا غلام اللہ خاں علماء دیوبند کے مقابل کوئی دوسری آواز ہو سکتے ہیں۔ اشاعت التوحید والسنہ کے تبلیغی حلقوں میں مولانا غلام اللہ خاں نے بلند پایہ خطیب مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری کو بھی اپنے ساتھ لیا ان دونوں حضرات نے پنجاب میں شرک و بدعت کے خلاف ڈٹ کر محنت کی اور ایک دوسرے سے پورا تعاون کیا۔

پنجاب میں عقیدہ حیات النبی ﷺ میں اختلاف

پہلے پر و بال کس نے نکالے

یہ اختلاف جامعہ خیر المدارس ملتان کے ایک سالانہ اجلاس کی ایک تقریر سے شروع ہوا؟ کس کی تقریر سے؟ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی تقریر سے۔ ان کو اس اجلاس میں بلانے والے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تھے کوئی صاحب علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ مناظر اسلام حضرت مولانا جالندھری اس اختلاف سے نا آشنا ہوں گے جو اکابر علمائے دیوبند اور جمعیت اشاعۃ التوحید والسنہ میں پایا جاتا ہے اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مناظر اسلام جناب مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری اس پس منظر سے نا آشنا تھے پھر اگر حضرت مولانا جالندھری نے اس باہمی رواداری کو اور فروغ دینے کے لئے شاہ صاحب کو اپنے ملتان کے اجلاس میں تشریف لانے کی دعوت دی تو یہ اختلاف کی چنگاری وہاں اچانک کیسے بھڑک اٹھی؟

جس رات شاہ صاحب کی خیر المدارس میں یہ تقریر ہوئی اگلے دن وہاں اس اجلاس میں راقم الحروف کی تقریر تھی راقم اس رات تنظیم اہل سنت کے دفتر واقع بیرون بوہڑ گیٹ میں ٹھہرا ہوا تھا اور وہیں اس تقریر کی خبریں میں نے سنی تھیں ان نئے پیدا ہونے والے حالات اور اختلافات کو راقم الحروف شروع سے جانتا ہے۔

یہ اختلافات ختم کیسے ہوئے؟

جب دارالعلوم دیوبند سے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ انہیں ختم کرانے کے لئے پاکستان تشریف لائے اور راولپنڈی میں فریقین کی ایک مشترکہ میٹنگ ہوئی اس میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں اور قلعہ دیدار سنگھ کے قاضی نور محمد صاحب والد قاضی عصمت اللہ صاحب ایک طرف سے اور خیر المدارس کی طرف سے حضرت مولانا محمد علی جالندھری شریک ہوئے اور ایک متفقہ موقف پر ان تینوں کے دستخط ہوئے اس اختلاف کے ختم ہونے پر تمام پاکستان میں ہر جگہ اظہار مسرت کیا گیا۔

اس کی روئیداد کتاب تسکین الصدور ص ۳۹، ۴۰ پر ان الفاظ میں ملتی ہے: عامۃ المسلمین کو فتنہ نزاع و جدال سے بچانے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات پر زور نہ دیا جائے عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے: ''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

اس کے نیچے اس عبارت مجوزہ پر یہ دستخط اس طرح ہیں:

احقر محمد طیب (راولپنڈی)

(۱) نور محمد قلعہ دیدار سنگھ (۲) محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ۔

(۳) لاشئ غلام اللہ خاں ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ۔ ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

جب سے یہ مسئلہ ایک عوامی موضوع بن کر سامنے آیا ہے اس کی پوری تاریخ میں یہ مشترکہ دستاویز سب سے زیادہ اور اہم درجہ رکھتی ہے۔

یہ اختلاف دیوبند کی چھتری تلے اٹھا اور اسے ختم کرانے کے لئے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہی راولپنڈی تشریف لائے اب اس مشترکہ تحریر کے باعث یہ موضوع پورے پاک وہند میں کبھی زیر بحث نہ آسکے گا کہ کون دیوبندی ہے اور کون نہیں؟ یہ نزاع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

ثانیاً: اس مشترکہ دستاویز میں حضور ﷺ کے برزخ کے آگے بریکٹ میں قبر شریف لکھ کر وضاحت کردی گئی کہ آپ کی اس گنبد خضراء کے نیچے آئی قبر شریف کے قبر ہونے سے پورے پاک وہند میں کہیں انکار نہ کیا جاسکے یہ نزاع بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

ثالثاً: اس میں مدینہ منورہ کے اس روضہ اقدس پر حاضر ہونے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے زائرین کا درود وسلام بہ تعلق روح حضور ﷺ خود سماعت فرماتے ہیں یہ نزاع بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

رابعاً: اس قدر مشترک کے ماسوا جو بھی اس کی تفصیلات ہوں ان پر زیادہ زور نہ دیا جائے اس سے اس اختلاف کو بڑھانے والے حضرات کو ضمنی مباحث میں جانے سے روک دیا گیا اس سے یہ صورت اختلاف بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

خامساً: اس مشترکہ اجلاس میں یہ سوال مطلق نہ اٹھایا گیا کہ ایسے اہم اجلاس میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کو بھی بلایا جائے۔ شیخ القرآن اگر اس نزاع میں شاہ صاحب کے ساتھ ہوتے تو وہ یہ سوال وہاں ضرور اٹھاتے لیکن انہوں نے وہاں اس طرف توجہ نہ دلائی نہ یہ تجویز دی۔

حضرت شیخ القرآن دیوبند سے والہانہ طور پر وابستہ تھے آپ کے سامنے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا جب بھی نام لیا جاتا آپ کو آنسو آجاتے تھے آپ کبھی بڑائی کا دم نہیں مارتے تھے مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کے نام کے ساتھ جب پیر طریقت کا لفظ آنے لگا آپ نے اپنے نام سے پہلے لاشیٔ کے الفاظ بڑھا دیئے اب یہ کہنا کس طرح درست نہیں کہ یہ دونوں حضرات آپس میں بالکل ایک تھے۔ چونکہ مناظرانہ طور پر اور بطور مقرر یہ ہمیشہ اکٹھے رہے اور شیخ القرآن ہمیشہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پرخلوص رہتے تو جب یہ نیا اختلاف پیدا ہوا تو آپ ان کے ساتھ ساتھ رہے لیکن اندر سے آپ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہوسکے یہ اختلاف آگے نہ بڑھے۔

ایک اہم تاریخی واقعہ

ایک دفعہ جامع مسجد شیرانوالہ لاہور میں فریقین میں ایک مناظرہ تجویز ہوا اور راولپنڈی سے ایک بڑی تعداد میں علماء لاہور پہنچ گئے اس سفر میں شیخ القرآن بھی شاہ صاحب کے ساتھ تھے حضرت شیخ القرآن نے خود یہ واقعہ مجھے سنایا آپ نے فرمایا: ’’میں نے گاڑی میں شاہ صاحب سے کہا کہ اگر فریق مخالف نے ہم سے پوچھا کہ پچھلے چودہ سو سال کے کسی اہل سنت کے معروف عالم کا نام بتاؤ جو مدینہ منورہ حاضر ہونے والے زائرین کے وہاں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہو کہ حضور اسے خود نہیں سنتے تو ہم کس کا نام لیں گے؟

اس پر شاہ صاحب نے اپنی عینک اتاری اور مجھے مخاطب کر کے کہا مولانا آپ بھی اگر مجھے چھوڑ دیتے ہیں تو میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ "اُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللهِ"

خدا کو گواہ بنا کر میں یہ بات ہدیہ قارئین کر رہا ہوں کہ حضرت شیخ القرآن نے یہ واقعہ مجھے مانچسٹر میں سنایا جب میری دعوت پر اور بریلویوں کے مقابلہ میں میری مدد کے لئے آپ مانچسٹر آئے تھے۔

اس سارے پس منظر میں یہ بات میرے لئے کسی طرح لائق تسلیم نہیں کہ حضرت شیخ القرآن اور حضرت شاہ صاحب اپنی نظر وفکر اور بیان وفکر میں ایک تھے شیخ القرآن کے ایک بیٹے کا نام حسین علی اور دوسرے کا اشرف علی اس حقیقت واقعہ کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ آپ اس دوران دونوں بزرگوں کے تہ دل سے معتقد تھے۔

شیخ القرآن کے شاگرد دو حصوں میں

راولپنڈی سے اٹک کی طرف جاتے ہوئے علاقہ چھچھ میں شیخ القرآن کے شاگرد مولانا عبدالسلام صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد صابر صاحب ایک درسگاہ قائم کئے ہوئے تھے انہوں نے راولپنڈی کی اس مشترکہ دستاویز کے گرد بڑی وفا سے پہرہ دیا اس کی نقول اپنے اس علاقہ میں بار بار تقسیم کیں ان حضرات نے اپنے اس علاقہ میں مطالعہ بریلویت بھی ہر طرف پھیلائی اور مجھے بھی وہاں خطبہ جمعہ کے لئے بار بار بلاتے رہے۔

سرگودھا میں شیخ القرآن کے شاگرد مولانا عطاء اللہ بندیالی نے اپنے مدرسہ ضیاء العلوم میں شیخ القرآن کے مسلک کو مولانا سید عنایت اللہ بخاری کے عین مطابق ثابت کرنے کے لئے حضرت شیخ القرآن کے مسلک پر ایک مستقل رسالہ لکھ کر انہیں حیات النبی ﷺ کا اس طرح قائل بتلایا ہے۔ ان کے اس رسالہ کا نام ہے: "مسلک شیخ القرآن فی حیات سید الانس والجان"

اس میں دعویٰ حیات کا ہے یا مماتی کا؟ یہ آپ خود پڑھ لیں۔ اس کی رو سے شیخ القرآن کو کبھی مماتی نہیں کہا جا سکتا، ان کا مسلک حیات ہی بتلایا گیا ہے۔

لیکن یہ بات مولانا بندیالی کی درست نہیں کہ مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری بھی اس عقیدہ پر تھے شاہ صاحب ان دنوں اپنی تقریر "انک میت" سے شروع کرتے اور اسی پر ختم کرتے تھے مماتی کا لفظ انہی کے نام سے آگے چلا اور آگے چل کر احمد سعید چتروڑ گڑھی ان کے فکر و بیان کے جانشین ہو گئے۔ چتروڑ گڑھی سے شیخ القرآن کس درجہ ناراض تھے یہ بات کسی صاحب علم سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔

شیخ القرآن، مولوی احمد سعید چتروڑ گڑھی سے کیوں ناراض تھے؟

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں، چتروڑ گڑھ ضلع ملتان کے مولوی احمد سعید سے اس قدر ناراض تھے کہ ان کے دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی کے مفتی عبدالرشید صاحب نے ۱۳۹۸ھ میں ضلع جہلوال کے جناب محمد یوسف سلیم ساکن چک نمبر ۱۱۷، شمالی چک فی الحال چک نمبر ۱۴، پٹھانوالی، جہلوال کے ایک استفتاء کا جو انہوں نے مولانا غلام اللہ خاں کو بھیجا تھا، اس کا مدرسہ کی طرف جواب دیا۔

نا مناسب نہ ہوگا کہ ہم وہ استفتاء اور دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کا جواب بھی ہدیہ قارئین کریں جسے سرگودھا کے مرکزی عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ سراج العلوم سرگودھا و خطیب مرکزی جامع مسجد سرگودھا کے پوتے مولانا عبد المعیدؒ نے ۳۔ جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ میں بزم قاسمی میانوالی کی طرف سے شائع کیا۔ وہ استفتاء اور اس کا جواب حسب ذیل ہیں، جو شخص ایسا کہے اس کا کیا حکم ہے؟

استفتاء

سوال نمبر ا: جو شخص کشفِ قبور سیکھے یا سکھائے یا خود کرے اور اسے جائز سمجھے وہ بالکل کافر ہے جیسے مرزائی کافر ہیں۔

سوال نمبر ۲: جو شخص نبی کریم ﷺ کو روضہ اطہر میں زندہ باشعور سمجھے یا یہ عقیدہ کہ نبی کریم ﷺ روضہ اطہر پر حاضری کے وقت خود درود و سلام سنتے ہیں، اس عقیدہ والا بھی کافر ہے۔

سوال نمبر ۳: جو شخص درود و سلام پڑھے، بذریعہ فرشتے نہیں پہنچایا جاتا۔

بقلم خود محمد یوسف سلیم چک نمبر ۱۱۷، شمالی بھلوال

الجواب و اللہ الموفق للصواب

نمبر ا: ساداتِ دیوبند کشفِ قبور کے قائل ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا تھانوی اور دیگر علماء دیوبند ﷭ کی تصریح ان کی کتابوں میں موجود ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں، ہمارا اس کا انکار صحیح نہیں اور قائل کو کافر کہنا تو بڑی جہالت ہے۔

نمبر ۲: روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر ﷺ خود سنتے ہیں، جمہور امت اس پر متفق ہیں اور ساداتِ دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ اس کا انکار بھی جہالت ہے اور قائل پر کفر کا فتویٰ جاہلانہ جسارت رکھتا ہے۔

نمبر ۳: یہ بھی جہالت ہے، علماء دیوبند کا یہ مسلک نہیں ہے، ایسے شخص کی تقریر سننا سخت گناہ ہے، اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ اپنا ایمان مضبوط رکھیں اور ایسی صحبت سے پرہیز کریں۔

عبد الرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار، راولپنڈی ...... ۳ جمادی الاولی، ۱۳۹۸ھ

منجانب ...... بزمِ قاسمی میانوالی

الناشر عبد المعید سرگودھوی ...... مہر مدرسہ

احمد سعید ملتانی کا عقیدہ کیا تھا جس کی وجہ سے حضرت شیخ القرآنؒ اس سے ناراض تھے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں، یہ بھی سرگودھا سے شائع ہوا تھا۔

آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ بیان پہلے پڑھ آئے ہیں: ''(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے ''دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے'' اس میں اختلاف علماء کا ہے، مجوزین سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء اسلام میں قائلین سماع اور مانعین سماع دونوں طرح کے بزرگ ہیں، ان میں

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ مانعینِ سماع میں سے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز احمد خانؒ قائلینِ سماع میں سے تھے، ان کی کتاب ''سماع موتی'' اس پر شاہد ہے۔ یہ دونوں خان حضرات مولانا حسین علیؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔

اس مسئلے میں پھر ایک اور مسئلہ ابھرا کہ جو مانعینِ سماع ہیں وہ قائلینِ سماع کو کیا سمجھتے ہیں؟ حق پر یا غلطی پر؟ مولانا غلام اللہ خاں اس میں انہیں ایک اجتہادی غلطی پر سمجھتے تھے اور گکڑ ہٹہ کا احمد سعید انہیں کافر قرار دیتا تھا۔

اس اختلاف پر حضرت شیخ القرآن نے اپنے درسِ قرآن میں فرمایا کہ وہ سماع موتی کے قائلین میں سے نہیں لیکن جو قائل ہیں آپ ان کو کافر نہیں کہتے سوان کے نزدیک یہ قائلین کی ایک اجتہادی خطاء ہے۔ اس پر بزمِ قاسمی میانوالی کی طرف سے ۱۳۹۸ھ میں ہی مولانا عبدالمعید سرگودھوی بن شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد سعیدؒ کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں شیخ القرآن کا یہ بیان بڑے جلی الفاظ میں شائع ہوا: ''جو سماع موتی والوں کو کافر کہتا ہے وہ بڑا لعنتی اور بڑا بے ایمان ہے''

اب اس اختلاف میں احمد سعید ملتانی کا عقیدہ بھی پڑھ لیں، یہ اشتہار میں دیا گیا ہے۔ یہ وہ وجہ ہے جس سے حضرت شیخ القرآن، احمد سعید ملتانی سے سخت نالاں اور بیزار تھے۔ اب آپ اس کا یہ عقیدہ ملاحظہ فرمائیں اور اس پر صد بار لاحول ولاقوۃ پڑھیں:

(۱) سماع صلوٰۃ وسلام کا قائل اگر (حضرت) ابوبکر بھی ہوتو وہ کافر ہے (العیاذ باللہ)

(۲) جو قائلینِ سماع کو کافر نہ کہے وہ بھی بلا تاویل کافر ہے۔

(۳) جو شخص سماع عند القبر صلوٰۃ وسلام کا قائل ہے وہ شریعت کی رو سے بلا تاویل کافر ہے۔

(بحوالہ کتاب ''دعوت الانصاف'')

اس لیے آخری وقت تک حضرت شیخ القرآن نے اپنے باغی شاگرد سعید چتروڑ گڑھی کو اپنے سالانہ جلسہ میں نہیں بلایا۔ اس اشتہار کے آخر میں یہ لکھا ہوا ہے: علماء اہل سنت کی اولین شرعی ذمہ داری ہے کہ عصمتِ نبوت کے تحفظ کے لیے میدان میں نکلیں اور گستاخانِ نبوت اور شاتمِ رسول کو انجامِ بد تک پہنچانے کے لیے نوجوانانِ اہل سنت کی سرپرستی فرمائیں۔

یہ اصل اشتہار ہمارے پاس موجود ہے، جس کا دل چاہے وہ ان مماتیوں کے اس موقف کو ہمارے پاس آکر دیکھ لے۔

اندکے باتو گفتم ولیک ترسیدم کہ آزردہ دل نشوی ورنہ سخن بسیار است

تاہم مولانا عطاء اللہ بندیالی خود کس درجہ کے محقق تھے اسے ہمارے قارئین ان کے پیش کردہ دلائل میں دیکھیں اور دیکھیں کہ وہ کس پھرتی سے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے اختلاف میں اترتے ہیں آپ لکھتے ہیں: ''اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو لوگ غیر اللہ کے پجاری ہیں وہ غیر اللہ کو مصائب ومشکلات میں پکارتے ہیں اور ان کی نذر ونیاز دیتے ہیں ان کا ابتدائی اور بنیادی عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب قبر اپنی قبر میں اس طرح زندہ ہے جس طرح دنیا میں زندہ تھا اور ہماری پکار اور نداء کو سنتا اور ہمارے حالات کو دیکھتا ہے۔''

آگے جا کر بندیالی صاحب لکھتے ہیں: ''اس راز کو سمجھتے ہوئے مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگردوں نے مشرکین و مبتدعین کے اس بنیادی عقیدے پر ہاتھ رکھ دیا اور قرآن و حدیث اور فقہ کے وزنی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی کہ وفات کے بعد روح اس مدفون جسم میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہے اور انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت اپنے موقف پر بطور دلیل پیش کی۔'' (ص ۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں قبر پرستی سے روکنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس ظاہری قبر کے قبر ہونے کا ہی انکار کر دیا جائے۔ ان کی یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ علمائے دیوبند نے اہل بدعت کے خلاف اتنی اعلیٰ علمی اور عوامی کتابیں لکھی ہیں کہ اب تک اہل بدعت کے مقابل دیوبندیوں کا نام ہی چلا آ رہا ہے مماتیوں کا نہیں۔

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا عبد الغنی شاہجہانپوری، حضرت مولانا محمد سرفراز احمد خاں شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ﷫ نے بدعت و شرک کے خلاف اور بریلویوں کے رد میں اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ یہ مماتی بدعت و شرک کے خلاف ان کا عشر عشیر بھی لکھ نہیں پائے اور ان کے سامنے قبر پرستی سے روکنے کے لیے صرف یہی ایک راہ ہے کہ اس ظاہری قبر کے قبر ہونے کا ہی انکار کر دیا جائے اور ''القول المرعی فی القبر الشرعی'' جیسی کتابیں لکھی جائیں۔

مماتیوں کے وزنی دلائل کی ایک جھلک

''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى'' (پ ۲۴، الزمر ۴۲)

اس آیت میں حیوۃ انبیاء یا مطلق قبر کا کوئی ذکر نہیں مگر مماتیوں کے ہاں مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ میں یہ ان کے ہاں مماتیوں کے بڑے وزنی دلائل میں سے ہے آگے اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔

جب روح اس بدن میں موجود ہی نہیں تو فوت شدہ شخص (چاہے کوئی ہو) قبر پر آنے والے کو نہ دیکھ سکتا ہے نہ اس کی کوئی آواز سن سکتا ہے۔

یہ بریکٹ کے الفاظ (چاہے کوئی ہو) ان کے ہاں حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ ہے۔ اہل سنت کے ہاں تو اس قبر کے نور سے سارا مدینہ، مدینہ منورہ کہلاتا ہے۔

کاش کہ یہ مماتی لوگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے تفسیر عزیزی کے اس بیان کو پڑھ چکے ہوتے جس میں انہوں نے میت کی روح اور اس کے بدن میں ایک نہایت قوی موانست کا اظہار کیا ہے ہم اسے پہلے اسلام میں روح و بدن کے رشتہ کے عنوان کے تحت پیش کر آئے ہیں۔

تاہم ہمیں اس سے خوشی ہے کہ مولانا عطاء اللہ بندیالی نے اپنی اس کتاب میں حضرت شیخ القرآن کو عقیدہ حیات کی طرف نسبت دی ہے مماتی عقیدے کی طرف نہیں جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے: ''مسلک شیخ القرآن فی حیات سید الانس والجان''

قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ کا موقف

گوجرانوالہ کے قاضی شمس الدین صاحب اس موضوع پر راقم الحروف کے اصل مقابل رہے ہیں انہوں نے مقام حیات کا جواب ''مسالک العلماء فی حیوٰۃ الانبیاء'' کے نام سے لکھا۔ یہ نام بتا رہا ہے کہ قاضی صاحب حیات الانبیاء کے اصلاً منکر نہیں ہیں۔ اس کی تفصیلات میں اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے بھی آپ علماء کا ہی ایک مسلک کہتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی قلعہ دیدار سنگھ کے قاضی نور محمد صاحبؒ نے بھی حیات الانبیاء سے کبھی انکار نہیں کیا تھا اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تحریر پر پہلے دستخط انہی کے ہیں۔

راقم الحروف اس اختلاف کے باوجود جب گوجرانوالہ جاتا تو بیشتر قاضی صاحب کا ہی مہمان ہوتا تھا۔ قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء میں اس موقف کا کھلے دل سے اقرار کیا ہے جس پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے راولپنڈی آکر فریقین کو ایک قدر مشترک پر جمع کیا تھا۔ قاضی صاحب نے اپنی طرف سے اس پر بھی بہت محنت کی کہ کسی طرح مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو بھی حیات کے موقف پر لے آئیں وہ اپنا اختلاف اس کی کیفیت میں رکھیں اور حیات انبیاء کے عنوان کا انکار نہ کریں لیکن شاہ صاحب قاضی صاحب کی یہ بات نہ مانتے تھے اور قاضی صاحبؒ اس پر سر پیٹتے تھے۔

میں نے خود ایک دفعہ قاضی صاحب کو جب وہ لاہور مسجد شہداء میں آئے ہوئے تھے یہی بات کہی کہ وہ کسی طرح شاہ صاحب کو اس موقف پر لے آئیں لیکن انہوں نے نہایت پریشانی سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر مجھ کو کہا میں کیا کروں شاہ مانتا ہی نہیں۔ اس صورت حال سے یہ بات سب کے سامنے آجاتی ہے کہ پنجاب میں مماتی نام سے ایک گروہ شاہ صاحب سے ہی چلا اور آگے مولانا احمد سعید چتروڑ گڑھی ان کی اس لائن پر چلے اس پر جتنا اظہار تاسف کیا جائے کم ہے۔

سرگودھا میں مولانا عطاء اللہ بندیالی نے شیخ القرآن کے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا کھل کر اظہار کیا ہے لیکن ہم بندیالی صاحب سے اس بات میں اتفاق نہیں کر سکتے کہ شاہ صاحب کا بھی یہی موقف اور اعتقاد تھا اگر ایسا ہوتا تو وہ دیوبند کے مہتمم حضرت حکیم الاسلامؒ کے راولپنڈی آنے پر شاہ صاحب کو اپنے ساتھ لے کر جاتے اور شاہ صاحب بھی حضرت شیخ القرآن سے یہ شکایت نہ کرتے کہ ان کے دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر نے حیات الانبیاء پر ''حیات النبی ﷺ مذاہب اربعہ کی روشنی میں'' نامی کتاب کیوں لکھی اور پھر مولانا غلام اللہ خان جس قدر اپنے شاگرد احمد سعید چتروڑ گڑھی سے نالاں اور ناراض تھے اس کا علماء علاقہ چھچھ میں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

شیخ القرآن کے شاگردوں میں حضرت مولانا عبدالسلام اور شیخ الحدیث مولانا محمد صابر نے راولپنڈی کی اس مشترکہ دستاویز کا دل سے احترام کیا اور علاقہ چھچھ سے نکل کر وہ علمائے دیوبند سے انسلاک کے لئے جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم حضرت مولانا محمد عبیداللہ مرحوم کے پاس پہنچے اور جامعہ اسلامیہ قصور میں مسند تدریس کو سنبھالا۔ جامعہ اسلامیہ قصور ان دنوں حضرت مولانا عبدالغفور صاحبؒ شاگرد حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحبؒ کے زیر اہتمام چل رہا تھا۔ اس طرح شیخ القرآن کے شاگردان گرامی علماء دیوبند سے منسلک ہوئے اور شیخ القرآن کے اس موقف پر جو حضرت حکیم الاسلامؒ کے راولپنڈی آنے پر فریقین میں قدر مشترک قرار پایا تا زیست قائم رہے۔

فیصلہ راولپنڈی کو سبوتاژ کرنے کی مماتی کوشش

مماتیوں کی یہ ناکام کوشش اس درجہ میں لائق تحسین نہیں جس درجہ میں پورے خطہ پاک و ہند میں اس مصالحت پر اظہار مسرت ہوا تھا اس کے لئے ان مماتیوں کے یہ کلمات ان کے رسالوں سے ہماری نظر سے گزرے ہیں: ''اس فیصلے پر حضرت سید عنایت اللہ شاہ کے دستخط نہیں ہوئے۔ صرف حضرت شیخ القرآن اور مولانا قاضی نور محمد کے دستخط کروائے گئے۔'' (ص ۱۲)

پھر اسے غیر مؤثر کرنے کے لئے خود عنایت اللہ شاہ صاحب کی ایک تقریر بنائی اور سنائی گئی جو خود اس اختلاف کو اجلاس خیر المدارس میں اٹھانے کے مجرم تھے بھلا کسی مقدمے میں مجرم کو بھی کبھی گواہ بتایا جاتا ہے۔ اس پر سرخی دی گئی ہے ۱۹۶۲ کے ''فیصلے کی حقیقت'' پھر ان مماتیوں کا یہ جھوٹ بھی ملاحظہ کرلیں: ''راولپنڈی کے اس فیصلے میں تحریر ہے کہ ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری سے بھی اس تحریر پر دستخط کرائیں۔'' (ص ۱۴)

یہ سراسر جھوٹ ہے۔

پھر آگے ص ۱۹ کی آخری سطر میں بندیالی صاحب نے صاف لکھ دیا ہے: ''کیا معاہدہ باقی رہا؟ یہ فیصلہ منسوخ اور نا قابل عمل ہو گیا۔''

اس تاریخی معاہدہ کی ناکامی کا بوجھ کس پر؟

اگر راولپنڈی کا یہ عظیم تاریخی معاہدہ ایسا ہی غلط تھا جیسا کہ شیخ القرآن کے شاگرد مولانا عطاء اللہ بندیالی نے اس کے پر و بال بکھیرے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا اخلاقی بوجھ کن پر عائد ہوتا ہے؟ شیخ القرآن پر اور قلعہ دیدار سنگھ کے قاضی عصمت اللہ صاحب کے باپ پر جنہوں نے مولانا عطاء اللہ بندیالی کے رسالہ ''شیخ القرآن کا مسلک'' کی پوری تائید کی ہے۔

حضرت شیخ القرآن اور قاضی عصمت اللہ صاحب کے والد گرامی قدر راولپنڈی کے اس معاہدہ میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے سامنے راولپنڈی میں اس معاہدہ میں جماعت کی ان تلخیوں اور انتشار کو ختم کرانے کے لئے بڑے ادب و احترام سے بیٹھے تھے جو مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی خیر المدارس ملتان کی تقریر سے پنجاب میں پیدا ہو گئی تھیں۔ تو اس وقت کیا شیخ القرآن اور قاضی عصمت اللہ صاحب کے والد گرامی کو علم نہ تھا کہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب ان کے ساتھ نہیں ہیں؟ اگر انہیں اس کا پورا علم تھا اور حقیقۃً ایسا ہی تھا تو ہمارے قارئین سرگودھا کے مولانا عطاء اللہ بندیالوی کے اس بیان پر پوری طرح نظر کریں۔ کیا اس وقت مولانا عطاء اللہ بندیالی خوف خدا اور علم و دیانت سے کلیۃً خالی نہ تھے؟ بندیالی صاحب کا وہ بیان ان کے مذکورہ رسالے میں ص: ۶ پر اس سرخی سے دیا گیا ہے: ''پاکستان میں مسئلہ حیات النبی ﷺ پر علمائے دیوبند میں اختلاف کیسے شروع ہوا''

مولانا بندیالی اس سرخی کے تحت لکھتے ہیں: ملتان میں خیر المدارس کے سالانہ جلسۂ عام میں پیر طریقت خطیب اسلام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ خطاب فرمار ہے تھے کہ کسی شخص نے مجمع میں سے اٹھ کر مولانا احمد رضا خان بریلوی کی کسی عبارت کے متعلق سوال کیا......... حضرت شاہ صاحب نے تفصیلی جواب دیتے ہوئے مولانا بریلوی کے اس نظریے کی تردید فرمائی اور انبیاء کرام کی وفات کے بعد ان کی حقیقی حیات (برزخیہ) کو قرآن وسنت کے دلائل سے واضح فرمایا۔

اس کے بعد آپ چھٹی سطر میں خود مانتے ہیں کہ شاہ صاحب کی اس تقریر کے بعد ایک طوفانِ بدتمیزی کھڑا ہوگیا۔ بندیالی عقل وفکر سے خالی اس میں یہ بھی نہیں بتلا سکے کہ وہ شخص کون تھا جس نے اس تقریر میں کھڑا ہو کر یہ سوال کیا اور یہ بھی سوچ نہ سکے کہ شاہ صاحب کیا اتنے آدابِ محفل سے ناواقف تھے کہ بلایا تو انہیں اس جلسہ میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے اور وہ چل پڑے اس شخص کے پیچھے جو اس وقت طوفانِ بدتمیزی پیدا کرنے کے لئے بالقاء شیطان کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کے بعد بندیالی صاحب کی ان غلط بیانیوں کو پڑھیں۔ آپ لکھتے ہیں: مولانا احمد رضا خان بریلوی کے پیروکار تو چپ سادھ گئے مگر اپنوں نے وہ دھاچوکڑی مچائی کہ رہے نام اللہ کا...... اور اس طرح بریلویت کے ایک نظریہ کی تردید کے نتیجے میں علماء دیوبند کے مابین اختلاف کا آغاز ہوا...... یہ غالباً ۱۹۵۸ء کی بات ہے...... اس وقت مولانا حسین علی مرحوم کے شاگردوں میں سے جن معروف ومشہور علماء نے حضرت شاہ صاحب کا ساتھ دیا ان میں استاذ العلماء مولانا ولی اللہ میانوالی)، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، عارف باللہ مولانا قاضی نور محمد، محدثِ کبیر مولانا قاضی شمس الدین، مفسرِ قرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری اور شیخ التفسیر مولانا محمد امیر بندیالوی، مفسرِ قرآن مولانا بشیر احمد (خوشاب) مولانا سجاد بخاری کے نام نمایاں ہیں۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

مولانا بندیالی کے اس بیان میں یہ بات بالکل مبہم ہے ''کس شخص نے مولانا احمد رضا خاں کی کسی عبارت کے متعلق سوال کیا وہ کیا عبارت تھی اور شاہ صاحب نے اس کا کیا جواب دیا تھا یہ دونوں باتیں اس بیان میں نہیں ہیں اور آخر میں لکھی یہ بات کہ انبیاء کرام کی وفات کے بعد ان کی حقیقی حیات کو قرآن وسنت کے دلائل سے واضح فرمایا۔ قرآن وسنت میں لفظ حقیقی حیات تو ہمیں کہیں نہیں ملا یہ مولانا بندیالی نے عجیب بات کہی ہے۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی اس تقریر میں کوئی مماتی موقف اختیار نہ کیا تھا اور اس وقت تک پورے پنجاب میں حیات وممات کوئی علمی موضوع نہ تھا اور اس تمام بات پر بندیالی صاحب کا یہ عنوان'' کہ پاکستان میں مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اختلاف کیسے ہوا'' مولانا بندیالی کی تنگ دامانی اور بے سمجھی پر ایک اور مہر لگا رہا ہے۔ ہاں اس سے یہ ضرور نمایاں ہوتا ہے کہ اس وقت شاہ صاحب بھی مماتی عقیدے پر نہ تھے اور بعد میں صرف ایک ضد نے انہیں مماتی عقیدہ سجھا دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔

اس کے آگے مولانا بندیالی نے یہ جو جھوٹ لکھا ہے کہ قاضی نور محمد صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور مولانا محمد طاہر پنج پیری وغیرہم نے حضرت شاہ صاحب کا ساتھ دیا یہ بات کس خطۂ زمین میں اور کس تاریخ کو واقع ہوئی تھی؟ یہ بھی بندیالی صاحب کی ایک خام خیالی ہے۔ ایسی مجلس کہیں نہیں ہوئی۔ ہوتی تو اس کا کہیں تو ذکر ہوتا۔ سچ ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، یہ سچ ہے جو اپنے پاؤں چلتا ہے۔

اب بندیالی صاحب نے کیا بات ہانکی وہ بھی پڑھ لیں: ”مگر اشاعت التوحید والسنت کے تمام علماء کرام میں سے ”شیخین“ کے نام سے جس جوڑی نے بہت زیادہ شہرت پائی وہ حضرت سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ ہیں۔ حضرت شیخ القرآنؒ کی زندگی میں چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے اور کچھ سیاسی بزرجمہروں اور حاسدین کے ایک ٹولے نے ان دونوں کے درمیان کشیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی اور قدرے کامیاب بھی ہوئے مگر بحمد اللہ بفضل اللہ شیخینؒ پھر ایک ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ آپس میں شیر و شکر ہو گئے اور اس طرح حاسدین ومخالفین کو منہ کی کھانی پڑی۔“

بندیالی صاحب نے جو یہ لکھا ہے: ”دونوں میں کشیدگی پیدا کرنے میں قدرے کامیاب بھی ہوئے“ انہیں اس کامیابی کو کچھ بیان بھی کر دینا چاہئے تھا مگر عقل وفکر سے خالی مولانا بندیالی نے مصلحتاً یہاں کچھ بیان نہیں کیا۔

ان كنت لا تدری فتلك مصيبة وان كنت تدری فالمصيبة اعظم

اس کے بعد مولانا بندیالی کی یہ غلط بیانی بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی: ”شیخین پھر ایک ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ آپس میں شیر و شکر ہو گئے اور اس طرح حاسدین ومخالفین کو منہ کی کھانی پڑی۔ ان دونوں کی دوستی اور تعلق کا اعتراف ان کے مخالفین کو بھی تھا بلکہ اپنوں سے زیادہ تھا۔“ (ص:۷)

یہاں اپنے سے مراد خود مولانا بندیالی ہی ہیں، انہیں اس کا پورا اعتراف نہ تھا۔

کیا دونوں کی باہمی یگانگت تھی کہ دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شیخ القرآن تو شریک ہوئے مگر مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجرات میں اپنے حلقہ میں یہی کہتے تھے کہ یہ صد سالہ اجلاس کرنا جائز ہی نہیں۔ وہ یہ بات بطور پیر طریقت کہہ رہے تھے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ پہلے سالہا سال اپنے معتقدین کو یہی کہتے رہے تھے کہ پیروں کی بات کوئی حجت نہیں ہوتی، اسے نہ ماننا۔

پھر آگے ص:۸ پر یہ سرخی ملاحظہ ہو: ”حضرت شیخ القرآن پر بہتان“

حضرت شیخ القرآن کا انتقال ۱۹۸۰ء میں ہوا تو مخالفین میں سے کچھ علماء نے امانت و دیانت کا خون کرتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں ہونے والے ایک فیصلے اور معاہدے کو دلیل بنا کر بڑے زور وشور سے یہ زہریلا پروپیگنڈا شروع کیا کہ حضرت شیخ القرآن تو نبی اکرم ﷺ کی حیات دنیوی اور عند قبر النبی صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل تھے...... اس طرح...... خوف خدا سے عاری لوگ تاریخی حقائق کو جھٹلا کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت شیخ القرآن مسئلہ حیات النبی میں اشاعت التوحید والسنت کے برعکس نظریہ رکھتے تھے۔

یہ جھوٹا پروپیگنڈا تحریر و تقریر کے ذریعہ اس شد ومد سے کیا گیا اور ۱۹۶۲ء کی ایک تحریر کے ظاہر کو دیکھ کر اور اس کی مکمل حقیقت کو جانے بغیر اس پر اس طرح حاشیے چڑھائے گئے کہ سادہ لوح عوام تو رہے اپنی جگہ کچھ خواص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ (ص:۸)

یہاں یہ بات واضح نہ ہو سکی کہ مولانا بندیالی اپنے آپ کو عوام میں سے سمجھتے ہیں یا خواص میں سے کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اہل سنت کا منہاجِ شریعت

تاریخ اسلام میں اہل سنت کے خلاف جو فرقہ سب سے پہلے بڑی علمی قوت بنا وہ معتزلہ تھے باقی فرقے قدریہ ہوں یا جبریہ، جہمیہ ہوں یا کرامیہ، شیعہ ہوں یا خوارج، سب اعتزال کے سایہ میں پلے اور چلے ہیں۔ اہل سنت کے ساتھ سب سے بڑا معرکہ معتزلہ کا ہی رہا ہے۔

اس دور کے نئے فرقوں میں مماتی بھی معتزلہ کے پیرائے میں سامنے آئے ہیں۔ وقت کے آئینہ میں اگر وہی ان کے پیچھے نظر آئیں تو اس سے ان کو پہچاننے میں بہت مدد ملتی ہے اور ان کی تحریروں میں بھی ان کی ان سے بہت حمایت اور رعایت سامنے آتی ہے۔

بشر مریسی اور ضرار بن عمرو وغیرہما معتزلہ کے بنیادی ستون سمجھے جاتے ہیں، انکارِ تقدیر اور خلق قرآن، عذابِ قبر کے مسائل اور جنگ وجدال میں ان کی معرکہ آرائیوں سے کون واقف نہیں؟

سرگودھا کے مولانا محمد حسین نیلوی

مماتی علماء میں سرگودھا کے شیخ الحدیث والتفسیر مولوی محمد حسین نیلوی ایک معروف شخص رہے ہیں، اب دیکھئے کہ حیاتی مماتی معرکے میں وہ کس طرح معتزلہ کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ انہوں نے "القول المرعی فی القبر الشرعی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو جامعہ عربیہ ضیاء العلوم سرگودھا نے شائع کی ہے۔ علماء حضرات قبر شرعی کی بحث میں ان کی ان عبارات پر کچھ مزید غور کریں اور ان کی معتزلہ سے ہمنوائی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ لکھتے ہیں: "ہم تمام اہل السنت والجماعت بلکہ سوائے ایک دو متقدمین کے تمام اہلِ اعتزال بھی اس پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد برزخی زندگی میں سزا وجزا ہے۔ بشر مریسی اور ضرار بن عمرو کے متعلق مشہور یہی ہے کہ وہ برزخی جزا وسزا کے منکر ہیں مگر حضرت سیدی محمد انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند اپنی تقریر حدیث میں فرمایا کرتے تھے کہ: میں جب تک ان کی عبارتیں خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں ان کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ کہا ہو اور سمجھنے والوں نے کچھ اور ہی سمجھ لیا ہو" (ص: ۹۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے خیال میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ابھی معتزلہ کی کتابیں نہ دیکھی تھیں۔ یہ بات جو نیلوی صاحب شاہ صاحبؒ کے بارے میں کہہ رہے ہیں اس میں وہ اپنے ذوقِ درونی کا پتہ دے رہے ہیں جس نے انہیں مماتی بنا دیا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے آبِ حیات شیعوں کے خلاف لکھی تھی اس لئے نیلوی صاحب معتزلہ کے ساتھ شیعہ کو بھی رکھنا چاہتے ہیں۔ مذکورۃ الصدر عبارت کے بعد نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"بہر حال بعد از موت سزا وجزا کے جیسے اہل السنت والجماعت قائل ہیں ایسے ہی معتزلہ اور روافض بھی قائل ہیں۔ البتہ متاخرین معتزلہ میں سے بعض منکر ہیں اور انکار کیوں کریں جبکہ قرآنی آیات عذاب وثواب بعد از موت کو واضح کرتی ہیں۔" (ص: ۹۴)

یہ بھی غلط ہے کہ قرآنی آیات بعد از موت کے عذاب وثواب کو واضح کرتی ہیں۔ کاش کہ آیات در کنار وہ ایک آیت بھی پیش کر دیتے جس میں عذابِ قبر کو واضح کیا گیا ہو۔ عذابِ قبر بے شک قرآن سے ثابت ہے لیکن اس کی کیفیت کہ وہ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن کے مجموع پر ہے، اسے کہیں واضح نہیں کیا گیا۔ معتزلہ جواب اس کا انکار کرتے ہیں وہ از روئے عقل کرتے ہیں، از روئے نقل ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ قرآن کریم سے اتنا ضرور ملتا ہے کہ عالم برزخ موت کے بعد فوراً شروع ہو جاتا ہے، یہ بات حدیث سے ملتی ہے کہ قبر کے سوال وجواب اس ظاہری قبر میں جانے کے بعد اعادہ روح سے ہوتے ہیں۔ اس ظاہری قبر کو بلاوجہ عالم مثال میں لے جانا ہرگز کوئی صحیح سوچ نہیں۔

ہم عالم مثال کا انکار نہیں کرتے۔ دیوبند کے مشہور بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے سیرت المصطفیٰ میں ایک جگہ ایک سرخی اس طرح دی ہے: ''عالمِ مثال کی بے مثال امثال''

راقم الحروف نے بھی مقام حیات کی جلد اول میں عالمِ مثال کو کھلے طور پر بیان کیا ہے۔ کئی احادیث میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے لیکن اکابر علمائے اسلام میں سے کسی نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ عالمِ مثال سے قبروں کے حقیقی وجود کا انکار کر دیا جائے اور جہاں بھی قرآن وحدیث میں قبر کا لفظ ملے اس سے مراد مثالی وجود ہی لیا جائے۔ اصل اصل ہے اور اس کی مثال چیزے دگر ہے۔ قبر کے حقیقی وجود سے انکار کو تحریفِ کتاب وسنت تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس سے ہر جگہ عالمِ مثال مراد لینا معتزلہ اور مماتیوں کے سوا کسی کا نصیب نہیں۔

نیلوی صاحب نے ایک یہ سوال کھڑا کیا ہے: ''سوال یہ ہے کہ عذاب وثواب کہاں ہوتا ہے؟ سو اس بات کے لئے روح کا مقام معلوم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں روح وہیں عذاب وثواب ہوگا'' (ص:۹۵)

الجواب: قبر عرفی میں دفن شدہ جسد میں زندگی ہونے کی دو صورتیں ہیں: (۱) اعادۂ روح سے، (۲) اور اتصالِ روح سے اس کا اشراق واشراف بھی جسدِ مدفون میں حیات سرایت کر دیتا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ان میں سے کسی ایک پر اصرار نہیں کیا۔ کوئی کسی طرح مان لے، لیکن یہ ضرور مان لے کہ اس جسد میں روح سرایت کئے ہوئے ہے تو اس سے حیاتِ جسدی ہی مراد لی جا سکتی ہے۔ روح کہیں بھی ہو لیکن اس کے اتصال اور تعلق سے جسد میں زندگی مان لی جائے تو اس کے لئے یہ معلوم کرنا کہ روح کہاں ہے کوئی ضروری نہیں۔ نیلوی صاحب نے یہ بات یونہی ہانک دی ہے کہ روح کا مقام معلوم کرنا پڑتا ہے اور اس پر ایک اور بات چھوڑی کہ جہاں روح وہیں عذاب وثواب ہوگا۔

قارئین کرام! روح اگر علیین میں بھی ہو یا اور کہیں ہو تو کیا وہاں سے اس کا اشراق اور اتصال قبر میں رکھے بدن سے نہیں ہو سکتا؟ اس میں کوئی تضاد یا امتناع نظر نہیں آتا۔ یہ کلیہ کیا غلط نہیں کہ جہاں روح وہیں عذاب وثواب ہوگا۔

مؤمن کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اسے قبر میں جو راحت مل رہی ہے وہ علیین میں ہے اور قبر میں جو بدن ہے وہ جمادِ محض ہے۔ اور پھر یہ صورت تجویز کرنا بھی کسی عام مؤمن کے بارے میں نہیں، گنبدِ خضراء کے مکین کے لئے بھی یہی صورت لاحق ہے (معاذ اللہ) اس سے بڑی بے ادبی اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہاں اگر کسی کے لئے یہ ظاہری قبر نہ بن سکی تو اس کے لئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس کے بدن کے تمام پھیلے ذرات کو اللہ تعالیٰ کسی مخفی پیرائے میں منتقل کر دے

اور اسے اور طرح کی قبر بنا دے تو اس کا قبر ہونا اس ظاہری اور عرفی قبر کے انکار کا زینہ نہیں بنایا جا سکتا۔ ہمیں مولانا نیلوی کی اس علمی جرأت پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس دوسرے درجے کی قبر کو ہی شرعی قبر سمجھ رہے ہیں اور اس کے حوالہ سے انہوں نے ظاہری اور عرفی قبر کا بالکل انکار کر دیا جیسا کہ اس کتاب ''القول المرعی فی القبر الشرعی'' سے ظاہر ہے۔ قرآن وحدیث میں اس ظاہری اور عرفی قبر پر قبر کا اطلاق اتنا روشن ملتا ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وجودِ حقیقی سے وجودِ مثالی کا انکار نہیں ہوتا بلکہ وجودِ مثالی کا لفظ ہی بتاتا ہے کہ کوئی حقیقت ہے تو اس کی یہ مثال سامنے آرہی ہے۔ کوئی مِثل لہٗ نہیں ہو سکتا جب تک کوئی مِثل منہ نہ ہو، یہ وہی علاقہ ہے جو حقیقت اور مجاز میں ہوتا ہے۔ کسی شخص کو بہادری کے باعث شیر نہیں کہا جا سکتا جب تک جنگل کے اس درندے کا وجود نہ مانا جائے جس کا پنجہ تلوار کی طرح کام کرتا ہے اور اسی لئے تلوار کو شمشیر کہتے ہیں۔ شمہ پنجہ کو کہتے ہیں اور شمشیر شیر کا پنجہ ہے۔ اور شیر حقیقت میں اس جنگلی درندے کا نام ہے۔

مولانا محمد حسین نیلوی نے عالم مثال کی پندرہ مثالیں دی ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ راقم الحروف مقام حیات کی جلد اول میں مثالی وجود کا پورا اقرار کئے ہوئے ہے۔ ہم حقیقی وجود اور مثالی وجود میں تنافی کا عقیدہ نہیں رکھتے لیکن اس سے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار کسی طرح کشید نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا نیلوی کا اس سے انکار کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

اسے سمجھنے کے لئے اسلام کے منہاج شریعت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ شریعت میں کئی ایسے امور ہیں جہاں مجبوری میں اور راہیں کھلی ہیں۔ نماز کے لئے وضوء کا حکم ہے لیکن جب وضو نہ کر سکیں تو تیمم کرنا صحیح سمجھا جائے گا۔ نماز میں قیام فرض ہے جب نہ کر سکیں تو بیٹھ کر بھی نماز پڑھنا درست سمجھا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں روزہ رکھنا فرض ہے اگر نہ رکھ سکیں تو اس کا فدیہ دینا بھی درست ہے۔ جو حج نہ کر سکے اور اس پر حج فرض ہو چکا تھا تو اس کے لئے حج بدل کرایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی حادثہ کے باعث کسی کا بدن یکجا نہ رہا اور ان کے لئے عرفی قبر نہ بن سکے اور اللہ تعالیٰ اس کے بدن کے منتشر ذرات میں کوئی ایسا مخفی تعلق قائم کر دے تو یہ اس کی ایک مثالی قبر ہوگی۔ اس مثالی قبر کے وجود سے مؤمنین کی حقیقی قبروں کا کسی طرح انکار نہ کیا جائے گا۔ انسان کی حقیقی قبر وہ گڑھا ہی ہے جہاں اسے دفن کیا گیا اور اسے ہی عرفاً قبر کہتے ہیں اس قبر کو شرعی قبر نہ ماننا اور صرف دوسرے درجے کی قبر جو کسی مجبور کو ملی، شرعی قبر کہنا یہ وہ راہ ہے جو نیلوی صاحب نے اپنی کتاب ''القول المرعی فی القبر الشرعی'' میں اختیار کی ہے۔ اور یہ ہر پہلو سے غلط ہے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں اس عقیدے پر نہ تھے۔ مماتیوں کا یہ کہنا کہ راولپنڈی کے تاریخی معاہدہ میں مولانا غلام اللہ خاں نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے سامنے مجبوراً اس فیصلے پر دستخط کئے۔ تھے یہ بات شیخ القرآن کے مزاج اور ان کی تاریخ کے خلاف ہے۔

مولانا نیلوی حیات سے نکل کر موت پر آ گئے

موضوع زیرِ بحث حیات النبی ﷺ تھا۔ نیلوی صاحب اس سے نکل کر موت پر آ گئے اور مماتیوں کے پیشوا ٹھہرے انہوں نے اپنی کتاب ''القول المرعی فی القبر الشرعی'' کے ص: ۱۰۴ سے یہ عنوان اختیار کئے ہیں: ''روح کو موت نہیں آتی بلکہ جسم عنصری کو آتی ہے بحث حقیقت روح بچپن میں عقل نہیں ہوتی اور آپ ہوتے ہیں بعد موت

قلب نہ رہے گا اور آپ ہونگے روح حقیقی مادہ سے بالکل مجرد ہے گو متکلمین نے روح کے تجرد کا انکار کیا ہے مگر اس بارہ میں فلاسفہ (جو معتزلہ کے زیادہ قریب ہیں) کا قول راجح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

یہ سب عنوان مماتیوں کے اعتزال کا پتہ دے رہے ہیں۔ متکلمین اسلام کتاب وسنت کی روشنی سے چلتے ہیں اور فلاسفہ عقل اور اعتزال سے۔ یہاں دیکھئے نیلوی صاحب کھلے طور پر متکلمین سے دب رہے ہیں اور فلاسفہ کو ترجیح سے ذکر کررہے ہیں۔

ہمیں نیلوی صاحب سے ان باتوں کی شکایت نہیں وہ بیشک اس سے بھی زیادہ روافض کا ساتھ دیں، ہمیں اگر ان سے گلہ ہے تو صرف اس کا ہے کہ وہ حیات کے موضوع سے نکل کر موت کے موضوع پر کیوں آ گئے ہیں۔ ہم حالتِ حیات میں ہیں اور اس کے تجربات سے گزر رہے ہیں، موت ہم نے ابھی دیکھی نہیں۔ ہمارے قارئین اس پر غور کریں کہ نیلوی صاحب جب یہ کتاب لکھ رہے تھے تو اس وقت ان کو حیات کا زیادہ علم تھا یا موت کا؟ اب کیا یہ مقامِ حسرت نہیں کہ حیات کے موضوع پر تو وہ چل نہ سکے اور انہوں نے اپنے عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے موت کا موضوع چن لیا اور اپنی ساری فکر موت پر لگا دی۔

نیلوی صاحب کے لئے ایمان بالقرآن سے نکلنے کا خطرہ

نیلوی صاحب نے عقیدہ حیات النبی ﷺ سے نکلنے کے لئے یہاں جو موت کی لہریں چنی ہیں کیا ان لہروں کا اچھال ان سے عقیدہ حیات الشہداء بھی نہیں چھڑا رہا؟ معلوم ہوتا ہے کہ موت کے مذکورہ بالا مباحث سے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مقابل بھی پہلوان بنے کھڑے ہیں: ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ. بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' (البقرہ: ۱۵۴)

اللہ کی بات: شہید زندہ ہیں (ان کی حیات) تم نہیں سمجھ پاتے۔

مماتیوں کی بات: ہم سمجھ رہے ہیں وہ زندہ ہی نہیں۔ ان کی موت سب جیسی ہے۔

''کیا یہ خدا سے کھلا ٹکراؤ نہیں ہے؟''

ہم نیلوی صاحب کے پھر بھی خیر خواہ ہیں کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے موت کے ان مباحث سے نکل آئیں اور اللہ تعالیٰ کے (قرآن کریم کے) ارشاد ''وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' سے نہ ٹکرائیں۔ پھر بھی آپ نہ سمجھیں تو ہم نے خطرے کا الارم بجا دیا ہے۔ ہے کوئی خوش نصیب مماتی جو ان مباحث سے کنارہ کش ہو کر صدق دل سے عقیدہ حیات النبی ﷺ قبول کر لے؟

موت وحیات کے حقائق ایک جیسے نہیں

ہم زندہ زندگی کے حالات کو تو سمجھ سکتے ہیں موت کی حقیقت کو نہیں۔ مسلمانوں میں آپ کو کئی لوگ محمد حیات نامی ملیں گے لیکن آج تک آپ نے محمد ممات کسی کا نام نہ سنا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ پر موت وارد نہیں ہوئی بلکہ یہ ہے کہ آپ کی موت ہم جیسی نہیں ہے ۔

سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا نادان سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی

آیات کتاب اللہ، احادیث رسول اللہؐ　　اقوال آئمہ کے، کہتے ہیں سبھی یہ ہی
زندہ ہیں نبی اللہ، شک اس میں نہیں واللہ

اگر سب کی موت ایک جیسی ہوتی تو ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' بھی کہا جا سکتا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کہا۔''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' کہہ کر بتلا دیا کہ آپ کی موت سب جیسی نہیں ہے۔لیکن جہاں تک صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کا تعلق ہے اسے اسی ایمان کے ساتھ جمع کیا جو ایمان حضور ﷺ کا ہے لہٰذا صحابہ کے ایمان میں کوئی شک اور تردد نہیں کیا جا سکتا۔

''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ''　　(البقرہ:۲۸۵)

کیا پہلے لفظ ''اٰمَنَ '' میں حضور ﷺ اور صحابہ دونوں شامل نہیں۔اور صحابہ بھی چند نہیں بلکہ اس وقت تک جو بھی دائرہ ایمان میں آ چکے تھے سب کے بارے میں کہا کہ یہ سب ایمان لائے ہوئے ہیں:''كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ...وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ''

یہ سمجھ لیجئے کہ ایمان میں تو سب آپ کے ساتھ ہیں لیکن موت میں سب ایک جیسے نہیں۔''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' آپ ﷺ کی موت اپنے مقام کی اور ان کی اپنے مقام کی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو دفن میں جلدی کرو جنازے میں دیر نہ کی جائے لیکن حضور کے دفن میں تین دن کی دیر ہو گئی، کسی ایک نے بھی نہ کہا کہ تاخیر نہ کرو۔معلوم ہوا اس وقت کوئی مماتی نہ تھا سب عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور کے جسدِ مبارک میں وقت بدلنے سے کوئی تغیر نہ آئے گا۔اللہ نے اس مٹی پر حرام کر دیا کہ وہ پیغمبروں کے اجساد میں کوئی تغیر لائے۔سو ہم اس میں شک نہیں کرتے کہ صحابہ کا پہلا اجماع عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ہوا، وفات پر (پہلا) اجماع نہ ہوا تھا۔آپ کی وفات سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے مانی تھی۔

مولانا نیلوی صاحب نے موت کے مسائل اس طرح بیان کئے ہیں گویا کہ وہ موت دیکھ چکے ہیں یا جیسے معتزلہ انہیں بیان کرتے ہیں اہل سنت علماء معتزلہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ عذاب قبر نہیں مانتے، اس کی نیلوی صاحب کھلی تردید کرتے ہیں۔اور معتزلہ کی حمایت میں بولتے ہیں کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کے اندر اعتزال داخل ہوا ہوا ہے اور سید العلماء حضرت مولانا انور شاہ صاحب کو بھی اپنی حمایت میں اس طرح کھڑا کرتے ہیں گویا وہ ابھی معتزلہ کی کتابیں ہی دیکھ نہ پائے تھے۔پھر صرف یہیں تک نہیں وہ شیعہ کو بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ مولانا نیلوی صاحب کو علم تھا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آب حیات روافض کی تردید میں لکھی تھی جسے مماتیوں نے خواہ مخواہ اپنے گلے ڈال لیا اور وہ دیوبند کی چھتری کے نیچے سے نکلنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

یہاں ہم نیلوی صاحب کے بارے میں اپنی بحث ختم کرتے ہیں۔سرگودھا میں تین حضرات ہی مدرسہ سراج العلوم سرگودھا کے خلاف سمجھے جاتے تھے: (۱) مولانا عطاء اللہ بندیالی۔(۲) مولانا محمد حسین نیلوی اور (۳) مولانا محمد امیر بندیالی۔پہلے دو کے بارے میں ہم اپنی گزارشات پیش کر چکے اب مولانا محمد امیر بندیالی کی کتاب ''الاقوال المرضیۃ فی الاحوال البرزخیۃ'' کے بارے میں بھی ہم کچھ گزارش کیے دیتے ہیں۔اس پر بھی ایک نظر

کر لیجئے۔ آپ اپنے آپ کو شیخ القرآن کا شاگرد تو کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ وہ ہرگز ان کی لائن پر نہیں ہیں اور وہ اس عقیدہ کو درست نہیں مانتے جس پر حضرت شیخ القرآن نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سامنے دستخط کئے تھے اور قاضی عصمت اللہ کے والد حضرت قاضی نور محمد نے بھی اس کی پوری تصدیق کی تھی۔

عقیدہ حیات و ممات میں ہرگز کوئی تضاد نہیں۔ اگر کوئی صاحب علم ہماری ان گزارشات پر صدقِ دل سے غور کرے تو اب وہ ان دونوں میں کوئی نسبتِ تضاد نہ پائے گا۔ دونوں کا محکوم علیہ اپنا اپنا ہے جن کو حیاتی کہا جاتا ہے وہ آپ ﷺ پر درودِ موت کے منکر نہیں اور جن کو مماتی کہا جاتا ہے وہ بھی اس حیات کا انکار نہیں کرتے جو پردے میں ہے اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب آبِ حیات میں بھی برزخی حیات کا لفظ صریح طور پر موجود ہے اور یہ کہنا ایک سیاہ جھوٹ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلامؒ آپ ﷺ پر درودِ موت کے منکر ہیں۔

اب اگر فریقین میں کوئی اختلاف ہے تو وہ صرف دو اختلاف ہیں: (۱) حضور ﷺ اپنے روضہ پر پیش کئے گئے درود وسلام کو سنتے ہیں یا نہیں، (۲) عذاب قبر روح و بدن دونوں پر ہوتا ہے یا صرف روح کو جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے۔

یہ مسئلہ اپنی جگہ طے ہو چکا کہ حیات و ممات پر کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ وللہ الحمد! اب مماتیوں کو چاہیے کہ وہ کھلے طور پر اپنے مماتی ہونے کا انکار کریں اس پر وہ اللہ کے ہاں بڑا اجر پائیں گے لیکن یہ انکار انہیں ان لوگوں کے سامنے کرنا ہوگا جن کے سامنے وہ پہلے اپنے مماتی ہونے کا اعلان کرتے رہے ہیں اللہ ان کو جو اس وقت زندہ ہیں صدقِ دل سے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

حسرت ہے اس مسافرِ بے بس کے حال پر — جو تھک کے رہ گیا ہو منزل کے سامنے

***

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ — فطاب من طیبھن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر أنت ساکنہ — فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

بحمد اللہ دریں ایام نیک انجام رسالہ ہذا مقبولہ انام علیٰ رؤس الاشہاد برخواص و عوام موسومہ باسم نیک فرجام

التحقيق التام

فی

استحباب زيارة سيد الانام ﷺ

از تالیف

خادم الطلبہ محمد عبد الرحمٰن بلہاروی حال مقیم بمبئی

در مطبع ترقی واقع بمبئی در سن ۱۳۲۵ھ مطبوع گشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... أَمَّا بَعْدُ!

چودھویں صدی ہجری میں راندیر (سورت) میں محفل سلطانیہ کی طرف سے ایک رسالہ شائع ہوا جس پر لکھا تھا: "دلیلیں گناہگار ہونے اس شخص کی جو زیارت قبر رسول ﷺ کو نہ جائے"

(اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری ضروری ہے۔ ایک گروہ اٹھا جو اسے آپ کی محبت میں افراط سمجھتا ہے اور ایسے شخص کو گناہگار کہتا ہے)

اس رسالہ کا جواب مولانا محمد عبدالرحمٰن بلہاروی نے بمبئی سے ۱۳۲۵ھ میں شائع کیا اور اپنی شرافت علمی سے اس رسالہ کے مصنف کا نام ظاہر نہ کیا۔ مولانا بلہاروی لکھتے ہیں: "اس میں بند کرنا زبان برادران اسلام کی ہے نہ عیب چینی معیوبوں کی اور نہ ظاہر کرنا ان کے ناموں کا ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (پ۲۶، الحجرات ۱۱) عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے پر) اور یہ گفت وشنید موافق دأب مناظرہ کے عیب نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔"

(ص ۴، سطر ۴)

جو عنوان اس محفل سلطانیہ کی طرف سے شائع ہونے والے رسالہ میں اس کو دیا گیا ہے وہ بظاہر بہت جذباتی ہے اور ہر مسلمان اسے دل سے بہت چاہے گا لیکن دین اللہ رب العزت کی طرف سے ایک امانت ہے جو اس کے بندوں کو ملی لیکن اس کے فیصلے جذبات سے نہیں کتاب وسنت سے کئے جاتے ہیں۔ یہ عنوان مسئلے کے لحاظ سے غلط ہے اور اسی علمی غیرت سے مولانا بلہاروی نے اس پر قلم اٹھایا اور علم نہ رکھنے والوں کو اس غلطی سے بچانے پر علمی محنت کی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء!

اس سے کئی سال پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے شیعہ کی تردید میں کتاب "آب حیات" لکھی تھی اور اس میں حضور اکرم ﷺ کی عنصری حیات برزخی اور آپ کے روضہ پر پڑھے جانے والے صلاۃ وسلام کا اسے خود سننا بیان کیا گیا تھا۔ بعض نادانوں نے محض جذباتی طور پر اسے اسلام کے عقیدہ توحید کے خلاف جانا اسے شرک کی طرف منجر کہا اور ایک نیا فرقہ مماتی نام سے وجود پا گیا، یہ ان نادانوں کا تفریط کا پہلو تھا۔

بمبئی میں پیدا ہونے والا یہ نیا موقف افراط کے پہلو سے سامنے آیا اور روضہ انور پر حاضر ہونے کی ایک جذباتی صدا لگائی کہ جو روضہ انور ﷺ پر حاضری نہ دے وہ گناہگار ہے۔ اس کے تعاقب میں اٹھنا کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن اللہ رب العزت اپنے دین کا خود محافظ ہے اس نے بمبئی کے ایک بلند پایہ عالم دین مولانا بلہارویؒ کے دل میں یہ بات اتار دی:

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے   پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

آپ نے ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے موقف کے حق میں وہ جواہر ریزے سپرد قلم کئے

کہ موضوع کا ہر پہلو نکھر کر سامنے آ گیا اور پاک وہند کی ہر مجلس علمی نے دیکھا کہ اہلِ حق جس طرح ہر پہلو سے تفریط سے احتراز کرتے ہیں اپنے اس دینی اور علمی جذبہ سے وہ ہر پہلوئے افراط کے خلاف بھی آ کھڑے ہوتے ہیں۔

راندھیر (ضلع سورت) کی اپنی زبان اردو نہیں اور نہ مولانا بلبہاروی کی اپنی زبان اردو ہے۔ ان کی اپنی زبان گجراتی ہے سو ان کی اس کتاب کو ایسے دور میں پاک وہند میں لانے کے لئے جب کہ مکینِ گنبدِ خضراء کی حیات برزخی اور آپ کے روضہ انور پر پڑھا جانے والا صلوٰۃ وسلام مسئلہ ہونے کے پہلو سے یہاں کے عوام وخواص کے سامنے آ چکے ہیں۔ مولانا بلبہارویؒ کی اس کتاب کو عوام کے سامنے لانے کے لئے مختلف عنوان دینے اور کہیں کہیں پرانی اردو کی اصلاح کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔

مثلاً مولانا بلبہاروی آٹھویں کو اس طرح لکھتے ہیں: دلیل ۸ ویں۔ (دیکھئے ص ۱۵ سطر ۱۳) ظاہر ہے کہ اب اسے آٹھویں لکھنا چاہئے۔

مولانا کا جب اپنا مؤقف یہ ہے کہ رسالہ لکھنے والے کا نام ذکر نہ کیا جائے تو انہوں نے اس کا نام ''راقم صاحب'' رکھ لیا اور راقم صاحب نے اپنی بات کہنے میں جو علمی خیانتیں کی ہیں آپ نے ان پر نہایت واضح الفاظ میں گرفت کی ہے اور نام لئے بغیر ان کا اس طرح ذکر کرنا ہرگز کوئی عیب نہیں۔ اس پر ہم اپنے اس پیشِ لفظ کو ختم کرتے ہیں اب مولانا بلبہاروی کی یہ پوری کتاب آپ کے سامنے ہے۔

''وَاللہُ ھُوَ الْمُوَفِّقُ لِمَا یُحِبُّہٗ وَیَرْضٰی بِہٖ''

حضرت کی کتاب کے ٹائٹل پر جو شعر لکھے ہیں ان کی مراد بھی سمجھ لیں

یہاں دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ سے مراد جسدِ اطہر ہے کیونکہ دفن جسد کو ہی کیا جاتا ہے اور سکونت بدن ہی اختیار کرتا اور اسی پر دلالت کرتے ہیں یہ الفاظ لقبر انت ساکنہ اس لئے یہاں ہڈیاں مراد ہوں اس کا کوئی احتمال نہیں۔

''فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ'' (پ ۲۳، الزمر ۱۸)

خالد محمود عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افراط وتفریط عوام کی موصل ہے طرف تفریق کلمہ اسلام کے

الحمد للہ العلی الاعظم والصلوٰۃ والسلام علی المظہر الاتم قائد الخلق الی الطریق الاقوم وعلی آلہ واصحابہ وورثہ الافخم، امابعد!

اربابِ بصائر پر مخفی نہ رہے کہ ان ایامِ غربتِ اسلام میں بعضے برادرانِ دین وعوام مسلمین نے باوجود قلت علم کے دخل بیچ علم علماء کے دینا شروع کیا اور قدم بیچ اجتہادِ فقہاء کے رکھنا اختیار کیا اور خلاف میں مجتہدان والا شان کے اور تضلیل میں بزرگانِ بلند مکان کے مثل ستر فرقۂ مبتدعہ کے لب کھولتے ہیں اور ساتھ کمال تعصب کے دادِ فساد اور عناد کا دیتے ہیں کہ یہ خلاف اور تضلیل ان کی منجر طرف تفریق کلمۂ مسلمین کے ہے اور باعث برنزاع جدال دین متین کے ہے۔

امام حجۃ الاسلام محمد غزالیؒ صاحب احیاء العلوم نے بیچ ابواب مداخل شیطان کے فرمایا: ''وإنما حق العوام أن یؤمنوا ویسلموا ویشتغلوا بعبادتهم وبمعایشهم ویتركوا العلم الی العلماء فالعامي لو زني او سرق كان خیرا له من أن یتكلم في العلم فإنه من تكلم في الله وفي دینه من غیر إتقان العلم وقع في الكفر من حیث لا یدري كمن یركب في لجة البحر وهو لا یعلم السباحة ومكائد الشیطان فیما یتعلق بالعقائد والمذاهب لا تحصر۔اه'' (احیاء علوم الدین ج ۳، ص ۳۴)

یعنی عوام لوگوں کا حق یہ ہے کہ وہ ایمان لاویں اور اسلام لاویں اور مشغول ہوں اپنی عبادت میں اور معائش میں اور چھوڑیں بحث علم کی طرف علماء کے پس عامی اگر زنا کرے یا چوری کرے تو بہتر ہے اس کے لئے کلام کرنے سے علم میں بے اتقان علم اللہ کے اور دین اللہ کے کہ جس سے انجان پن میں کفر واقع ہوتا ہے مثل اس کی ایسی ہے کہ کوئی سوار ہو دریا عمیق مواج میں اور تیرنا نہ جانتا ہو باوجود اس کے مکائد شیطان کہ احکام عقائد و مذاہب میں بے شمار ہیں۔انتہیٰ!

اور باوجود دعویٰ سنیت کے مثل معتزلہ اور شیعہ اور دوسرے فرقہ مبتدعہ کے مسائل اختلافیہ اہل سنت میں حکم تضلیل وتکفیر پر کرتے ہیں اور جادۂ اعتدال سے باہر ہوجاتے ہیں حالانکہ ان اختلافات میں ہر ایک کو بحال اپنے چھوڑنا چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: ''فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا''

اور عیب ایک دوسرے کے نہ پکڑنا چاہئے: قال علیہ السلام: ''اختلاف العلماء رحمۃ'' ان اختلافات کو مجتہد کو ایک طرف جزم کرنا میسر نہیں ہے تو مقلد کو کہاں میسر ہووے کہ چھوٹے منہ اور بڑی بات سے زبان درازی کرے اور جو امر باتفاق ائمہ اربعہ ؒ کے مستحب ہو اس کو واجب یا سنت مؤکدہ کہہ دے۔علامہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے جزیل المواہب میں تصریح فرمائی ہے: ''اعلم أن اختلاف المذاهب في هذه الملة نعمة كبيرة، وفضیلة عظیمة، وله سر لطیف أدركه العالمون، وعمي عنه الجاهلون، حتی سمعت بعض الجُهَّال یقول: النبي ﷺ جاء بشرع واحد، فمن أین مذاهب أربعة؟اه'' (جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب)

اور باوجود دعویٰ حنفیت کے دوسرے ائمہ اہل سنت کے مذاہب پر عمل کرتے ہیں حالانکہ حنفی کو برخلاف اجتہاد صاحب مذہب اپنے کے نہ کرنا چاہئے اگر بے سبب خلاف مذہب عمل کریگا تو عاصی ہوگا اور باوجود دعویٰ تقلید کے خلاف رائے مجتہد کے اخذ احکام کتاب وسنت روا نہیں ہے جیسا کہ کتب اصول میں ہے اسی طرح امام ربانی مکتوب دوسو اڑسٹھ میں فرماتے ہیں کہ: ''خلاف رائے مجتہد کتاب وسنت سے اخذ کرنا احکام مقلدوں کو اور اس پر عمل کرنا نہیں جائز ہے۔انتہیٰ''

غرض یہ افراط وتفریط عوام کی اور یہ تعصب نفس بدانجام موصل ہے طرف تفریق کلمۂ اسلام کے اور ہر طائفہ کو خصومت پر اور ایذا رسانی طائفہ دوسرے پر پہنچاتی ہے جبکہ ہم غور کرتے ہیں تو صاف اظہر من الشمس روشن ہوتا ہے کہ منشاء اس غلو بے سروپا اور فساد بیجا کا محض طلب وجاہت اور اساءت ادب ودیانت کا اور ترک کرنا تقلید اکابر مقتدا ودعویٰ اشاعت رائے بے اصل اپنے کا ہے اور کچھ نہیں۔

آفریں اس تصور باطل پر اور آفرین اس خیال محال پر۔ لاجرم یہ رسالہ بیان میں افراط وتفریط خطاء کرنے والوں کے اور بیان میں طریق درمیانہ اہل سنت وجماعت کے تالیف کیا گیا ہے تا کہ ناظرین سراغ طرف واقع الامر کے لیجاویں اور غریب سادہ لوحان خطا کنندہ کی پیروی نہ کریں اور دھوکا کھا کے غلطی میں نہ گریں اور یہی مقصود اس میں بند کرنا زبان برادران اسلام کی ہے نہ عیب چینی معیوبوں کی اور نہ ظاہر کرنا ان کے ناموں کا ہے:

''قال اللہ تعالیٰ: وَلَاتَلْمِزُوْآ اَنْفُسَکُمْ'' (الحجرات:۱۱)

اور یہ گفت وشنید موافق دأب مناظرہ کے عیب نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے اور ناظرین سے امید ہے کہ بنظر انصاف قولہ تعالیٰ: ''اَفَلَایَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا''

پر اور المجتهد يخطي ويصيب پر خیال فرما کے ازراہِ عنایت باصلاح طغیانی قلم اور لغزش قدم احراز اجر کا فرماویں۔

''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ''

تنبیہ: مطلب شروع کرنے کے پہلے چند مقدمات کو معلوم کرنا ضروریات سے ہے اور وہ مقدمات یہ ہیں:

قاعدہ نمبر ۱: اصول دین کے چہار ہیں کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاسِ مجتہد یہ حکم تمام کتب اصول میں موجود و مسلم ہے اور اسی طرح حضرت علامہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی مکتوب پچپن میں تصریح فرماتے ہیں کہ:

''بعد ایں چہار ادلہ شرعیہ ہیچ دلیلی مثبت احکام شرعیہ نمی تواند شد انتہیٰ''

یعنی سوائے ان چہار دلیلوں کے کوئی دوسری دلیل مثبت احکام شرعیہ کی نہیں ہے۔

پس اس سے ظاہر ہوا کہ خلاف ان چار دلیلوں کا مردود وغیر مقبول ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: احادیث موضوعہ سے کوئی حدیثِ موضوع قابلِ حجت نہیں ہے نہ ترغیب میں اور نہ ترہیب میں اور نہ اثبات احکام میں اور نہ فضائل عمال میں۔

قاعدہ نمبر ۳: احادیث ضعیفہ سے اثبات احکام شرعیہ مثل وجوب اور فرض اور حرمت وغیرہ کا ہرگز نہ ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۴: حدیث ضعیف اگر چند اسانید سے منقول ہووے تو اس کو حسن للغیرہ کہتے ہیں پس وہ حدیث درجۂ حسن کو پہنچی مگر ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب میں اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۵: کسی حدیث کے راویوں میں بعض تعدیل کریں اور بعض علماء جرح کریں تو جرح مقدم تعدیل پر ہے۔

قاعدہ نمبر ۶: حج بیت اللہ کا جس بندۂ خدا پر زاد وراحلہ وغیرہ کی طاقت ہونے کے باعث سے جب فرض ہوا اور اس نے ادا نہیں کیا اور بعدۂ وہ مفلس ہو گیا اور نصاب فرضیت حج کی اس سے جاتی رہے تو بھی حج اس سے ساقط نہیں ہوگا اور بدوں کرنے حج کے وہ مرجائے تو گنہگار رہے۔

قاعدہ نمبر ۷: جس بندۂ خدا پر حج فرض ہوا اور وہ ادا نہ کرے اور بدوں ادا کرنے کے مر گیا تو پیغمبر خدا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر۔

قاعدہ نمبر ۸: جس آدمی کی استطاعت اور طاقت فقط حج ادا کرنے کی ہے یعنی راہ خرچی وغیرہ حج کر کے اپنے مکان پر لوٹ آنے تک کی ہے اور مدینہ مکرمہ جانے کا خرچ نہ ہو تو بھی حج اس پر فرض ہے اور بدوں جانے بیت

اللہ شریف کے یعنی بدوں حج کے اگر وہ مرجائے تو گناہ ترکِ حج کا اور وعید ترکِ حج کی اس کے ذمہ باقی ہے۔

قاعدہ نمبر ۹: ہمارے مذہب حنفی میں مستحب اور سنت، واجب اور فرض الگ الگ ہیں مثل دوسرے مذہبوں کے واجب اور فرض ایک نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۰: حدیث ضعیف اور حدیث حسن لغیرہ فضائل اعمال میں حجت ہے پس اس سے فقط استحباب ثابت ہوگا وجوب ثابت نہ ہوگا۔

اب بعد تمہید چند مقدمات ضروریات کے ناظرین پر تمکین کی جناب میں جواب اس رسالہ کا پیش کرتا ہوں جو راندیر میں محفل سلطانیہ کی طرف سے چھپ کر شائع ہوا تھا اور جس پر لکھا ہوا کہ دلیلیں گنہگار ہونے اس شخص کی جو زیارت قبر رسول ﷺ کو نہ جائے ساتھ گنجائش کے اور جواب اعتراضوں مخالفین کا تاکہ دونوں اقوالوں کو ملاحظہ فرما کے داد انصاف کی دیں۔ باوجود اس کے اخیر میں چند فتاویٰ علماء ہند کے بنقل مواہیر ودستخط ان بزرگانِ دین واسطے ترجیح وتصدیق اس میرے رسالہ کے اور واسطے ازدیاد تصریح حق کے نقل کر کے اظہار حق کا کروں گا۔ وَالْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ!

علاوہ اس کے راقم رسالہ مذکورہ نے ہر چند کتابوں کے نام ایسے بے پتے دیئے ہیں کہ احقر کو تلاش پتے میں نہایت دقت اور مشقت حاصل ہوئی ہے کیونکہ بعض جگہ تو راقم صاحب نے عبارت نقل کر کے ایسی کتاب کا نام لکھ دیا ہے کہ اب تک وہ چھپے ہی نہیں اور رسالے اور کتابوں کے نام علی ہذا الکیفیت لکھے تو خیر مگر اتنا ظاہر نہ فرمایا کہ منقول عنہ شافعی المذہب ہے یا مالکی یا حنبلی مذہب ہے یا حنفی مذہب۔ باوجود اس کے یہ نہ بیان فرمایا کہ جس سے میں نقل کرتا ہوں اس کے نام سے چند علماء دوسرے بھی موسوم ہیں تو اب یہاں کون مراد ہے اور اس کی کوئی صفت مابہ التمیز کو بھی نقل نہیں فرمائی اور یہ فعل دأب اہل علم سے بعید ہے لہٰذا جو جو قصور رسالہ مذکورہ میں وقوع میں آئے ہیں ان تمام کو حتی الامکان بیان کر کے پیشِ نظر ناظرین کے کردوں گا۔ وماتوفیقی الا باللہ وھو المستعان وعلیہ التکلان!

قَوْلُہٗ: پہلی دلیل

علامہ عبدالحق اپنی کتاب تہذیب الطالب میں عمران فاسی سے نقل کرتے ہیں کہ زیارت قبر شریف کی واجب ہے۔

''قال علامة عبدالحق فی تھذیب الطالب نقلاعن عمران الفاسی ان زیارة النبی ﷺ واجبة''

أَقُوْلُ: راقم صاحب نے اس جگہ چند دھوکے دیئے ہیں، ان میں سے:

اول دھوکا عبدالحق کا ذکر کرنا بدوں قید کسی کے۔

دوسرا دھوکا جس کتاب سے اس عبارت تہذیب الطالب کو نقل فرمائی اس کتاب کا نام گاؤخورد کر دیا تاکہ عوام جانیں کہ راقم صاحب کے پاس یہ کتاب بھی ہوگی اس سے یہ نقل فرمائی ہوگی باوجودیکہ یہ کتاب اب تک چھپی تک نہیں۔

تیسرا دھوکہ نقل عبارت میں ہے کیونکہ جس کتاب سے راقم صاحب نے عبارت مذکورہ نقل فرمائی ہے اس میں لفظ ''عن'' نہیں ہے اور راقم صاحب نے اصل لفظ کو حذف کیا اور الفاظ قال سے نقلا عن تک بڑھا دیا ہے چنانچہ ہم اس کی تصریح کر کے پردہ دھوکے کا برائے ناظرین کھول دیتے ہیں وہ یہ ہے راقم صاحب کی یہ عبارت منقولہ مواہب اللدنیہ کی جلد ثانی مطبوعہ مصر کی ص ۵۰۴ میں ہے اور اصل وضع اس عبارت کی اس طرح پر ہے: ''وقد اطلق بعض

المالکیۃ وھو ابو عمران الفاسی کماذکرہ فی المدخل عن تھذیب الطالب لعبد الحق انھا واجبۃ''

اب راقم صاحب کی عبارت نقل شدہ کو اصلی وضع پر جب ہم نے بیان کر دی تو پھر ہم اس کی کماحقہٗ تصریح وتشریح کر دیتے ہیں کہ جس کتاب سے راقم صاحب نے عبارت مذکورۃ الصدر کو نقل فرمائی وہ کتاب مواہب اللدنیہ ہے مؤلف اس کے شارح بخاری شریف کے علامہ قسطلانی شافعی المذہب ہیں اور اس میں تصریح تام ہے کہ زیارت قبر شریف کی واجب کہنے والے بعض مالکیہ ہیں جس سے صاف واضح ہوا کہ اکثر مالکیہ اور جمہور کے نزدیک واجب نہیں ہے اور بعض مالکیہ سے عبارت مذکورہ میں فقط ایک مرد ابو عمران فاسی ہیں نہ غیر اور عبد الحق سے مراد مولانا عبد الحق دہلوی حنفی المذہب نہیں ہیں جس طرح سے کہ ظاہر عبارت راقم سے دھوکا اور مغالطہ ناشی ہوتا ہے بلکہ یہ عبد الحق دوسرے ہیں اس کی تصریح کرنے سے راقم نے پہلوتہی فرمائی۔ طرفہ تر اس سے دوسرا مغالطہ اور دھوکہ راقم صاحب کا قابل غور وتضحیک ہے وہ یہ کہ اصل عبارت ابو عمران الفاسی بجائے اس کے عمران الفاسی تحریر فرماتے ہیں یہ شموس فضول ہے یا کسوف شمس ہے کہ جس کی ظلمت دیجور میں بصر بے نور ہو کر نقل عبارت درست نہیں ہوئی تو خود ایجادی عبارت کا خدا جانے کیا قماش ہوگا۔ اب راقم صاحب سے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ جناب من اس جگہ نہ آپ شافعی مالکی ہیں نہ خصم آپ کا اور نہ یہاں کے ناظرین شافعی مالکی مذہب کے ہیں باوجود اس کے کلام ہمارا مذہب حنفی کے موافق ہے نہ کسی اور مذہب سے، دوسرے کسی مذہب میں واجب ہو یا فرض ہو اس سے ہمیں کیا غرض ہے مذہب حنفی کی کتابوں سے اور حنفی مذہب کے علماء ﷭ سے وجوب زیارت قبر شریف کی نقل کرو تو آپ کی محنت قابل انعام منعم ہے ورنہ یہ کچھ نہیں ایسے کلام فضول اور لن ترانی سے کیا حاصل ہے پس یہ دلیل اول تو غیر مثبت مدعا ٹھہری اور ہباء منثورا ہوئی لہٰذا دعویٰ وجوب کا باطل ہے۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ!

قَوْلُهٗ: دوسری دلیل

ملا علی قاریؒ المسلک المتقسط میں لکھتے ہیں کہ زیارت قبر شریف کی واجبات سے ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ ''الدرۃ المضیۃ'' میں لکھا ہے: ''قال الملا علی القاری فی المسلک المتقسط فی منسک مترصد زیارۃ قبر النبی ﷺ من الواجبات کما بینتہ فی الدرۃ المضیۃ فی زیارۃ المصطفویۃ لمن لہ سعۃ ای وسعۃ واستطاعۃ وترکھا غفلۃ ای ذمۃ وجفوۃ کبیرۃ فیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی وجوب زیارۃ وھو قولہ علیہ السلام من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند حسن''

أَقُوْلُ: راقم صاحب نے بلاریب یہ عبارت دلیل ثانی کی حنفی المذہب جناب ملا علی قاریؒ سے نقل کی ہے اگر اس عبارت سے حنفی مذہب میں زیارت قبر شریف کی واجب ثابت ہو تو سمعنا واطعنا بسر وچشم آپ کا دعویٰ وجوب کا مقبول ہو مگر اس عبارت سے وجوب ثابت ہونا ممکن نہیں چونکہ عبارت میں بہت تحریف وتغییر واقع ہوئی ہے برائے خدا راقم صاحب نقل عبارت تو مطابق اصل کے فرمائیے۔ کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ اس قسم کی کتابیں جو خاص کر ہمارے مذہب حنفی کے علماء کی تالیف وتصانیف سے ہوں وہ عنقا صفت ہیں یا قلیل الوجود ہیں؟ نہ نہ! بلکہ بفضلہ تعالیٰ یہ تمام کتابیں موجود ہیں لہٰذا اتنا تو خیال فرمانا تھا کہ جب میری نقل مقابل اصل کے پیش کی جاویگی تو بڑی ندامت اٹھانی پڑے گی۔

لیجئے! اصل عبارت ملا علیؒ کی یہ ہے۔ شرح المسلک المتقسط کے ص ۲۳۲ میں: ''(اعلم ان زیارۃ سید المرسلین ﷺ) ای علیھم اجمعین (باجماع المسلمین) ای من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین (من اعظم القربات و افضل الطاعات و انجح المساعی) ای ارجی الوسائل و الدواعی لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات) بل قیل انھا من الواجبات کما بینتہ فی الدرۃ المضیۃ فی زیارۃ المصطفویۃ (لمن لہ سعۃ) ای وسعۃ و استطاعۃ (و ترکھا غفلۃ عظیمۃ و جفوۃ کبیرۃ) ای غلظۃ جسیمۃ و فیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی وجوب الزیارۃ و ھو قولہ ﷺ من حج البیت و لم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند حسن''

اب ناظرین عبارت پر مخفی نہ ہووے کہ راقم نے اکثر عبارت حذف کرنے کے ساتھ زیادتی عبارت کی بھی اپنے جیب خاص سے کی ہے۔ وہ زیادتی ''زیارۃ قبر النبی'' راقم کی عبارت میں ہے اور کتاب میں اصل عبارت ''ان زیارۃ سید المرسلین'' ہے اور راقم نے عبارت ''قریبۃ من درجۃ الواجبات'' وغیرہ عبارت دوسری ترک کر کے ''من الواجبات'' لکھ دیا ہے اور عبارت اصل ''بل قیل من الواجبات'' ہے تو معنی اب یہ ہوئے کہ زیارت سید المرسلین کی ساتھ اجماع مسلمین کے یعنی بغیر اعتبار کرنے بعض مخالفین کے اعظم قربات اور افضل طاعات اور انجح مساعی سے واسطے پانے درجات کے قریب درجہ واجبات سے ہے (یعنی عین واجب نہیں ہے مگر قریب درجہ واجب کے ہے) بلکہ بعض نے کہا کہ واجبات سے جیسا میں نے بیان کیا ہے اس کو درۃ المضیۃ میں اور قریب درجۂ واجبات کے بھی اس کے لئے ہے جس کو زیارت قبر شریف کے جانے کی وسعت اور طاقت (یعنی ہر کسی کے واسطے زیارت قبر شریف کی قریب واجبات کے نہیں ہے) اور ترک کرنا زیارت کا باوجود وسعت کے غفلت عظیمہ اور جفوہ کبیرہ ہے یعنی بڑی سختی ہے اور بیچ اس کے اشارہ طرف اس حدیث کے ہے کہ دلیل پکڑی ہے بعض نے اوپر وجوب زیارت کے اور وہ قول حضور ﷺ کا ہے: جس نے حج کیا بیت اللہ شریف کا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے مجھ پر سختی کی۔ روایت کیا اس کو ابن عدی نے ساتھ سندِ حسن کے۔ پس اس تقریر سے صاف واضح ہوا کہ ہمارے حنفی مذہب میں زیارت قبر شریف کی واجب نہیں ہے اکثر علماء اور جمہور کے نزدیک اور بعض اہلِ علم کے نزدیک واجب ہے اور اس جگہ ان بعض اہلِ علم کی تصریح ملا علی قاریؒ نے نہیں فرمائی ہے۔ بنا پر اس کے بعض اہلِ علم واجب کہنے والوں سے وہی مراد ہے جو راقم صاحب نے ابو عمران فاسی مالکی کو اوپر بیان کیا ہے اور چونکہ ان کا استدلال صحیح نہ تھا لہٰذا تضعیف کے طرف اشارہ کرنے والا لفظ ''اُستدل بہٖ'' مجہول لائے۔ پس یہاں سے بھی دعویٔ وجوب راقم صاحب کا باطل ہوا۔

قَوْلُہٗ: تیسری دلیل

قاضی عیاضؒ نے شفا میں بھی ایک جگہ واجب لکھا ہے اور ایک جگہ سنت مؤکدہ: ''و وجب شد المطی الی قبرہ ﷺ یرید ھھنا وجوب ندب و ترغیب و تاکید و لا وجوب فرضیا''

یعنی زیارت کو جانا واجب ہے لیکن وجوب سے وجوب فرضی مراد نہیں کہ جس کا منکر کافر ہو بلکہ وجوب تاکیدی مراد ہے جو شامل ہے سنتِ مؤکدہ قریب قریب واجب اور عین واجب کو۔

أَقُوْلُ: راقم صاحب نے اس جگہ دھوکا کیا ہے اور وجوب ثابت کرنے کو یہاں بھی اکھاڑ پچھاڑ کی ہے مگر بے فائدہ ہے اور محنت ضائع کی ہے کیونکہ واجب ہونا زیارت قبر شریف کی بنا بر مذہب حنفی کسی کتب معتبرہ حنفی

المذہب سے ثابت کرنا چاہئے اور قاضی عیاض کہ جس سے راقم وجوب نقل کرتا ہے وہ مالکی مذہب ہیں اور مالکی مذہب والے کا مسئلہ بیان کریں تو ہم کو ہمارے مذہب حنفی کے خلاف غیر کے مذہب پر عمل کرنا کیسی بے انصافی اور دھوکا دہی ہے آفریں اس چالاکی پر۔

دوسرا دھوکا: یہ کہ راقم لکھتا ہے قاضی عیاضؒ نے ایک جگہ واجب اور ایک جگہ سنتِ مؤکدہ لکھا ہے، یہ لکھنا راقم کا دروغ کا بے فروغ ہے اور قاضی عیاضؒ پر تہمت ہے اگر ایک جگہ سے ہی سنتِ مؤکدہ نکال دکھا دیں تو پانچ روپے انعام لینے کے راقم صاحب مستحق ہو جاویں اور باوجود اس کے اس جگہ بھی راقم نے عبارت قاضی عیاضؒ کو تغیر وتبدل کر کے حیثیت اصل عبارت کی بگاڑ دی ہے پھر بھی غریب راقم کا دعویٰ وجوب کا ثابت نہیں ہوا اصل عبارت قاضی عیاضؒ کی کہ جس کو راقم نے بگاڑ کے اپنے مطلب بنانے کو لکھی ہے وہ یہ ہے: ''وزیارۃ قبرہ ﷺ سنة من سنن المسلمین مجمع علیها وفضیلة مرغب فیها'' (ص ۲۳۴)

اور اسی صفحہ میں دوسری عبارت یہ ہے: ''وأيضا فان الزيارة مباحة بين الناس وواجب شد الرحال الى قبره ﷺ يريد بالوجوب هنا وجوب ندب وترغيب وتاكيد''

اب یہاں سے ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ راقم نے کس قدر عبارت شفاء قاضی عیاضؒ کی بگاڑ دی ہے۔ اللّٰھم عافنا کسی جگہ بھی اس عبارت میں سنتِ مؤکدہ کا ذکر نہیں ہے اب کس قدر راقم صاحب کا مبالغہ ہے اور کیسی تہمت ہے۔ ہٰذا بہتان عظیم فقط اس جگہ سے مستحب ثابت ہے اور کچھ نہیں کیونکہ ''قوله: سنة من سنن المسلمين'' کا اطلاق استحباب پر ہوتا ہے تو کہیں کہ اب سنتِ مؤکدہ کہاں سے ثابت کرو گے، بینوا توجروا!

اسی طرح راقم نے اپنی عبارت میں زیادتی ''ولا وجوب فرضیا'' کی اپنی من گھڑت لگا دی ہے۔ نسخہ عیاض میں یہ عبارت نہیں ہے۔ اسی طرح راقم نے ''شد المطی'' اپنی عبارت میں شفاء عیاض سے نقل کی ہے اور در حقیقت اس کی جگہ ''شد الرحال'' ہے۔ خدا جانے راقم نے کس فائدہ کے واسطے یہ زحمت اٹھائی ہے ورنہ اس سے وجوب زیارت قبر شریف کی بحسب زعم راقم کے ہرگز ہرگز حنفی مذہب میں ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ اس عبارت اخیرہ سے بھی استحباب زیارت قبر شریف ہی ثابت ہے کیونکہ ابو عمران فاسی کی عبارت بظاہر وجوب پر دال تھی تو حضرت قاضی عیاضؒ نے فرما دیا کہ وجوب سے ان کا مطلب استحباب کا اثبات اور ترغیب دینا اور تاکید کرنا ہے، یرید بالوجوب ہنا وجوب ندب وترغیب وتاکید۔ اس پر شاہد ہے اگر وجوب کے حقیقی معنی مراد ہوتے تو یرید بالوجوب الخ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت قاضی عیاضؒ کے نزدیک ابو عمران فاسی بھی وجوب حقیقی کے قائل نہیں ہیں: کما لا یخفی علی اهل العلم اور وجوب بمعنی ثبوت حدیث صحیح ''غسل الجمعۃ واجب'' میں وارد ہے اور ہمارے مذہب حنفی کے کسی محقق نے غسل جمعہ واجب نہیں فرمایا ہے کیونکہ اس جگہ واجب کے معنی ثابت کے لئے ہیں۔ اسی طرح شفاء عیاضؒ میں بھی وجوب بمعنی ثبوت ہے اور راقم صاحب کا لکھنا کہ قریب واجب اور عین واجب یہ بھی خلاف ظاہر اور غیر مناسب ہے کیونکہ ایک چیز جب قریب واجب ہو تو وہ واجب نہیں ہے اور یہ امر بدیہی اولی ہے، کچھ دلیل کی حاجت نہیں۔ اور جو چیز عین واجب ہو تو پھر وہ قریب واجب نہیں ہے فتأمل۔ علاوہ اس کے راقم کا زیارت قبر شریف کو واجب فرمانا علماء احناف سلف اور خلف پر تنقیص اور اعتراض وارد کرنا ہے بلکہ جناب امام اعظم ﷫ پر بھی، کیونکہ انہوں نے کسی جگہ واجب نہیں فرمایا ہے۔ اگر ثابت کر دیں تو انعام کے قابل بات ہے

اور راقم مقلد ہو کے اپنے مجتہد کے خلاف کہے اور مجتہد کا رد کرے، اس کی برائی احقر نے ابتداء میں لکھ دی ہے۔ خدا کی پناہ آدمی اپنے مطلب اور ہٹ دھرمی کے لئے کیا کچھ کرتا ہے اور عار کے لئے نار قبول کرتا ہے۔ نعوذ باللہ!

قَوْلُهٗ: چوتھی دلیل

علامہ خیر الرملیؒ نے حاشیہ منح میں ابن حجر مکی سے بھی نقل کی ہے کہ زیارت واجب ہے۔ ردالمحتار میں دیکھو:

أَقُوْلُ: راقم صاحب نے اس جگہ برابر بدوں تغیر و تبدیل کے عبارت لکھی ہے چنانچہ ردالمحتار میں مضمون عبارت ہٰذا موجود ہے مگر یہ واجب کہنے والے بعض شافعی اور مالکی ہیں۔ چنانچہ اوپر قصہ ابو عمران فاسی کا مع جواب عدمِ وجوب گذر چکا ہے۔ باوجود اس کے اتنا پھر بھی ہم تاکیداً ناظرین کے ملاحظہ کے لئے کہہ دیتے ہیں بعض ایک دو واجب کہنے والے شافعی المذہب ہیں یا مالکی اس سے ہم حنفی کو کیا حجت ہے اگر شافعی المذہب کے واجب کہنے کو ہر مسئلہ میں خلاف مذہب کے حجت پکڑو تو سورۂ فاتحہ خلف الامام مقتدی کے لئے شافعی واجب بلکہ فرض کہتے ہیں تو پھر کیا اس پر بھی عمل کرو گے اور کراؤ گے؟ جب آپ نے شافعی المذہب کے بعض سے وجوب زیارت کو نقل کیا تو ہم اس کا رد بھی شافعی المذہب کے جمہور سے نقل کر دیتے ہیں۔ دیکھو "درر السنیہ" کے ص ۳ میں علامہ سید احمد دحلان شافعی المذہب فرماتے ہیں: "قال العلامة ابن حجر فی الجواھر المنظم فی زیارة قبر النبی المکرم ﷺ قد نقل جماعة من الائمة حملة الشرع الذین علیھم المدار و المعولة الاجماعَ وانما الخلاف بینھم فی انھا واجبة او مندوبة فمن خالف فی مشروعیة الزیارة فقد خرق الاجماع واحتج القائلون بوجوب الزیارة بقوله ﷺ: من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی رواه ابنُ عدی بسند یحتج به قال وجفاؤه ﷺ حرام فعدم زیارته المتضمن بجفائه حرام واجاب الجمھور القائلون بندب الزیارة بان الجفاء من الامور النسبیة فقد یقال فی ترک المندوب انه جفاه اذ ھو ترک البر والصلة ویطلق ایضا علی غلظ الطبع والبعد عن الشیئ فاکثر العلماء من الخلف والسلف علی ندبھا دون وجوبھا"

یعنی علامہ ابن حجر نے "جواھر المنظم فی زیارة قبر النبی المکرم ﷺ" میں کہا ہے کہ تحقیق نقل کیا ہے ایک جماعت نے ائمہ سے کہ جن پر مدار ہے اور وہی لوگ حاملان شرع ہیں، اجماع کو (یعنی اجماع منقول ہے علماء معتبرین سے زیارت قبر شریف کی مشروع ہونے پر) اور خلاف درمیان علماء انام کے فقط اس بارے میں ہے کہ یہ زیارت قبر شریف کی واجب ہے یا مندوب ہے کیونکہ جو مخالف ہے نفسِ مشروعیت زیارت قبر شریف کے وہ خارق اجماع ہے اور قائلین وجوب نے حجت پکڑی ہے ساتھ قول ﷺ کے کہ جس نے حج کیا بیت اللہ کا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے مجھ پر جفا کی۔ روایت کیا اس کو ابن عدی نے ایسی سند سے کہ جس سے حجت پکڑی جائے اور ان وجوب کے قائلوں نے کہا ہے کہ جفا کرنا حضرت ﷺ پر حرام ہے تو نہ زیارت کرنا جو کہ متضمن حضرت ﷺ کی جفا پر ہے حرام ہے اور جمہور علماء قائلین استحباب نے جواب دیا ہے کہ جفا امور نسبیہ میں سے ہے کیونکہ کبھی کہا جاتا ہے مندوب کے ترک کرنے میں کہ یہ جفا ہے اسی باعث سے کہ مندوب کا ترک کرنا بر اور صلہ کا ترک کرنا ہے اور بھی جفا کا اطلاق غلظتِ طبع اور ایک شے سے بعد ہونے پر ہوتا ہے لہٰذا اکثر علماء متقدمین اور متاخرین زیارت قبر شریف مستحب ہونے پر ہیں نہ وجوب پر اس کے۔

اوراسی طرح ص ۴ پر لکھتے ہیں:"ثم ذکر احادیث کثیرۃ کلھا تدل علی مشروعیۃ الزیارۃ لا حاجۃ لنا الی الاطالۃ بذکرھا فتلک الاحادیث کلھا مع ما ذکرنا صریحۃ فی ندب بل تاکد زیارتہ ﷺ حیا و میتا للذکر و الانثیٰ و کذا زیارۃ بقیۃ الانبیاء و الصالحین و الشہداء"

پس ان عبارات سے مستحب ہونا زیارت قبرشریف کا اور واجب نہ ہونا ثابت ہوا۔ دیکھو جملہ: وانما الخلاف بینھم فی انھا واجبۃ او مندوبۃ سے اختلاف ثابت ہوا درمیان واجب اور مستحب ہونے زیارت قبرشریف کی اور بعد بیان کرنے اختلاف کے مستحب ہونا زیارت قبرشریف کو جمہور علماء سے ثابت کردیا۔ و اجاب الجمہور القائلون بندب الزیارۃ سے اور جملہ فاکثر العلماء من الخلف و السلف علی ندبھا دون وجوبھا سے اظہر من الشمس ثابت ہوگیا کہ زیارت قبرشریف کی مستحب ہے لَاغَیر۔ فَاعْتَبِرُوْا یَآاُولِي الْاَبْصَارِ!

اوراسی طرح عبارت ثانیہ سے بھی استحباب ثابت ہے وہ یہ جملہ فتلک الاحادیث کلھا مع ما ذکرناہ صریحۃ فی ندب بل تاکد زیارتہ اب فرمائیے کہ کس جملہ کو پسند کرتے ہو؟"فَبِاَيِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ"

قَوْلُہٗ: پانچویں دلیل

شرح مختار میں قریب واجب بتایا ہے۔ دیکھو شامی۔

أَقُوْلُ: قریب واجب کی مراد اوپر بیان ہوچکی ہے کہ واجب نہیں ہے زیارت قبرشریف کی مگر واجب کے قریب ہے یعنی فضیلت میں۔ اس سے راقم صاحب آپ کا کیا فائدہ ہوا؟ آپ کا تو اس میں رد ہوا، ذرا ہوش میں آکر ملاحظہ فرمایئے۔

چہ نسبت خاک را باعالم پاک

آپ کا دعویٰ تو خلاف مذہب حنفی کے وجوب کا تھا اور دلیل نقل کرتے ہو غیر وجوب کی آفریں۔

برایں عقل ودانش بباید گریست

ناظرین! اس تقریر کی تمثیل اس طرح ذہن نشین فرمائیں کہ مثلاً ایک شخص کہے کہ زید سورت کے قریب ہے تو ہر کدام کس و ناکس بادنیٰ تامل یہ بخوبی معلوم کریگا کہ زید سورت میں داخل نہیں ہوا ہے بلکہ بیرون سورت کہیں قرب و جوار میں ہے اور جو ایسے معنی کریگا کہ وہ سورت میں ہے اس کو غلطی کرنے والا کہیں گے۔ اسی طرح یہاں بھی تصور فرماویں کہ عین واجب ہونا ایک شے کا امر دیگر ہے اور قریب واجب ہونا امر دیگر ہے۔ پس اس عبارت سے راقم کی واجب ثابت نہیں ہوا بلکہ ثابت و واضح ہوا کہ زیارت قبرشریف کی راقم کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے۔ اور یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ راقم صاحب نے اب اپنے دعویٰ وجوب سے رفتہ رفتہ تنزل اختیار کیا ہے، خدا نے چاہا تو اب سنت کہتے ہوجاویں گے، فہو المراد۔ کیونکہ سنت دو قسم ہے سنت ہدیٰ اور سنت زائدہ اور مستحب اور ندب اور نفل ہر چہار ایک ہی ہیں۔ فَتَدَبَّرْ!

قَوْلُہٗ: چھٹی دلیل

مراقی الفلاح میں قریب بواجب ہے (لما کانت زیارۃ النبی ﷺ من افضل القرب و احسن

المستحبات بل من درجة ما لزم من الواجبات فانه ﷺ حرض علیها فقال من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی) اس دلیل سے جناب رسول ﷺ نے شوق دلایا اس پر اور مبالغہ کیا در باب زیارت ہے۔

أَقُولُ: راقم صاحب! کس قدر عبارت نقل کرنے میں خبط اور خیانت کرتے ہو، کہ کوئی نوآموز طالب العلم بھی نقل نویسی میں ایسی خطا نہ کریگا۔ دیکھو راقم صاحب! میں اس جگہ پوری عبارت مراقی الفلاح مع پتے صفحہ کے نقل کرتا ہوں تو اس سے ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ کتنی عبارت آپ نے چھوڑی اور خیانت کی ہے اور جو عبارت چھوڑی ہے وہ مفید وجوب ہے یا مفید استحباب ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب وہ عبارت مفید وجوب ہوتی تو آپ اس کو ہرگز نہ چھوڑ دیتے مگر وہ عبارت چھوڑی ہے جو مفید استحباب تھی لہٰذا خلاف مدعیٰ کے جان کر چھوڑ دی اور یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِه کے مصداق بنے معاذ اللہ۔ وہ پوری عبارت اس طرح ہے: ''قال فی الاختیار ولما کانت زیارة النبی ﷺ من افضل القرب واحسن المستحبات بل تقرب من درجة ما لزم من الواجبات فانه ﷺ حرض علیها وبالغ فی الندب الیها فقال من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی وقال ﷺ من زار قبری وجبت له شفاعتی وقال ﷺ من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی'' (ص ۴۸۵)

جن اقوال کو راقم نے ترک کیا اس کی یہ فہرست ہے: ''قال فی الاختیار'' کو چھوڑ دیا اور ''احسن المستحبات'' کی جگہ ''احاسن المستحبات'' لکھ دیا اور ''بل تقرب من درجة'' کی جگہ ''بل قریب من درجة'' لکھ دیا ہے اور لفظ ''فی الندب الیها'' کو بالکل راقم نے ترک کیا ہے۔

ناظرین ''وبالغ فی الندب الیها'' کے معنی راقم صاحب سے اولاً دریافت فرماویں بعدہ باعث ترک عبارت کا پوچھیں کہ کس سبب سے یہ عبارت چھوڑی؟ راقم صاحب راست گو ہونگے تو ضرور فرما دیویں گے کہ اس عبارت کے معنی حضرت ﷺ نے مبالغہ استحباب ثابت کرنے کا فرمایا یہ معنی ہوتے ہیں لہٰذا میرے معتقدین سے شرمندگی دور کرنے کے واسطے یہ عبارت ترک کر دی تاکہ وجوب کے بدلے استحباب میری نقل سے ثابت کرکے میں اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مارنے کا مصداق نہ بنوں۔ پس اس سے استحباب ثابت ہوگیا اور دعویٰ وجوب کا مردود ہوا۔

قَوْلُهٗ: ساتویں دلیل

''قال علامة السندی فی الباب المناسک اعلم ان زیارة سید المرسلین ﷺ من غیر عبرة بما ذکره بعض المخالفین من اعظم القربات قریبة من درجة الواجبات''

أَقُولُ: جواب اس قول کا بما لہ وما علیہ بالتفصیل والتصریح اوپر گذر چکا اور اس جگہ سے بھی عدم وجوب زیارت قبر شریف کا موافق مذہب حنفی کے ثابت ہے اگرچہ اس میں دوسرا کلام زیادہ ہے لیکن بسبب طول کلام کے اس جگہ اختصار کیا گیا ہے۔ فتامل!

قَوْلُهٗ: آٹھویں دلیل

میں ہے: ''وزیارت آنحضرت ﷺ نزد ابی حنیفہ از افضل مندوبات واوکد مستحبات است قریب بدرجہ واجبات''

أَقُوْلُ: راقم صاحب اس عبارت کا ترجمہ لکھتے تو ان کے معتقدین بھی جانتے کہ حضور اول تو زیارت شریف واجب فرماتے تھے اور اب خود راقم صاحب امام اعظم ﷜ سے مستحب ہونا ثابت فرما کے مولوی غلام محمد صاحب کے فرمودہ کو تسلیم کر کے ان کے ہم مسلک ہوتے ہیں مگر اپنی ضد نباہنے کو ترجمہ نہیں کیا تا کہ بات بنی رہے لیکن میں اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں وہ یہ ہے: ''اور زیارت آنحضرت ﷺ کی ابوحنیفہؒ کے نزدیک افضل مستحبات سے ہے اور تاکید تر مستحبات سے قریب بدرجۂ واجبات کے ہے۔''

پس اس کو ناظرین ملاحظہ فرما دیں کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیارت قبر شریف کی مستحب ثابت ہوتی ہے یا واجب؟ بلکہ غیر واجب ثابت ہوئی اور واجب کہنے کا دعویٰ راقم صاحب کا ہمارے پیشوا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول سے جناب مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے باطل کر دیا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ راقم صاحب نے اپنے دل میں انصاف کو جگہ دے کر مولوی غلام محمد صاحب کے دعویٰ غیر واجب ہونے کو تسلیم کیا، فھو المراد! بنا بریں اب درمیان دونوں صاحبوں کے کچھ نزاع باقی نہ رہا مگر نزاع لفظی۔

قَوْلُهٗ: نویں دلیل

جذب القلوب میں ہے کہ زیارت واجب ہے: ''وبعضے مالکیہ بوجوب آں رفتہ ودیگراں تاویل ایں بسنن مؤکدہ کردہ کہ مراد بسنن واجبہ سنن مؤکدہ است''

أَقُوْلُ: افسوس ہے کہ راقم صاحب تو جناب ابوحنیفہ سے زیارت قبر شریف کی مستحبات سے ثابت کر چکے اور پھر امام صاحب کے قول کو پس پشت ڈال کر حنفیت کا دم محض ریاء وسمعہ کے لئے بھر کے مالکی مذہب کے بعض کی تقلید کر کے دلیل وجوب زیارت پر لاتے ہیں۔ ومایتخبطہ الشیطٰن۔ اور امام صاحب کے قول کو رد کرتے ہیں۔ مگر بندہ او پر مقدمہ میں لکھ گیا ہے کہ مقلد کو اپنے امام ومجتہد کی تقلید واجب ہے، نہ غیر کی۔ چنانچہ اس کی تصریح علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ عقد الجید میں کی ہے فانظر فیہ پس یہ واجب کہنے والا اور واجب کی تاویل سنت مؤکدہ کے ساتھ کرنے والا دونوں مالکی ہیں جیسا کہ ابوعمران فاسی مالکی اور تاویل کرنے والے عبدالحق صقلی وغیرہ سے ذکر مالہ وما علیہ کا مفصل ابتدا میں ہو چکا لہٰذا ہم حنفی مذہب والوں کو قول امام صاحب کا واجب التسلیم ہے۔ راقم صاحب اگر مالکی ہوں اور وہ وجوب زیارت پر ابوعمران الفاسی مالکی کی تقریر کر کے واجب ہونے زیارت کا اعتقاد رکھیں تو ان کو مبارک ہو۔ باوجود اس کے راقم صاحب اضطراب میں واقع ہوئے ہیں اور ان کا قول بھی مضطرب ہے۔ گاہ واجب کہتے ہیں اور نقل کرتے ہیں اور گاہ سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں اور گاہ مستحب ہونا زیارت قبر شریف کا نقل فرماتے ہیں اور قول مضطرب باعتبار اصول حدیث کے مردود وغیر مقبول ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَاۤاُولِي الْاَبْصَارِ!

تنبیہ: اس جگہ ہم علماء احناف سے زیارت کا مستحب ہونا اور غیر واجب ہونا ناظرین کے ملاحظہ کے واسطے نقل کرتے ہیں اس میں راقم صاحب کچھ قیل وقال فرما دیں تو احقر جواب دینے کو ہر طرح مستعد ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) فتح القدیر کے ص ۹۴ ج ثالث مطبوعۂ مصر میں فرماتے ہیں ہمارے مشائخ حنفیہ کے نزدیک زیارت قبر نبی ﷺ کی افضل مستحبات میں سے ہے اور مناسک فارسی اور شرح مختار میں ہے کہ یہ قریب ہے واجب کے جس کو طاقت طرف مدینہ منورہ جانے کی ہو: ''المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی ﷺ قال

مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ من افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انها قریبة من الوجوب لمن له سعة ایضاً والحج ان کان فرضا فالاحسن یبدأ به ثم یثنی بالزیارة وان کان تطوعا کان بالخیار۔"

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعۂ دہلی کے ص ۱۷۱ میں ہے: "قال مشائخنا انها افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انها قریبة من الوجوب لمن له سعة"

اس عبارت میں استحباب کے قائلین کے جمع کو مضاف کر کے بیان کیا اور قریب وجوب کے قائل دو کتاب والے بیان کئے۔ اس قرینہ سے یہ جمع مضاف فائدہ استغراق کا دیتا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ سوائے چند اور دو اشخاص کے کہ وہ قریب وجوب کے قائل ہیں، تمام حنفی مذہب کے مشائخ بلکہ چاروں امام استحباب کے قائل ہیں۔ چنانچہ اتفاق ان چاروں ائمہ کا آگے ہم کتاب مدخل سے ثابت کر دیتے ہیں اور اسی طرح کتاب التوضیح کے ص ۱۴۳ میں ہے: "لاسیما زیارة قبره الشریف فانها من اعظم القرب وارجی الطاعات وفی شرح المختار وهی افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات وهی فی مناسک الطرابلسی نقلا عن مناسک الفارسی انها قریبة الواجب فی حق من کان له سعة"

اسی طرح حاشیہ شامی بر متن درمختار کے ص ۲۷۸ ج ثانی میں ہے: "وزیارة قبره ﷺ مندوبة بل قیل واجبة"

اور اس کے حاشیہ شامی میں لکھا ہے:

قَوْلُه: "مندوبة ای باجماع المسلمین کما فی اللباب وما نسب الی الحافظ ابن تیمیة الحنبلی من انه یقول بالنهی عنها وقد قال بعض العلماء انه لا اصل له"

اور اسی طرح علامہ محدث عبد الحق دہلوی﷫ نے ثابت بالسنۃ کے ص ۸۶ میں لکھا ہے: "وزیارة النبی القرشی الهاشمی المکی المدنی ابی القاسم محمد ﷺ بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم خاتم الانبیاء والمرسلین صلوٰة الله وسلامه علیه وعلیهم اجمعین مستحبة مندوبة من اوکد المستحبات وافضل القربات قریبة من الواجب فی حق من له سعة وقدرة"

یعنی زیارت کرنا قبر شریف نبی القرشی الہاشمی المکی المدنی ابی القاسم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم خاتم الانبیاء والمرسلین کی مستحب اور مندوب ہے زیادہ تر تاکیدی مستحبات اور افضل قربات سے ہے قریب واجب کے (یعنی واجب نہیں) اس کے حق میں کہ جس کو طاقت ہو۔

ان کتب حنفیہ سے زیارت قبر شریف کی مستحب ہونا اور غیر واجب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ راقم صاحب اگر حنفی المذہب ہیں تو بعد اس کے ہرگز ان کو زیارت قبر شریف کی واجب کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ مقلد کو اپنے امام کی تقلید واجب ہے۔ دیگر واجب کہنا بعض مالکی المذہب کا ماخذ ہے نہ علماء حنفیہ کا۔ فتأمل!

قَوْلُه: دسویں دلیل

بعد رحلت آنحضرت ﷺ کے خلفاء راشدین و دیگر صحابہ و تابعین و تبع التابعین اور جمیع امت مرحومہ کا آج کے دن تک اس امر پر اجماع اور تواارث ہو گیا ہے کہ حج کرنے والے زیارت کو ضرور جاتے ہیں اور کسی کو آج تک

انکار نہیں اور جو امر کہ تو ارث سے ثابت ہووے اس سے وجوب یقیناً ثابت ہوتا ہے۔شرح منیہ میں ہے:"فالثابت بالفعل المتوارث یفید الوجوب"

أقُولُ: راقم صاحب کو کیا خبط ہو گیا ہے کسی جگہ اوپر نقل کر گئے ہیں اور دلیل لائے وجوب زیارت پر اور کسی جگہ نقل دلیل سے سنت مؤکدہ ثابت کر گئے اور کسی جگہ قریب الوجوب پر دلیل نقل فرمائی اور کسی جگہ استحباب زیارت قبر شریف کی نقل فرمائی دیکھو ہر ایک کی فہرست مع نمبر لکھ دیتا ہوں۔

دلیل پہلی میں واجب نقل فرمایا اور دوسری دلیل ملاعلی قاریؒ سے وجوب نقل فرمایا مگر وہ تو غلط اور تہمت علامہ ملاعلی قاریؒ پر ہے کیونکہ ملاعلی قاریؒ نے اپنی طرف سے نہ واجب فرمایا اور نہ عین واجب فرمایا ہے بلکہ "قیل" کے قول کو نقل کر کے بعدہٗ عدم وجوب کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ ذکر اس کا اوپر گذر چکا ہے۔اور اسی طرح عبارت شفاء قاضیؒ میں بھی راقم نے عتر بود کر دیا اور حذف و تغییر کر کے علامہ قاضی عیاضؒ پر تہمت وجوبِ زیارت کی کر دی ہے چنانچہ اس کی تصریح بھی اوپر گذر چکی ہے۔اور دلیل چوتھی میں بھی راقم صاحب نے زیارت کو واجب فرمایا ہے اور دلیل پانچویں میں راقم صاحب قریب واجب فرماتے ہیں اور دلیل چھٹی میں عبارت اصل کتاب لی بگاڑ کے غلط عبارت نقل کی اور ساتویں میں مستحبات سے زیارت قبر شریف کو ثابت کیا ہے اور قریب واجب نقل کی ہے اور دلیل آٹھویں میں قرّیب واجب بیان فرمایا ہے اور نویں دلیل میں استحباب اور قریب واجب بیان فرمایا اور بعض مالکیہ سے وجوب اور سنت مؤکدہ بیان کیا اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے اس جگہ دیکھ لو۔"فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ "اور پھر اس دلیل دسویں میں اپنی عقلی دلیل کج مج سے راقم پھر وجوب بیان فرماتے ہیں۔ایک بات اور ایک مذہب پر راقم صاحب ٹھہر جائے اور پھر بحث و تقریر کا میدان اختیار فرمادیں تو عین انصاف ہے۔اجماع اور تو ارث بعد حج کے دربارۂ زیارت قبر شریف کا دعویٰ کر کے وجوب زیارت کو ثابت کرتے ہیں۔اس سے کیا قباحت لازم آتی ہے وہ بھی راقم کو خبر نہیں کیونکہ جناب امام اعظم صاحبؒ کے مذہب سے بیان فرماتے ہیں افضل مندوبات اور اوکد مستحبات زیارت قبر شریف کو اور پھر امام اعظمؒ کے عندیہ اور مذہب کے خلاف کر کے واجب اور عین واجب فرماتے ہیں اور اوپر مقدمہ میں کتب اصول سے مقلد پر تقلید کا اپنے امام کی واجب ہونا اور مقلد کو مجتہد کے خلاف عمل کرنا ممنوع ہے یہ بیان ہو چکا ہے۔بنا براس کے راقم کا اس جگہ اجتہاد کر کے واجب ثابت کرنا باطل ہے۔

دیگر اس دلیل کے باطل ہونے پر ہم کلام کرتے ہیں وہ یہ کہ راقم صاحب فرماتے ہیں یہ حضرت ﷺ کے زمانے سے آج تک تو ارث اور اجماع چلے آنے سے بغیر انکار کرنے کسی منکر کے واجب ثابت ہوئی زیارت قبر شریف کی۔یہ قیاس راقم کا بالکل مع الفارق اور باطل ہے کیونکہ فرض نماز کے واسطے پنج وقتا اذان کہنے اور اقامت کہنے پر برابر تو ارث اور اجماع حضرت ﷺ کے زمانے سے آج تک چلا آتا ہے اور بدوں انکار کسی منکر کے اور اس میں اجماع صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا علی الدوام چلا آتا ہے۔علاوہ اس کے ثبوت اس کا بوجہ احسن باحادیثِ صحیحہ صحاح ستہ وغیرہا سے باتفاق متداول ہے۔اس طرح فجر کی اذان میں"الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنا باجماع صحابہ و تابعین اور تبع تابعین اور جمیع مسلمین کا آج تک جاری ہے باوجودیکہ اس کی تاکید میں حدیثیں صحیحہ صریحہ بلا جرح کے کتب ستہ وغیرہا میں موجود ہیں۔پھر یہ اذان و اقامت اور"الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنا اذان صبح میں کیوں واجب نہ ہوا؟ زیارت کی حدیثوں سے زیادہ تر حدیثیں اور صحیح تر آثار و احادیث سے

باوجودیکہ اذان واقامت وغیرہ ثابت ہیں مگر کسی نے ایسی غلطی مثل راقم صاحب کے نہ کھائی اور کسی نے واجب نہیں کہا۔ پس بنابریں دلیل دسویں تطویل بلا طائل ہوکر دعویٰ وجوب کا باطل ہوا اور شرح منیہ کی عبارت کا جب تک راقم صحیح پتہ نہیں بتلائیں تب تک حجت قاصرہ قابل اعتبار نہیں کیونکہ سابق میں جتنی عبارت راقم کی تحریر کی ہوئی گذر چکی وہ کتب حوالہ کے مخالف اور متغیر پائی گئی ہے چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا بسط سے۔

قَوْلُہٗ: گیارہویں دلیل

ماہرین علوم فقہ اور حدیث پر خود روشن ہے کہ زیارت نہ کرنے والے کے حق میں کیا وعید ہے؟ کسی حدیث میں ہے کہ زیارت نہ کرنے والے نے مجھ پر ظلم کیا، کسی میں فرمایا کہ اس کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ اور وعید واجب یا سنتِ مؤکدہ کے نہ کرنے والے کے حق میں ہی آتی ہے، مستحب کے ترک کرنے والے پر نہیں آتی۔ علامہ عینی بنایہ حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں: ''لان الحاق الوعید انما یکون بترک الواجب او السنۃ المؤکدۃ''

اَقُوْلُ: راقم صاحب نے عبارت عینی حاشیہ ہدایہ کی نقل فرمائی۔ یہ جب حجت ہو کہ وعید بطریق صحت کے درجہ قبول کو پہنچی اور یہ وعید درجہ صحت کو نہیں پہنچی ہے۔ دیکھو علماء محدثین نقاد احادیث نے اس بارے میں جو جو حدیثیں آئی تھیں ان میں کسی کو موضوع کسی کو ضعیف لکھا ہے اور کسی نے حسن لکھا ہے مگر جس نے حسن لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث چند طرق ضعیفہ سے وارد ہوئی اور اصول حدیث کا قاعدہ مسلم ہے کہ جو حدیث ضعیف چند طرق ضعیفہ سے وارد ہو تو اس کا درجہ حسن کے درجہ کو پہنچتا ہے مگر اس کو بموجب اصطلاح اصول حدیث کے حسن لغیرہ کہتے ہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ اوائل رسالہ ہذا میں لکھا گیا ہے کہ جناب ابوحنیفہؒ کے نزدیک حسن لغیرہ سے واجب ثابت نہیں ہوتا ہے۔

دوسرا جواب لیجئے وہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کو یا اس کے راوی کو بعض نقادِ حدیث جرح کریں اور حدیث کو بسبب جرح کذب کے موضوع کہیں یا بسبب ضعفِ راوی کے حدیث کو ضعیف کہیں اور بعض نے اسی حدیث کے راوی کو ثقہ یا عادل کہا تو باعتبار قاعدہ مسلمہ اصول حدیث کے جرح مقدم ہے تعدیل پر۔

چنانچہ شرح الفیہ عراقی اور نخبۃ الفکر لملاعلی قاری ولحافظ ابن حجر میں بنظر انصاف ملاحظہ فرما کے لاریب فیہ کے صلہ سے سرفراز فرمائیں اور خلعت جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کی داد دیں اور ہذا ہو الحق والحق احق ان یتبع۔ اس رسالہ پر راقم صاحب تحریر فرما کے دستخط کر دیں۔ باوجود اس کے جواب حدیث جفانی کا وجوب ثابت کرنے والوں کو استحباب ثابت کرنے والوں کی طرف سے گذر چکا ہے۔ پس عینی حاشیہ ہدایہ کی عبارت راقم کا نقل کرنا تطویل بلا طائل ہے اور مفید دعویٰ راقم کو نہیں ہے۔ فتامل!

قَوْلُہٗ: بارہویں دلیل

شیخ الہند (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) مدارج النبوۃ ج ۲، ص ۱۷۵ اور سطر ۱۷ میں لکھتے ہیں، ذرہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے: ''واما زیارت قبر شریف و مسجد منیف از اعاظم قربات واعلیٰ درجات ہست بعضی برآنند کہ واجب است بر کسی کہ وسعت دارد چنانچہ امام عبدالحق کہ از اعاظم علماء حدیث ذکر کردہ وگفتہ کہ مراد وی از واجب

سنت مؤکدہ است کہ در مرتبہ واجب است و بر ثبوت پیوست کہ آنحضرت ﷺ فرمود کہ من زار قبری الخ و مروی ست کہ من وجد سعۃ ولم یزرنی الخ صاحب مواہب گفتہ کہ ایں حدیث ظاہر در حرمت ترک زیارت است زیرا کہ دریں جفا و اذائی اوست و جفا و اذائی آنحضرت ﷺ باجماع حرام است پس واجب شد ازالۂ جفا و آں بزیارت خواہد بود پس زیارت واجب شد"

اَقُوْلُ: راقم صاحب نے ابتدا سے اب تک اپنے رسالہ کو کسی جگہ پتہ صریح مع ضبط جلد اور صفحہ اور سطر کے نہیں لکھا اور اس جگہ پتہ کامل تحریر فرمایا۔ باعث اس کا یا تو یہ ہے کہ راقم صاحب کو اب تک ڈھنگ نقل عبارت کتب کا نہ تھا، اب اتنی دور جا کے آنکھیں راقم صاحب کی کھلیں اور نقل عبارت کا ڈھنگ پیدا ہوا۔ چنانچہ اسی واسطے ناظرین رسالہ کو بھی آپ فرماتے ہیں کہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو اور مثل مشہور ہے کہ آپ اندھا غیر کو اندھا جانتا ہے اور آپ بہرا غیر کو بہرا جانتا ہے اور باتیں کرتا ہے کسی سے تو خوب چلا کے آواز نکالتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں بہرا تو سب بہرے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ! یا پتہ اس طرح تصریح دار باعث لکھنے کا یہ ہو کہ راقم صاحب نے اپنے زعم میں یہ جان لیا ہو کہ یہ عبارت میرے مدعائے مضطرب کے ثبوت میں بے نظیر ہے گو کہ فی الحقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ادنیٰ تامل سے اہل علم کو روشن ہے یا یہ خیال راقم صاحب کو اتنی دور جا کے ہوا کہ ایسی ایک لاف ماردوں کہ معتقدین خوش ہو جائیں کہ ہمارے راقم صاحب کیسی تحریر سینہ زوری سے کہہ رہے ہیں شاید یہ دلیل بہت قوی ہے تو معلوم ہو کہ اس کی پہلے کی دلیلیں لچر پوچ تھیں کہ ان میں ایسی تصریح نہیں کی ہے۔ راقم صاحب آپ کی خدمت عالیہ میں ہم ناظرین کی گذارش ہے کہ ہم ذرہ کیا آنکھیں آپ ہی خوب طرح آنکھیں کھولیں اور دربارہ مرۃ بعد مرۃ اور کرۃ بعد کرۃ بار بار بنظر غور و تعمق کے چاہو تو عینک ہی لگا لیجئے اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ کو ملاحظہ فرمائیے تو آپ پر واضح ہوگا کہ مولانا کا فرمانا آپ کے مدعا کو مفید و حجت ہے یا ہم کو مفید و حجت ہے چنانچہ اس بات پر ہم علماء ہند کو انصاف دے کے ان سے فتویٰ چاہتے ہیں۔ وہ جو فتویٰ اور حکم گردانیں اور وہ جو انصاف دیں اس پر عمل کریں چنانچہ بنابریں علماء ہند سے ہم فتویٰ چاہتے ہیں جب وہ فتوے آجاویں گے تو ان شاء اللہ ہم اس کے اخیر میں بلا کم و بیش تحریر کے چھپوادیں گے تا کہ ہر خواص و عوام جائیں کہ راقم صاحب کی نظر و فہم میں فرق اور راقم کو آنکھیں کھولنے کی حاجت ہے یا ہم ناظرین کو۔ جو عبارت بڑے زور و شور سے لکھی ہے فارسی میں، اس کا ترجمہ اردو میں ہم لکھ دیتے ہیں کہ جس سے ناظرین کو خوب معلوم ہو جاوے کہ زیارت قبر شریف کی حنفی مذہب میں مستحب ہے اور مالکی مذہب کے بعض اہل علم کے نزدیک واجب اور مراد واجب سے وہ واجب نہیں ہے کہ جو فقہاء عظام حنفیہ کے اصطلاح میں جس کو واجب کہتے ہیں بلکہ مراد واجب سے بمعنی ثابت کے ہے چنانچہ اس کی تصریح اس کے سابق میں گذر چکی ہے۔

ترجمہ: اور زیارت کرنا قبر شریف اور مسجد منیف کی اعظم قربات اور اعلیٰ درجات سے ہے۔

منیف کے معنی بلند کے ہیں یعنی مولانا عبدالحق دہلوی حنفی نے حنفی مذہب کے موافق استحباب زیارت قبر شریف کا اوّلاً بیان کر دیا اب یہاں سے مالکی مذہب کے بعض کا اور شافعی المذہب کے بعض کا حکم بیان کرنا شروع کیا اور کہا: بعضے اوپر اس بات کے ہیں کہ واجب ہے اوپر اس شخص کے جو مقدور رکھتا ہو جس طرح امام عبدالحق صقلی جو اعاظم علماء حدیث سے ہیں (مگر یہ مالکی ہیں حنفی نہیں ہیں) ذکر کرتے ہیں کہ مراد اس کے واجب سے سنت مؤکدہ ہے جو مرتبہ واجب کے درجہ کو ہے۔۔ آخر تک۔

اور آگے جا کے صاحب مواہب اللدنیہ کا قول نقل کرتے ہیں جو شافعی ہیں اور خود راقم صاحب نے اوپر ابو حنیفہ کے نزدیک مستحبات سے ہونا زیارت قبر شریف کا بیان کر دیا ہے اور ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مقلد پر اپنے امام کی تقلید واجب ہے نہ غیر کی اور مخالفت مقلد کو اپنے مجتہد کی ہرگز درست نہیں ہے لہذا بنا بریں درمختار میں ہے زیارت مستحب ہے اجماع مسلمین سے چنانچہ شامی نے اور ملا علی قاری حنفی اور ابن ہمام صاحب فتح القدیر وغیرہ علماء احناف سلف وخلف نے تصریح کی ہے۔ اور جواب حدیث جفائی کا بھی اوپر گذر چکا کہ جس طرح جفا کا اطلاق وجوب کے واسطے ہوتا ہے اسی طرح استحباب کے واسطے بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دلیل تیرھویں میں کچھ نئی بات پیدا نہیں ہوئی بلکہ جو باتیں ہٹ دھرمی کی اوپر راقم صاحب لکھ چکے ہیں اور اس کی غلطیاں اور خطائیں اور دندان شکن جواب ہو چکے ہیں اسی کو اپنی خوگیر بھرنے گنتی کی تیرھویں دلیل بھی لکھی ہے اب ثابت ہو گیا کہ ذرہ آنکھیں کھولنے کے بدلے میں راقم صاحب کو اچھی طرح آنکھیں کھولنی چاہئیں مطلب مواہب کی عبارت سمجھنے کو۔ فَافْهَمْ!

راقم صاحب کے فہم کی کجی پر مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی جذب القلوب کا ترجمہ مرغوب القلوب کے ص ۲۱۳ میں تصریح ہے۔ ”باب پندرھواں بیان حکم زیارت قبر اعطر واطہر واقدس سید الانس والجان ﷺ میں کہ واجب ہے یا مستحب الخ۔ زیارت حضرت سید المرسلین ﷺ کی باجماع علماء دین قولا وفعلا سب سنتوں سے افضل ہے اور سارے مستحبات سے مؤکد تر۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ زیارت قبر شریف رسول اللہ ﷺ کی وہ سنت ہے جس پر سب کا اجماع ہے اور وہ فضیلت ہے جس میں سب کی رغبت ہے اور بعضے علماء مالکیہ اس کو واجب کہتے ہیں اور دوسرے اس قول کی تاویل سنت واجبہ سے کرتے ہیں اور گویا مراد سنن واجبہ سے سنن مؤکدہ ہیں اور آگے جا کر بیان کرتے ہیں کہ قاضی ابو الطیب کہتے ہیں کہ بعد حج وعمرہ کے مستحب ہے کہ حضرت ﷺ کی زیارت کا قصد کرے۔ اور حسن بن زیاد امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں: احسن بات حاجی کے واسطے یہ ہے کہ پہلے مکہ میں آوے مناسک حج بجالاوے بعدہٗ اس کے مدینہ میں آوے اور زیارت سے مشرف ہو اور حضرت ﷺ کی زیارت حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سارے مندوبات سے افضل ہے اور سارے مستحبات سے مؤکد کہ قریب بدرجہ واجبات ہے۔ دوسری جگہ مولانا عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں ہر سنت صحیحہ متفق علیہا جو زیارت قبور کے باب میں وارد ہوئی ہے زیارت قبر شریف سید المرسلین ﷺ کے باب ثبوت استحباب میں کافی ہے کیونکہ قبر سید المرسلین ﷺ سید القبور ہے اس کی زیارت بطریق اولی مستحب ہوگی اور اجماع امت فضیلت زیارت قبر شریف اور اس کے استحباب پر مذکور ہو چکا ہے۔ پھر دوسری جگہ مولانا عبدالحق اس میں فرماتے ہیں پس جب دوسروں کے قبور کی زیارت مستحب ہوئی تو زیارت قبر مبارک سلطان زمین وزمان سرور کون ومکان ﷺ ما تعاقب الملوان ودار القمران بطریق اولی مندوب ومستحب ہوگی۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ ص ۲۱۸ میں ہے کہ: ”پس ہرگاہ زیارت قبر شریف کا استحباب ثابت ہوا مشروعیت واستحباب سفر بھی اس کو لازم ہے۔“

راقم صاحب! آپ تو عادت کے موافق جذب القلوب کی عبارت غیر مفید آپ کے دعویٰ کو حذف کر کے تھوڑی عبارت نقل کر کے خم ٹھوک میدان مجادلہ میں کود پڑے مگر دیکھو یہ تمام عبارتیں بھی اسی جذب القلوب کی ہیں اور علانیہ یہ عبارت پکار رہی ہے کہ ہمارے علماء احناف کے نزدیک اور حنفی مذہب میں خاص کر جناب امام اعظمؒ کی روایت سے زیارت قبر شریف کی مستحب ہے اور بعض مالکیہ کے نزدیک واجب یا سنت مؤکدہ ہے اب تو انصاف سے فرماویں راقم صاحب! کہ آنکھیں کس کو کھولنی چاہئیں؟ فتنبہ!

قَوْلُہٗ: تیرہویں دلیل

تعلیق الممجد علی الموطا لمحمد میں ہے: "اختلف فیہ بعد ما اتفقوا علی ان زیارۃ قبرہ ﷺ من اعظم القربات وافضل المشروعات ومن نازع فی مشروعیۃ فقد ضل واضل فقیل انہ سنۃ ذکرہ بعض المالکیۃ وقیل انہ واجب وقیل قریب من الواجب وھو فی حکم الواجب مستدلا بحدیث من حج الخ اخرجہ ابن عدی ودار قطنی وغیرھما"

اَقُوْلُ: راقم صاحب اس میں آپ کا کیا فائدہ ہے سوائے خوگیرا اپنے بھرنے کے؟ اس میں آپ نے افضل المشروعات واعظم القربات نقل فرمایا علی العموم تو اس سے استحباب زیارت قبر شریف کا ثابت ہوا تو اس سے ہمارا دعویٰ ثابت ہوا تمہارا کیا فائدہ ہوا؟ وہ بیان فرمائیے، جواب دندان شکن بفضلہٖ تعالیٰ دیا جاویگا اور جملہ "ومن نازع فی مشروعیتہ فقد ضل واضل" سے جواز ثابت ہوتا ہے تو ہم اس سے زیادہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم جواز اور اباحت سے بڑھ کر استحباب کے قائل ہیں۔

باقی رہا "قیل" نے کہا سنت ہے، وہ مالکیہ ہیں۔ اور قیل نے واجب کہا ہے، وہ بھی بعض مالکیہ مثل ابو عمران الفاسی ہیں۔ اور قیل نے کہا قریب الواجب وہ قیل ہی ہیں۔ تین قیل آپ نے بیان فرمائے ان تین قیل میں سے راقم صاحب کسی قیل پر ایمان لائے یا نہیں وہ نہ بیان فرمایا اور علی کل حال یہ صیغہ تمریض بنا برا صطلاح اصولیین ہے اس کا کیا اعتبار ہے؟ کیونکہ یہ قول مرجوح اور ضعیف ہے لہٰذا ترجیح اس کی بلا مرجح باوجود اس کے مذہب حنفی کی جو بات آپ کی سابق تحریر سے اور میرے منقولات سے ثابت ہو چکی ہے وہ استحباب ہے اور ماسوا اس کے جتنے اقوال ہیں وہ غیر مذہب والوں کے اور اقوال علماء احناف کے خلاف ہیں لہٰذا ہمارے واسطے وہ اقوال حجت نہیں ہیں اگر حنفی مذہب کے خلاف آپ عمل فرماویں یا عمل کراویں تو اس کی ذمہ داری آپ کو ہے۔

ما را چہ ازیں غرض کہ گاؤ آمد و خر رفت

"وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"

پس راقم صاحب کی عبارت سے بھی ہمارا دعویٰ استحباب کا ثابت ہوا، فھو المراد! اگر اس سے زیادہ تفصیل کی خواہش ہو تو اس کا جواب الجواب لکھنا اس طرف سے برابر جواب مسکت دیا جائے گا کہ جس سے کوئی آپ کا شک باقی نہ رہے گا۔ "فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا، وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ"

قَوْلُہٗ: چونکہ یہ مقام تفصیل کا نہیں لہٰذا یہ چند ادلہ بطور مشتے نمونہ از خروار لکھے گئے ورنہ ادلہ وجوب کے بفضلہٖ تعالیٰ بہت ہیں یہ چند اقوال بڑے بڑے علماء کے نقل کئے گئے اور دکھایا گیا کہ ان علماء کے نزدیک زیارت یا تو عین واجب ہے یا قریب واجب جو حکم میں واجب کے ہے بہرحال ہمارا مدعا ثابت ہے۔ اب سنئے وہ اقوال کہ جن سے سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اَقُوْلُ: راقم صاحب جب ہمارے اس رسالے کو ملاحظہ فرمائیں گے تو یہ چند ادلہ کہنے کو فراموش ہو کے ساکت ہو بیٹھو گے۔ وہ تو جانتے نہیں اور فوقیت مارتے ہیں کہ یہ چند ادلہ بطور مشتے از خروار لکھے گئے اس میں کونسی دلیل موافق مذہب حنفی کے ہے اور جمہور علماء اور جم غفیر علماء احناف رحمہم اللہ جس طرف ذہاب کر گئے ہوں وہ لکھے ہوں تو

برائے قسم ایک بھی ثابت کر جتلائے تھے فوقیت عوام کو دھوکا دینے کا جو کوئی مارے تو اس کو ہم کیا کہیں سوائے بے حیائی اور شوخ چشمی فماذا بعد الحق الا الضلال کے اور کیا جواب ہوگا؟ علاوہ اس کے جتنی عبارت کج مج حذف وتحریف وتبدیل کر کے کشکش نقل فرمائی ہے تمام اقوال مذہب مالکی اور شافعی اور اہل ظواہر کے ہیں وہ بھی مالکی مذہب کے دو تین اور شافعی مذہب کے دو تین اپنے اپنے مذہب کے امام اور مجتہد کے مخالفت کے اقوال مردودہ تاویل کردہ شدہ کہ جو سراسر مخالف مذہب حنفی کے ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب حنفی والوں کو خلاف مذہب حنفی کے عمل کرنا اور کرانا حرام ومردود ہے۔ جس کو راقم صاحب بڑے بڑے علماء فرماتے ہیں زیارت کے واجب کہنے والوں کو ان میں سے ایک کو حنفی المذہب صحیح طور سے ثابت کر دیں تو دس روپے ہم انعام دیویں گے۔ اور راقم صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''بہرحال ہمارا مدعا ثابت ہے'' بے شک اگر راقم صاحب مالکی مذہب کے ابوعمران الفاسی اور عبدالحق صقلی مالکی اور شافعی المذہب کے علماء اور اہل ظواہر کے مقلد ہوں یا ان کی جماعت سے ہوں، حنفی المذہب نہ ہوں تو برابر دعویٰ وجوب اور سنت مؤکدہ ہونے کا ان کے مذہب کے موافق ثابت ہوا، ورنہ یہ بکنا فضول ہے۔

قَوْلُہٗ: علامہ ابن حجر مکی نے خاص اسی مسئلہ میں دو رسالے لکھے ہیں کہ زیارت سنت مؤکدہ ہے۔

أَقُوْلُ: اگر یہ لکھا ہے تو خلاف جمہور ہے اور خرق لاجماع المسلمین ہے چنانچہ اوپر تصریح گذر چکی ہے فلایعبأ بہ! دیگر علامہ ابن حجر مکی شافعی المذہب ہے لہٰذا جو ان کے مقلد ہوں ان کو یہ حجت ہے ہمارے حنفیہ کے واسطے قول علامہ ابن حجر مکی کا حجت نہیں ہے۔ ''فلاسبیل للمقلد الاتقلید مجتھدہ'' فتنبہ!

قَوْلُہٗ: دوسری دلیل: دوسری جذب القلوب میں ہے کہ جن مالکیوں نے وجوب کا قول لیا ہے اس سے سنت مؤکدہ مراد ہے۔

أَقُوْلُ: آفرین راقم صاحب خود منہ سے اقرار کرتے ہیں کہ سنت مؤکدہ کہنے والے مالکی مذہب والے ہیں اور دلیل پکڑتے ہیں حنفی والوں کے مقابل میں جناب راقم صاحب ذرا انصاف کو گوشۂ دل میں جگہ دے کے غور فرمایئے کہ مستحب کہنے والا دعویٰ کرتا ہے کہ ہمارے حنفی مذہب میں جمہور کے نزدیک بلکہ اجماع کے ساتھ زیارت مستحب ہے اور اس کے مقابل میں علی سبیل الرد مالکی مذہب سے سنت ثابت کر رہے ہو تو یہ دلیل مخالف مذہب حنفی کے مقلدین امام اعظمؒ کیونکر تسلیم کریں اور آپ کو یہ دلیل پکڑنا بھی کب جائز ہے چنانچہ اوپر کماحقہٗ تفصیل گذر چکی ہے۔ فتأمل!

قَوْلُہٗ: تیسری دلیل: شفا میں ہے کہ زیارت سنت ہے مسلمانوں کی سنتوں میں سے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

أَقُوْلُ: راقم صاحب خدا جانے کیا مذہب رکھتے ہیں معلوم نہیں ہوتا! کبھی مالکی مذہب والوں کی دلیل اور کبھی شافعی مذہب کی دلیل پکڑتے ہیں اور یہ تلفیق ہے اور تلفیق باتفاق علماء باطل ہے اتنا بھی راقم نہیں جانتے۔ اگر اسی طرح ہر کدام عمل کرے تو پھر کوئی بات کی قید اور حرمت وغیرہ باقی نہ رہے اور حدود شرع تمام موقوف ہو جاویں چنانچہ کسی لبیب نے کہا ہے۔

شافعی گفت کہ شطرنج مباح است مدام	کج مبازید کہ جز راست نفرمود کلام
بوحنیفہ بہ ازیں گفت در احوال شراب	کہ ز جوشیدہ بخور تا نہ بود بر تو حرام
حنبلی گفت چو در ورطۂ غم درمانی	امرد کے بنگ بخور سوئے احبا بخرام

گر کسی پیروی مفتی چارم مالک　　او ہم از بہر تو تجویز کند وطی غلام
بنگ ومی نوش کن وکون زن وخوش باز قمار　　کہ مسلمانی بریں چار امام است تمام

یہ کیا خبط ہوگیا ہے کہ رطب ویابس مثل حاطب اللیل کے جوقول دیکھا وہ نقل کرلیا۔ بارہا ہم عرض کر چکے کہ حنفی مذہب کے معتمدین و محققین کے اقوال سے اپنا دعویٰ ثابت کرو تسلیم کریں گے، ورنہ بکواس کرنا خلاف مذہب حنفی کے کیا فائدہ ہے؟ اچھا قسم کھا کے آپ فرماتے ہو کہ صاحب شفاء حنفی المذہب ہے اور یہ کتاب حنفی المذہب کی ہے؟ ہرگز آپ یہ نہ فرماؤ گے۔ پھر یہ صاحب شفاء مالکی مذہب ہے اس نے اپنے مذہب کے موافق سنت کہہ دیا ہو تو ہمارے مذہب حنفی کے خلاف کیا ہم بھی اس کو سنتِ مؤکدہ کہیں اور حنفی مذہب کی تقلید چھوڑ کے بلا ضرورت مالکی مذہب کی تقلید کریں یہ کیسی ہٹ دھرمی کی بات ہے نعوذ باللہ۔ علاوہ اس کے حضرت قاضی عیاضؒ صاحب تو مسلمانوں کی سنت کہتے ہیں اس سے سنت مؤکدہ کس طرح ثابت ہوئی۔ ہٰذَا الْجُزْءُ ااور اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

قَوْلُہٗ: چوتھی دلیل: اختصر مناسک الولی میں ہے کہ سنتِ مؤکدہ ہے۔

أَقُوْلُ: اس سے کیا فائدہ ہے آپ کے دعوے کے بھی خلاف اور ہمارے دعوے کے بھی خلاف ہے باوجودیکہ مصنف اس کے مذہب حنفی والے نہیں ہیں اور ذکر اس کا اوپر گذر چکا ہے۔ فتأمل!

قَوْلُہٗ: پانچویں دلیل: خود علامہ عبدالحق کے نزدیک زیارت سنتِ مؤکدہ ہے کمافی التہذیب الطالب۔

أَقُوْلُ: راقم صاحب کی چالاکی اور دھوکا دیکھو کہ لکھتے ہیں کہ ''خود علامہ عبدالحقؒ کے نزدیک الخ'' مگر کوئی بشر اس سے دھوکا نہ کھاوے کہ مراد عبدالحق سے علامہ مولانا عبدالحق دہلوی حنفی ہوں گے بلکہ عبدالحق صقلی دوسرے ہیں جو مالکی مذہب کے اوپر گذر چکے ہیں اور جب یہ عبدالحق مالکی سنت مؤکدہ کہنے والے غیر حنفی المذہب ہیں تو پھر مولانا عبدالحق دہلوی حنفیؒ جو اپنی تالیفات میں مثل جذب القلوب وغیرہ میں زیارت قبر شریف کو مستحب کرکے لکھتے ہیں اس کو چھوڑ کے غیر مذہب کے عالم کے قول کو دلیل پکڑنا کیسی بے انصافی اور تعصب ہے۔ فتأمل!

قَوْلُہٗ: (افضل ہونے کو واجب ہونے میں کوئی دخل نہیں) جواب جاننا چاہئے اصول فقہ میں یہ مصرح ہے کہ مامور بہ میں صفت حسن ضرور ہے۔ الخ!

أَقُوْلُ: راقم صاحب ایک نقل بحسب حال مجھ کو آپ کے جواب لکھنے پر یاد آئی ہے کہ ''سوال از آسماں جواب از ریسماں'' مولوی غلام محمد صاحب کلام کر رہے ہیں کہ افضل ہونے کو واجب ہونا ضروری نہیں مثل تحیۃ الوضو بعد وضو کے ادا کرنا افضل ہے باوجودیکہ یہ واجب نہیں ہے اسی طرح درمیان وضو کے اور بعد وضو کے بعض اذکار کا پڑھنا افضل ہے ولیکن وہ پڑھنا واجب نہیں ہے، اسی طرح غسل جمعہ اور غسل کافر غیر جنبی کا بوقت اسلام لانے کے افضل ہے مگر واجب نہیں تو پھر راقم صاحب! ایسی کوئی مثالیں فرماتے اور تقریر صحیح سے کوئی دلیل قوی متفق علیہ قائم کرکے جواب دیا ہوتا کہ جو فعل افضل ہو وہ واجب ہے تو جواب آپ کا مسلم تھا اور اسی طرح ہر حسن لعینہٖ بھی واجب نہیں ہے اور ہر حسن لغیرہٖ بھی واجب نہیں ہے علاوہ اس کے ہر خبر کہ صحیح ہو یا حسن یا ضعیف ہو، مفید ظن ہو یہ بھی غیر مسلم ہے، اگر ثابت ہوسکے تو بیان کرو، جواب باصواب دیا جائیگا اور جن حدیثوں سے زیارت ثابت ہے وہ حدیثیں بالاتفاق نہ صحیح ہیں اور نہ بالاتفاق حسن لعینہٖ ہیں بلکہ بعض محدثین نے ضعیف فرمایا ہے اور بعض نے موضوع اور بعض نے حسن لغیرہٖ اور حسن لغیرہٖ مفید وجوب نہیں ہے اور آپ کی تحریر سابقہ سے واضح ہے کہ امام اعظمؒ کے

نزدیک زیارت مستحبات سے اور خلاف اپنے مجتہد آپ کو عمل کرنا اور کرانا جائز نہیں ہے چونکہ مقلد کو اپنے مجتہد کی تقلید کے سوائے چارہ نہیں ہے۔

قَوْلُہ: (حنفی مذہب میں زیارت مستحب ہے اور اس پر اجماع ہے سب علماء کا)

الجواب مانع کیسے قبول کریگا دعویٰ اجماع کا ٹھیک ہے اس نے تو......الخ

اَقُوْلُ: راقم صاحب! آپ کی نظر کتب فقہ حنفی متداولہ پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالکل پڑی نہیں ہے ورنہ ایسے خرافات و ہزایانات باتیں نہ فرماتے الو ہم آپ کو بتلائے دیتے ہیں دیکھو شامی مطبوعہ مصر کی ج ثانی ص ۲۷۸ میں ہے وزیارۃ قبرہ مندوبۃ یہ عبارت درمختار کی ہے اس کا حاشیہ شامی میں ہے:

قَوْلُہ: مندوبۃ ای باجماع المسلمین کما فی اللباب۔الی آخرہ!

لیجئے راقم صاحب! اب کیا فرماؤ گے آپ نے خوگیر بھری ہے شافعی اور مالکی مذہب والوں کے اقوالوں سے آپ نے ایک دلیل بھی وجوب زیارت پر حنفی مذہب کی کتب فقہ معتبرہ متداولہ سے نقل نہیں فرمائی ہے مگر جیسے ہم آپ کو دلیل ہماری کتب حنفیہ سے ثابت کر بتلاتے ہیں اس طرح آپ ایک حنفی مذہب کی کتاب سے یا کسی معتمد عالم حنفی سے واجب ہونا یا سنتِ مؤکدہ ہونا زیارت کا ثابت کردو تو ہم آپ کی علمیت کے قائل ہوں ورنہ ایسی تلفیق سے کیا فائدہ ہے؟ کیونکہ تلفیق ہمارے مذہب حنفی میں باطل ہے اور یہ مسئلہ مسلمہ متفق علیہا ہے اگر آپ کے پاس کوئی دلیل تلفیق کے جواز پر ہو تو پیش کرو جواب دیا جاویگا اور یہ دروغ گوئی بے فروغ ہے کہ حنفی علماء کے قول برابر ہم نقل کرتے چلے آتے ہیں کہ زیارت واجب ہے۔لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

اوپر تصریح کرتے چلے آئے ہیں کہ جتنے قول وجوب کے بیان کئے سب قول بعض مالکی اور بعض شافعی مذہب کے علماء کے ہیں یہ بھی نہیں کہ اس مذہب کے امام مجتہد کے قول نقل کئے ہوں یا اس مذہب کے جمہور علماء کے اقوال ہوں اور ظاہر دباہر ہے کہ بعض تو بعض ہی ہیں کل یا اکثر نہیں ہو سکتے، اتنا بھی راقم صاحب کو خیال نہ رہا کہ میں خود جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول مستحب ہونے کو نقل کر چکا ہوں پھر میں کیا لکھتا ہوں۔افسوس اس تعصب پر۔

قَوْلُہ: دوسرے یہ کہ علامہ سندھی اور ملا علی قاری اور علامہ شرنبلالی و شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ آپ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ حنفی مذہب تھے اور نہ مذہب کی انہیں کچھ خبر تھی اگر آپ جیسے حنفی ہوتے یا حنفی مذہب کے مسئلہ سے خبردار ہوتے تو کیوں وجوب کا قول کرتے بلکہ آپکی طرح مستحب ہونا کہتے۔

اَقُوْلُ: راقم صاحب! آپ کو کیا ہو گیا آپ جو دل میں آتا ہے وہ تعصب سے بیان فرماتے ہو اور اعتراض اور طعن و تشنیع غیر پر کرتے ہو۔شاباش! چوری اور سرزوری۔جن علماء کے نام آپ نے تحریر فرمائے ہیں بے شک وہ حنفی مذہب تھے اور حنفی مذہب کے مسئلے بیان فرماتے تھے مگر اتنی بات کہ وہ......علماء حنفی نہ تھے کہ جن حنفی مذہب والوں کا نمک کھاویں انہیں کا مذہب بگاڑیں اور ان کے مذہب کے مسئلوں کو ان پر خلط ملط کر دینا اور غیر مذہب کے مسئلوں کو ان پر پیش کرنا حنفی مذہب کے مسئلے کہہ کر ان کا کام نہ تھا اور تلفیق کروا کے عوام کو ورطۂ حیرانی میں ڈالنا ان کا کام نہ تھا اور مولوی غلام محمد صاحب کا بھی ایسا کام نہیں ہے اس کا انصاف اپنے دل سے چاہو۔بس ہے راقم صاحب! علماء مذکورین و موصوفین کو اتہام دیتے ہیں کہ یہ وجوب زیارت کے قائل ہیں، خود تمہارے اقوال منقولہ دال ہیں کہ آپ کو زیارت پر کوئی دلیل حنفی مذہب کے علماء سے دستیاب نہ ہوئی تو آخر کو اپنی خوگیر تمام اقوال مالکیہ اور اقوال شافعیہ سے بھر دی اگر ان

علماء سے وجوب ثابت ہوتا تو جس طرح مالکی اور شافعی مذہب کے بعض علماء سے عبارت نقل کر چکے ہو ویسی ان سے بھی وجوب کی صریح عبارت نقل کرتے مگر ان سے استحباب ثابت ہے، چنانچہ ان میں سے مستحب ہونا زیارت ان کے اقوال سے اوپر بیان کیا گیا ہے دوبارہ ہم اعادہ نہیں کرتے اور آپ نے جن علماء سے وجوب بیان کیا ہے ان کی عبارتوں کو بگاڑ کے کہیں حذف، کہیں تحریف کر کے لکھے ہیں چنانچہ آپ کے ہر قول کے تحت میں تصریح وتشریح اس کی کر دی۔ ہے دیکھو اگر فرق ہو تو بیان فرمایئے جواب دیا جائے گا۔ ایسے ملمع سے کام نہیں نکلتا ہے بلکہ ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ وجوب زیارت آپ نے کسی مذہب حنفی کے فقیہ سے ثابت نہیں کر دکھایا یہ سب آپ کی لفاظی ہے کہ آپ تحریر فرماتے ہو کہ میں نے حنفی مذہب کی کتابوں سے وجوب ثابت کر دیا۔ نعوذ باللہ وعید لعنۃ اللہ علی الکاذبین سے عبرت پکڑ کے کذب گو اپنی کذب سے باز رہیں تو خیر المرام ہے ورنہ الصدق ینجی والکذب یہلک انجام ہے۔

قَوْلُهٗ: تیسری زیارت مستحب ہونے پر اجماع جو آپ کہتے ہیں یہ عبارت شامی کی ہے، الخ!

أَقُوْلُ: راقم صاحب یہ کیا آپ کے قول میں تناقض اور تعارض ہے ابھی آپ بیان کر چکے کہ کسی نے اجماع تمہارے سوائے نقل نہیں کیا ہے اور اب آپ ہی اقرار کرتے ہو کہ شامی نے اجماع لکھا ہے۔ خیر باوجود اس کے ہم درگذر کرتے ہیں بمصداق الکاذب قد یصدق کے یہ قول آپ سے بعینہٖ راست گوئی ثابت کرتا ہے۔ اب آپ نے جب اجماع لکھنا شامی کا استحباب زیارت پر مان لیا تو دوسرا خدشہ آپ کا ہم دور کرتے ہیں ایک ادنیٰ تامل کے ساتھ آپ تسلیم فرمالیں گے وہ رافع خدشہ قول شامی کا لااصل لہ ہے۔ اسی طرح علامہ ملا علی قاری کا قول ای من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین ہے اسی طرح قول علامہ ابن حجر کا جواہر المنظم میں فمن خالف فی مشروعیۃ الزیارۃ فقد خرق الاجماع الی آخرہٖ اور قول صاحب عالمگیری کا قال مشائخنا انہا افضل المندوبات اسی طرح قول صاحب فتح القدیر کا زیارۃ قبر النبی ﷺ قال مشائخنا رحمہم اللہ من افضل المندوبات اسی طرح قول مولانا عبدالحق دہلویؒ کا جذب القلوب سے گذر چکا ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ہمارے حنفی مذہب کے علماء کا زیارت قبر شریف کے مستحب ہونے پر اجماع ہے اور بعض مخالفین مذہب والوں کے اقوال کا اعتبار نہیں ہے چنانچہ تصریح اس کی علامہ شامی اور ملا علی قاریؒ نے کر دی ہے۔ اب آپ ان سے تو بڑھ کر علمیت اور فہمیت وغیرہ میں نہیں ہو کہ آپ ان پر رد کرو گے اور آپ کے رد کو ان علماء مذکورین کے مقابل میں کوئی قبول کرے، یہ زعم بے فہم ہے خدا بچائے۔

قَوْلُهٗ: (عبارت سے آپ واجب ثابت کرتے ہیں اس سے مستحب ثابت ہوتا ہے) الجواب: آپ کے نزدیک شامی کی اس عبارت سے مستحب ثابت ہوتا ہوگا ورنہ موافق قاعدہ اصول فقہ اور نحو کے تو اس سے تو واجب ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ ان شاء اللہ ہم ثابت کر دکھلاتے ہیں۔

أَقُوْلُ: اس واجب سے مراد مستحب ہے اس کا ثبوت مع تمثیل اس کے ہم بیان کر چکے ہیں دیکھ لو اور باوجود اس کے آپ کے کہنے کے موافق ہم بھی کہہ دیتے ہیں کہ جب آپ ثابت کر دکھاؤ گے تو ہم بھی تم کو استحباب ثابت کر دکھائیں گے۔ ان شاء اللہ!

قَوْلُهٗ: (اس لئے کہ اس میں لفظ مندوبۃ موجود ہے) أقول: اس سے کیا ہوتا ہے یہ تو ہمارے ہی مفید مدعا ہے۔ الخ!

أَقُولُ: واہ راقم صاحب! جناب مولوی غلام محمد صاحب لفظ مندوب استحباب زیارت کے واسطے نقل فرماتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں اس سے کیا ہوتا ہے۔ استحباب زیارت ثابت ہوتا ہے۔ حنفی مذہب میں جو حنفی مذہب اس بارے میں ہے وہی ہوتا ہے جو آپ واجب فرماتے ہو اس کا رد ہوتا ہے اور جو راقم صاحب آگے جا کے فرماتے ہیں کہ فقہاء اور اصولیین مندوب اور مستحب بول کے سنت مراد لیتے ہیں تو راقم صاحب کی نقل کی ہوئی عبارت شامی اور ہدایہ اور آفندی وغیرہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مندوب کہہ کر سنت مراد لی ہو بلکہ ان عبارتوں سے مستحب، کا اطلاق سنت پر صادق ہوتا ہے اور وہ بھی جن جگہ ایسا تساہل کسی فقیہ سے ہوتا ہے تو محشی اور شارح اس سے مراد بیان فرما دیتے ہیں چنانچہ مواضع مذکورہ سے واضح ہوتا ہے اور اس جگہ باب زیارت میں اگر تساہل ماتن سے ہوئی ہوتی تو ضرور محشی یا شارح تصریح یہاں فرما دیتے مگر جب تصریح کسی محشی یا شارح نے نہیں فرمائی باوجودیکہ تمام حنفی مذہب کی کتابوں میں الفاظ استحباب ومندوب بھی ہیں تو پھر ہم کو تاویل بلا وجہ اور بلا ضرورت کی کر کے دخل در معقولات دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جو عبارت توضیح کی راقم صاحب نے فرمائی ہے وہ غلط ہے۔ راقم صاحب لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ دیکھو توضیح مطبوع نولکشور ص ۴۳۵ ومطبوع کلکتہ ص ۳۰۹ باب فی الحکم میں اس طرح ہے: ”فان کان الفعل اولیٰ من الترک مع منعہ ای منع الترک فان کان ھذا ای کون الفعل اولیٰ من الترک مع منع الترک بدلیل قطعی فالفعل فرضی وبظنی واجب وبلا منعہ فان کان الفعل طریقة مسلوکة فی الدین فسنة والا فنفل ومندوب“

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ مندوب سنت کا قسیم اور مقابل ہے۔ اسی طرح نور الانوار وغیرہ کتب اصول میں احکام شرعیہ کی اقسام مستحب اور سنت اور واجب اور فرض اور حرام اور مکروہ تحریمی اور تنزیہی بیان فرمائی ہیں اور ہر ایک کی تعریف بھی ذکر فرمائی ہے۔ اس جگہ تاویل کی حاجت نہیں ہے باوجود مندوب یعنی سنت مؤکدہ لینا ہرگز درست نہیں ہے اور غلط حوالہ دے کر فریب دینا دیانت داری سے بعید ہے، شاید الہام سے خطاب دیئے شمس العلماء کو ایسا ہی مناسب ہوگا اور راقم صاحب کا یہ فرمانا کہ دوسرے اقوال علماء کے جنہوں نے سنت مؤکدہ لکھا ہے ان کے قول پہلے گذر گئے اس کا جواب یہ ہے کہ سوائے مالکی مذہب والے اور شافعی مذہب والے کے کسی حنفی مذہب والے عالم کا یا جناب امام اعظم صاحبؒ یا امام محمد یا امام ابویوسف کا قول نقل کیا ہو سنت مؤکدہ زیارت کے ہونے پر تو بتلایئے دوسرے مذہب کے اقوال کو ہم حنفی مذہب والے کیا کریں۔ فقط!

قَوْلُهٗ: ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اختلاف ہے تو سنت اور واجب ہونے میں ہے ایسا کوئی مسلمان نہیں کہ مستحب ہونے کو بھی منع کرے اسی وجہ صاحب درمختار والے نے بھی یہی جتایا کہ زیارت بعضوں کے نزدیک سنت اور بعضوں کے نزدیک واجب اور بعد لفظ مندوبة کے ”بل“ اسی واسطے لایا کہ سنت مؤکدہ کا قول مالکیوں نے کہا ہے اور بعضے حنفیوں نے تو اسے لفظ ”بل“ سے ترقی کر کے یہ جتا دیا کہ قول بالوجوب زائد قوی ہے۔ الخ!

أَقُولُ: راقم صاحب کی اس جگہ غلطی اور کذب صریح ثابت ہے۔ اولا فرمانا راقم صاحب کا کہ اگر اختلاف ہے تو سنت اور واجب ہونے میں الخ...... بلکہ کتب دینیات میں راقم صاحب کے فرمودہ کے خلاف ہے چنانچہ ہم نقل کرتے ہیں۔ علامہ سید احمد دحلانؒ اپنے رسالہ ”درر السنیہ“ میں تصریح فرماتے ہیں کہ علامہ ابن حجر نے ”جواہر المنظم“ میں تصریح کی ہے کہ نفسِ زیارت قبر نبی ﷺ کی مشروعیہ ہونے میں کچھ اختلاف نہیں ہے اور اس پر

اجماع اہل علم کا ہے فقط اختلاف ہے تو واجب اور مندوب ہونے میں، پس جس نے مخالفت مشروعیہ ہونے میں کی تو اس نے خرق اجماع کیا چنانچہ وہ عبارت درر سنیہ کی اوپر گذر چکی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اختلاف مندوب اور واجب ہونے میں ہے سنت اور واجب ہونے میں نہیں ہے۔ اور آگے جا کے سید احمد دحلان اپنی کتاب میں ابن حجر سے نقل فرماتے ہیں کہ جمہور قائلین ساتھ ندب زیارت کے ہے اور واجب کہنے والوں کو جواب اس طرح پر دیتے ہیں کہ جفا حدیث میں امور نسبیہ سے ہے کبھی ترک مندوب پر بھی اطلاق جفا کا ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ترک کرنا بر اور صلہ کا ہے۔ اور بھی اطلاق جفا کا غلظ طبع اور بُعد عن الشیء پر ہوتا ہے چنانچہ ذکر اس کا بھی اوپر گذر چکا ہے وہاں دیکھ لو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف درمیان سنت اور واجب میں نہیں ہے بلکہ درمیان مندوب اور وجوب میں ہے اور یہ فرمانا راقم صاحب کا کہ "صاحب درمختار نے بھی یہی جتایا کہ زیارت بعضوں کے نزدیک سنت اور بعضوں کے نزدیک واجب" یہ فقرۂ راقم بھی غلط اور کذب صریح ہے کیونکہ یہ بات صاحب درمختار نے نہ کہی ہے اور نہ جتائی ہے بلکہ یہ اختراع اور تہمت راقم صاحب کی ہے چنانچہ ہم عبارت درمختار اس جگہ کی نقل کر کے ترجمہ بھی کر دیتے ہیں جس سے کذب راقم صاحب کا ناظرین پر ہویدا ہو جائے گا اور وہ عبارت درمختار کی یہ ہے: "وزيارة قبره مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة"

یعنی زیارت قبر شریف کی مستحب ہے اور بعضوں نے کہا کہ واجب ہے جس کو وسعت اور طاقت ہو۔

پس راقم صاحب کی لکھی ہوئی عبارت کہاں ہے بلکہ خلاف اس کا ہے۔ علاوہ اس کے راقم کا لکھنا کہ "صاحب درمختار نے لفظ "بل" سے ترقی کر کے یہ جتا دیا کہ قول بالوجوب زائد قوی ہے" یہ قول بھی مثل اول کے راقم کا دروغ بے فروغ ہے چونکہ صاحب درمختار تصریح فرماتے ہیں کہ زیارت قبر شریف کی مستحب ہے یعنی نفل۔

"ويبدأ بالحج لو فرضا ويخير لو نفلا"

یعنی اگر حج فرض ہو تو پہلے حج کرے بعدہ قبر شریف کی زیارت کرے اور اگر نفل ہو تو اختیار ہے پہلے حج کرے یا زیارت قبر شریف کی کرے۔

اور صاحب شامی اس کی تصریح فرماتے ہیں وہ یہ ہے: "وقد روى الحسن عن أبي حنيفة أنه إذا كان الحج فرضا فالأحسن للحاج أن يبدأ بالحج ثم يثني بالزيارة، وإن بدأ بالزيارة جاز۔ وهو ظاهر إذ يجوز تقديم النفل على الفرض إذا لم يخش الفوت بالإجماع۔ اه"

یعنی تحقیق کہ حسن بن زیاد جناب ابی حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اور اگر اس حالت میں زیارت قبر شریف کی پہلے کرے تو بھی جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کیونکہ جائز ہے تقدیم نفل کی فرض پر بالاجماع جب فوت ہونے فرض کا خوف نہ ہو۔

یہ عبارت علانیہ ندا کر رہی ہے کہ زیارت قبر شریف کی نفل ہے واجب نہیں۔ اب راقم صاحب کا دعویٰ کرنا کہ لفظ "بل" سے ترقی کر کے وجوب کو تقویت دی غلط ہوا بلکہ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ اس جگہ لفظ "بل" قیل کے ساتھ واسطے تنزل کے ہو کر تضعیف ثابت کر رہا ہے۔ وجوب زیارت کی۔ راقم صاحب کس درجہ کا آپ تعصب فرماتے ہیں کہ حد سے زائد اللهم عافنا من هذا التعصب پس یہاں سے تمام تقریر و تحریر اصول نحو کی باطل و عاطل اور معنی خراب ہو گئی۔

اند کی پیش تو گفتم غم دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

جولاف زنی اوپر کر چکے تھے کہ خوب طرح مندوب سے وجوب کر دکھلائیں گے وہ جگہ یہ ہے کہ ادنیٰ تحریر سے مات ہوگئی اور دم مارنے کی جگہ نہیں رہی، باوجود اس کے یہاں سے ناظرین منصفین کے واسطے ملخص اور خلاصہ اس مضمون کا ہم یہاں بیان کر دیتے ہیں جو ہماری طرف سے راقم کے جواب اور رد میں اوپر لکھا گیا اس کو ایک جگہ جمع کر کے تحفۂ ناظرین اور غیرت متعصبین واسطے آسانی مفہوم رسالۂ ہذا کے گردانا گیا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ زیارت قبر شریف آنحضرت ﷺ میں تین اقوال ہیں: مطلقاً بلا قید حنفی اور شافعی وغیرہم علماء کے ایک استحباب دوسرا سنتِ مؤکدہ، تیسرا وجوب اور جو لوگ قریب الوجوب لکھتے ہیں تو مرجع اس کا یا تو سنتِ مؤکدہ کی طرف ہے یا استحباب کی طرف اور اس باب میں راجح اور لائق فتویٰ ان میں سے استحباب پر ہی ہے بچند وجوہ۔ اول یہ کہ یہ مذہب جمہور حنفیہ کا ہے اور اس امر کا ثبوت کئی طرح پر ہے۔ پہلے یہ کہ فتاویٰ عالمگیری و فتح القدیر اور ارکان اربعہ وغیرہ کتب حنفیہ متداولہ میں اس قول کی نسبت لفظ "مشائخنا" کا لکھا ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ ان کتب معتبرہ کی عبارات منقول ہوں گی اور کتنی عبارات نقل ہو بھی چکی ہیں اور قاعدہ اصول کا ہے کہ جمع معرف بغیر لام فائدہ استغراق کا دیتا ہے توضیح میں مرقوم ہے: "والجمع المعرف بغیر اللام نحو عبیدی احرار عام ایضا لصحۃ الاستثناء"

دوم یہ کہ ردالمحتار میں اس قول کی نسبت لفظ "لاطلاق الاصحاب" موجود ہے اور الاصحاب جمع محلی ہے بالام اور وہ فائدہ استغراق کا دیتا ہے پس مراد اس سے سب مشائخ ہوں گے سوا ان بعض کے جن کا استثناء کتب فقہ سے ثابت ہے اور وہ فائدہ استغراق کا دیتا ہے۔ توضیح میں لکھا ہے: "ومنھا الجمع المحلی باللام اذا لم یکن معھودا" اسی طرح نورالانوار اور حسامی میں ہے دیکھ لو۔

سوم جمہور مشائخ حنفیہ لکھتے ہیں کہ اگر حج نفل ہو تو اختیار ہے چاہے ابتدا ساتھ حج کے کرے اور چاہے ابتدا ساتھ زیارت قبر شریف کے کرے اور یہ بات متفرع ہے استحباب پر جیسا کہ گذر چکا ہے کیونکہ اگر زیارت واجب یا سنت مؤکدہ ہوتی تو تسویہ و تخییر کے کیا معنی تھے بلکہ چاہئے کہ ابتدا بالزیارت احسن ہوتی پس یہ مسئلہ صریح دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ زیارت قبر نبوی کی نزدیک جمہور حنفیہ کے مستحب ہے علی الخصوص اصحاب فتاویٰ عالمگیری اور صاحب فتح القدیر اور صاحب ارکان اربعہ اور صاحب درمختار بعد قول استحباب کے قول وجوب یا قریب الوجوب کو نقل کر کے یہ مسئلہ کہ متفرع ہے استحباب پر بیان کرتے ہیں اور نیز فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کہ جب مسجد نبویہ ﷺ میں داخل ہو تو پہلے تحیۃ المسجد پڑھے پھر زیارت کرے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زیارت واجب نہیں ہے اگر واجب ہوتی تو تحیۃ المسجد جو سنت ہے اس کی تقدیم نہ لکھتے بلکہ زیارت کو مقدم کرتے۔ اور جذب القلوب میں ہے کہ مالکی مذہب والے زیارت کو واجب کہتے ہیں اس لئے وہ پیشتر زیارت کرنے کو کہتے ہیں اور بعد از اں تحیۃ المسجد کو۔ پس ثابت ہوا کہ زیارت قبر شریف مستحب ہے اور دو عبارتوں کے اجتماع میں مؤکدہ اور اہم مقدم ہوتا ہے جیسا کہ درمختار باب العیدین میں ہے۔ لیکن تعجب ہے راقم صاحب سے کہ وہ عید اور جنازہ کی جزئی معارضہ میں لاتے ہیں جس میں سنت سے مؤخر کسی کو نہیں کیا ہے اور اس جزئی میں سنت سے زیارت کو مؤخر کیا ہے اتنی بھی سمجھ

نہیں اور دعویٰ شمس العلماء الہامی کا ہے اور لیجئے اگر کسی شخص کے ذمہ نماز روزہ حج باقی ہو تو اس کی وصیت کرنا واجب ہے اور وارث یا وصی اس کے تہائی ترکہ سے ادا کرے ہر ایک نماز کا فدیہ صدقہ فطر کے موافق گنتی کر کے دیوے اور وتر کی نماز چونکہ حنفی مذہب میں واجب ہے تو ہر ایک روز کی چھ نمازیں گنی جاویں جیسا کہ درمختار وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔ علی ہذا القیاس ہر ایک روزے کا فدیہ بھی صدقہ فطر کے موافق ہے اور حج کے لئے ایک شخص کو اس کے وطن سے زادِ راہ دے کے بھیجے اور وہ شخص اس کی طرف سے حج کرے پس اگر زیارت قبر شریف کی واجب ہوتی اس کے لئے بھی وصیت واجب ہوتی جیسے وتر کے لئے واجب ہے اور مکہ شریف جانے اور آنے کے خرچ کے ساتھ مدینہ طیبہ کا خرچ بھی تہائی میں سے نکالنا واجب ہوتا ہے اور جب کسی فقیہ نے زیارت کی وصیت کو واجب نہ کہا اور نہ حج بدل میں مدینہ طیبہ کا خرچ گنا تو ظاہر ہو گیا کہ زیارت قبر شریف واجب نہیں ہے۔ اب میاں ظہور الحسین پر ضرور ہے کہ ایک بھی فقہ کی کتاب سے زیارت کی وصیت کا وجوب لکھیں یا حج بدل کے خرچ میں مدینہ منورہ کے خرچ کا شامل ہونا بیان کریں اور صاحب ردالمحتار نے جس مقام پر زیارت قبر آنحضرت ﷺ کا عورتوں کے لئے ذکر کیا ہے وہاں قول استحباب ہی کو اختیار کیا ہے اور قول وجوب اور سنتِ مؤکدہ کو غیر معتد بہ سمجھ کر اس سے تعرض نہ کیا۔ عبارت اس کی یہ ہے: ''هل تستحب زيارة قبره ﷺ للنساء الصحيح نعم بلا كراهة بشروطها على ما صرح به بعض العلماء أما على الأصح من مذهبنا وهو قول الكرخي وغيره من أن الرخصة في زيارة القبور ثابتة للرجال والنساء جميعا فلا إشكال وأما على غيره فكذلك نقول بالاستحباب لإطلاق الأصحاب، انتهى ا''

اور اسی طرح ''جذب القلوب الی زیارت المحبوب'' میں مرقوم ہے: ''صحیح آنست کہ زیارت آں سرور وصاحبیہ مستحب در جال ونساء را عموما''

دوم وجہ ترجیح سے یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے درصورت نفل ہونے حج کے تخییر اور تسویہ منقول ہے ردالمحتار میں لکھا ہے: ''قال في شرح اللباب وقد روى الحسن عن ابى حنيفة انه اذا كان فرضا فالاحسن ان يبدأ بالحج ثم يثنى بالزيارة وان بدأ بالزيارة جاز اذ يجوز تقديم النفل على الفرض اذا لم يخش الفوت بالاجماع''

اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تسویہ وتخییر متفرع استحباب پر ہے اور اسی طرح مولانا شیخ عبدالحق دہلویؒ نے جذب القلوب میں لکھا ہے کہ: ''زیارت آنحضرت ﷺ نزد ابی حنیفہؒ از افضل مندوبات واوکد مستحبات است قریب بدرجۂ واجبات''

اگر راقم اعتراض کرے کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ زیارت آنحضرت ﷺ امام صاحب کے نزدیک واجب ہے پس سنتِ مؤکدہ ہوئی تو جواب اس کا یہ ہے کہ قریب بواجب نص سنتِ مؤکدہ ہونے میں نہیں ہے بلکہ مقصود اس سے سخت تاکید کرنا ہے۔ پس امام صاحب کے نزدیک زیارت قبر شریف مستحب ہی ٹھہری اور ہر گاہ جس مسئلہ میں اختلاف صاحبین کا منقول ہوتا ہو تو امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے جیسا کہ درمختار میں لکھا ہے۔ بس جس مسئلہ میں اختلاف صاحبین کا منقول نہیں ہے اس میں بالاولیٰ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے۔

وجہ سوم قول استحباب کی دلیل قوی ہے کیونکہ دلیل اس کی حدیث صحیحہ میں جو زیارت مطلق قبور پر دلالت

کرتی ہیں اور دلیل وجوب حدیث جمانی وغیرہ جس کی موضوعیت کی طرف اکثر محدثین محققین گئے ہیں اور بعض تضعیف کی طرف اور فتویٰ اس قول پر چاہئے جو اقوالی ہو۔ از راہ دلیل کے در مختار میں مرقوم ہے: ''وصحح فی الحاوی القدسی قوة المدرک''

وجہ چہارم قول استحباب اوفق بالناس ہے بہ نسبت قول وجوب کے اور سنت مؤکدہ کے اور ارفق بالناس لائق فتویٰ کے ہوتا ہے۔

وجہ پنجم یہ کہ جماہیر شافعیہ و مالکیہ وحنبلیہ کا بھی یہی قول استحباب کا چاروں اماموں سے بالاتفاق ثابت ہے چنانچہ کتاب المدخل لابن الحاج کی ج اول ص ۲۱۲ میں ہے: ''وقد نقل ابن هبيرة في كتاب اتفاق الأئمة قال اتفق مالك والشافعي وأبو حنيفة وأحمد بن حنبل رحمهم الله تعالى على أن زيارة النبي ﷺ مستحبة''

اسی طرح جناب ملا علی قاری نے شرح شفاء قاضی عیاض کی جلد ثانی کے ص ۱۵۱ میں تصریح کی علماء کے اجماع کا مستحب ہونے پر اور وہ یہ ہے: ''وقد افرط ابن تيمية من الحنابلة حيث حرم السفر لزيارة النبي ﷺ كما افرط غيره حيث قال كون الزيارة قربة معلومة من الدين بالضرورة وجاحده محكوم عليه بالكفر ولعل الثاني اقرب للصواب لان تحريم ما اجمع العلماء فيه بالاستحباب يكون كفرا لانه فوق تحريم المباح المتفق عليه في هذا الباب''

اور اسی طرح علامہ سمہودی وفاء الوفاء کے ص ۵۳ میں لکھتے ہیں: ''وقالت الحنفية زيارته ﷺ من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات وكذلك نص عليه المالكية والحنابلة''

اور ابن جملہ نے کتاب الفوائد میں لکھا ہے: ''قال الرافعي في اواخر باب الحج ويستحب ان يشرب من ماء زمزم وان يزور بعده قبر النبي ﷺ وقال في الروضة استحبه الغزالي ايضا وقال البغوي في التهذيب فاذا حضر يلزمه ان يصلي ركعتين او يعتكف ساعة او يزور قبر النبي ﷺ وقال الشيخ محي الدين النووي في الاذكار اعلم انه ينبغي بكل من حج ان يتوجه الى زيارة قبر النبي ﷺ سواء كان ذلك طريقة او لا وقد صرح الشيخ موفق الدين استحباب زيارة قبر النبي ﷺ وصاحبيه صرح به في كتاب المغني والكافي وصرح به الخطاب في كتاب الهداية له فقال ويستحب المجاورة بمكة واذا فرغ من الحج استحب له زيارة قبر النبي ﷺ''

وجہ ششم یہ کہ کتب علماء میں استحباب پر اجماع منقول ہے۔ لو کرہ المتعصبون۔ دیکھو حاشیہ شامی میں ''مندوبة'' کے تحت میں مرقوم ہے باجماع المسلمین کمافی اللباب یعنی مستحب ہونا زیارت کا باجماع مسلمین ہے اور جذب القلوب میں لکھا ہے زیارت حضرت سید المرسلین ﷺ کی باجماع علماء دین قولا وفعلا از افضل سنن اور اوکد مستحبات است انتہی یعنی زیارت حضرت سید المرسلین ﷺ کی باجماع علماء دین کے افضل سنن اور اوکد مستحبات سے ہے اور سنن الہدیٰ میں لکھا ہے: ''اعلم ان زيارة النبي العربي القرشي المكي ﷺ سنة من سنن المسلمين يجمع عليه بين علماء الدين''

یعنی زیارت کرنا حضرت کی قبر شریف کا ایک طریقہ ہے طرق مسلمین سے کہ اجماع کیا گیا ہے اس پر علماء

دین کا اور اسی طرح شفاء قاضی عیاض میں ہے: ''زيارة قبره عليه السلام سنة من سنن المسلمين مجمع عليها و فضيلة مرغب فيها انتهى''

یعنی شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ زیارت کرنا قبر شریف علیہ السلام کی ایک طریقہ ہے طریقہ مسلمین سے کہ جس پر اجماع کیا گیا ہے اور فضیلت مرغبہ ہے اور طریقہ المسلمین معنی میں احبہ السلف میں ہے اور بھی معنی مستحب کے ہے اور نیز طریقہ المسلمین یہ سنت خلفاء راشدین کے مساوی نہ ہونا چاہئے پس جبکہ سنت راشدین سنت مؤکدہ ہوئی تو ضرور طریقہ المسلمین مستحب رہے گی۔ اور اسی طرح شرح شفا میں ملا علی قاری فرماتے ہیں: ''لان تحريم ما اجمع العلماء فيه الاستحباب يكون كفرا''

یعنی حرام کہنا اس چیز کو کہ جس کو استحباب کہنے پر علماء نے اجماع کیا ہے (کہ مراد اس سے زیارت قبر شریف ہے) کفر ہے۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ سنت کا اطلاق جو ان عبارتوں میں زیارت پر کیا گیا ہے وہ منافی استحباب نہیں ہے کیونکہ سنت کا اطلاق مستحب پر آتا ہے رد المختار میں باب العیدین میں مرقوم ہے: ''قال نوح آفندى و حاصله تجويز اطلاق اسم المستحب على السنة و عكسه، انتهى''

اگر راقم صاحب فرما دیں کہ جیسا اطلاق سنت کا مستحب پر آتا ہے ویسا ہی اطلاق مستحب پر بھی آیا ہے۔ پس جن عبارتوں سے لفظ استحباب معلوم ہوتا ہے اس کو سنت مؤکدہ پر کیوں نہ محمول کیا جاتا ہے؟ تو جواب راقم صاحب کا یہ ہے کہ قول بالسنۃ المؤکدہ صراحۃً کسی سے منقول نہیں ہے جیسا کہ ابھی اس کا حال منکشف ہوتا ہے بخلاف قول استحباب کے اور اگر راقم صاحب فرما دے کہ اجماع کیونکر ہو سکتا ہے استحباب پر حالانکہ بعض واجب بعض سنت مؤکدہ کہتے ہیں تو دفع اس کا اس طور پر ہے کہ سنت مؤکدہ کہنا صراحۃً کسی سے منقول نہیں ہے الا بعض ایک دو شافعی المذہب والوں سے اور وہ جم غفیر اہل مذاہب دوسروں سے مخالفت کرنے کی وجہ سے درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور کالمعدوم۔ ہاں بعض مالکیہ سے جو قول بالوجوب منقول ہے اس کی تاویل دوسرے مالکیہ نے ساتھ مؤکدہ کے کی ہے جیسا کہ ابن حجر مکی نے ''درر منظم'' میں لکھا ہے: ''وقال بعض المالكية واجبة وقال غيره منهم يعنى من السنن الواجبة انتهى''

اور قاضی عیاضؒ نے شفاء شریف میں وجوب سے مراد استحباب کی ترغیب کی ہے اور اسی طرح دو تین عبارتیں اور بھی ہیں کہ جو راقم صاحب نے اوپر تحریر کی ہیں اور قریب بواجب جن لوگوں نے لکھا ہے وہ بھی کچھ نص سنت مؤکدہ پر نہیں ہے بلکہ قریب بواجب کا حمل مستحب پر ہو سکتا ہے۔ اس پر کیا دلیل منع کی ہے وہ پیش کرے البتہ وجوب بعض مالکیہ یعنی ابوعمران الفاسی سے منقول ہے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اور لوگ جو وجوب کے طرف گئے ہیں وہ بتقلید ابوعمرانؒ کے گئے ہیں چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور میاں ظہور بھی انہی میں سے ہیں ورنہ وجوب کے قائل نہیں ہوتے لیکن یہ قول رافع اجماع کا نہیں ہو سکتا ہے اور اس پر چند ادلہ قائم ہیں۔ اول یہ کہ محتمل ہے کہ یہ قول ماؤل ہو جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے ابوعمر کے قول میں تاویل کی ہے۔ شفاء قاضی عیاضؒ میں مرقوم ہے: ''قال أبو عمران رحمه الله إنما كره مالك أن يقال طواف الزيارة و زرنا قبر النبي ﷺ لاستعمال الناس ذلك بينهم

بعضهم لبعض، فكره تسوية النبي ﷺ مع الناس بهذا اللفظ، وأحب أن يخص بأن يقال سلمنا على النبي ﷺ وأيضاً قال فإن الزيارة مباحة بين الناس، وواجب شد الرحال إلى قبره ﷺ، يريد بالوجوب هنا وجوب ندب وترغيب وتأكيد"

چنانچہ تصریح اس کی اوپر گذر چکی ہے اور جیسا کہ صاحب لآلی فاخرہ نے عمر نسفی کے قول میں تاویل کی ہے عبارت اس کی یہ ہے: "ويستحب الزيارة في كل اسبوع وما في رسالة عمر النسفي انه يجب الزيارة على المؤمنين في كل اسبوع فالمراد به الحق الثابت"

اور اسی طرح جس حدیث میں غسل الجمعۃ واجب آیا ہے تو علماء احناف وغیرہم نے تاویل اس کی ای ثابت وحق کی ہے نہ وجوب شرعی اور اصطلاحی۔ اسی طرح یہاں بھی چنانچہ اس کی تصریح بھی اوپر گذر چکی ہے۔
دلیل سوم خلاف ان لوگوں کا مانع ہے کہ جن کے خلاف یا وفاق کا اجماع میں اعتبار ہے اور جو لوگ مخالف استحباب زیارت قبر شریف کے ہیں ان کا ان میں سے یعنی معتبرین میں سے ہونا غیر مسلم بلکہ ممنوع ہے۔ اگر راقم فرماوے کہ جس استحباب پر اجماع منقول ہے مراد اس سے عام ہے جو مستحب سنت مؤکدہ و واجب کو شامل ہے تو اس کا جواب بدو وجہ ہے۔ اول یہ کہ یہ تاویل محض لغو ہے کیونکہ مقصود اس مقام پر بیان حکم شرعی ہے اور حکم شرعی استحباب خاص ہے یعنی مصطلح نہ عام۔
دوم قول بالوجوب میں جس کی دلیل ضعیف ومرجوح بلکہ مخدوش ہے اور علماء نے اس میں تاویل کی ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا اس کی تاویل نہ کرنا اور قول بالاستحباب میں جس کی دلیل قوی ہے اور کسی نے اس میں تاویل نہیں کی، تاویل کرنا محض ترجیح بلا مرجح ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اگر راقم صاحب کو خلجان ہو کہ ثبوت اجماع موقوف سند متصل پر تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں اجماع لباب وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ جن کتابوں سے اجماع نقل کیا گیا ہے وہ کتب معتبرہ ہیں اور اقوال ان کے چست ہیں اور مخالف کا قول واہی تباہی ست و بے قدر ہے۔ یہ ثبوت اجماع لباب وغیرہ کتب معتبرہ کا اگر تمہارے نزدیک یعنی راقم کے نزدیک معتبر ہے تو یہی کافی ہے اور اگر نہیں جو جتنے عبارات تائید وجوب اور سنت مؤکدہ کے لئے راقم کی طرف سے نقل کی گئی ان کو قائل استحباب بھی تسلیم نہیں کر سکتا کیونکر تسلیم کرے باوجودیکہ قائل بالوجوب وبالسنۃ المؤکدۃ مخالف ہر چہار اماموں کا ہے۔ چنانچہ اوپر تصریح اس کی کتاب المدخل سے گذر چکی ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ اب سنئے حال سنت مؤکدہ ہونے کا قطع نظر اس کے کہ کسی سے منقول نہیں ہے فی نفسہ محض بے اصل اور بلا دلیل ہے کیونکہ اکثر فقہاء کے نزدیک سنت مؤکدہ میں مواظبت ہونا یہ شرط ہے اس کا فقدان محل نزاع میں بدیہی ہے اور موافق بعض کتب کے مواظبت خلفاء راشدین کا مفید سنت مؤکدہ ہونا خلاف تحقیق ہے۔ بدو وجہ اول یہ کہ اگر فرض کیجئے کہ ایک فعل ایسا ہے کہ اس پر آنحضرت ﷺ نے مواظبت نہیں کی ہے لیکن اس کی رغبت دلائی ہے پس وہ فعل لامحال مستحب ہوگا اور بعد آنحضرت ﷺ کے خلفائے راشدین نے اس مستحب پر بمقتضائے حدیث احب الاعمال الى الله ادومها وان قل مواظبت کی پس اگر خلفائے راشدین کی مواظبت سے سنت مؤکدہ ہو جاوے تو ہم پوچھتے ہیں کہ آیا استحباب باقی رہا یا منسوخ ہو جائیگا بر تقدیر اول اجتماع متنافیین لازم آتا ہے اور بر تقدیر ثانی لازم آئے گا نسخ اور حدوث دلیل شرعی بعد آنحضرت ﷺ کے اور یہ دونوں غیر

متصور ہیں توضیح میں لکھا ہے: "وأما الناسخ فهو إما الكتاب أو السنة لا القياس على ما يأتي ولا الإجماع"

اور تلویح میں مذکور ہے: "والجمهور على انه لا ينسخ ولا ينسخ به لانه لا يكون الا من دليل شرعي ولا يتصور حدوثه بعد النبي عليه الصلوٰة والسلام"

اگر راقم شبہ کرے کہ صورت مفروضہ ناسخ فعل خلفائے راشدین نہیں ہے بلکہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین جو مؤکد ہونے سنت خلفاء کی دلیل ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس بنا پر لازم آتا ہے کہ اجماع کا ناسخ ہونا بھی درست ہے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت ناسخ اجماع نہ ہوگا بلکہ وہ آیات واحادیث جو موجب اجماع کی دلیل ہے کہ قیاس کا ناسخ ہونا بھی درست ہو جاوے۔ دوم یہ کہ غیر نبی کا فعل یا قول یا تقریر دلیل مستقل واسطے حکم شرعی کے نہیں ہو سکتی ہے بلکہ محتاج اس امر کی ہے کہ صحابہ عموماً اور خلفاء خصوصاً مسائل میں باہم مناظرہ کرتے تھے اور ہر واقعہ میں تلاش دلیل شرعی کرتے تھے اور ایک دوسرے کے قول کو رد کرتے تھے اور اگر اس کی سند ظاہر یا مخفی کتاب وسنت سے نہیں پاتے تھے تو اس کو بدعت میں داخل کرتے تھے پس اگر قول وفعل وتقریر خلفاء یا اہل بیت یا دیگر صحابہ دلیل شرعی مستقل ہوتی تو امر مذکور کیوں وقوع میں آتا۔ علاوہ اس کے حدیث من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد بخاری مسلم میں موجود ہے۔ حواشی مشکوٰۃ وغیرہ میں لکھا ہے: "والمعنى ان من احدث فى الاسلام رأيا لم يكن فيه من الكتاب والسنة سند ظاهر او خفي ملفوظ او مستنبط فهو مردود عليه"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ احداث ایسے امر کا کہ جس کی سند کتاب وسنت سے نہ ہو کسی کو جائز نہیں نہ اہل بیت کو اور نہ خلفائے راشدین کو اور نہ سائر صحابہ کو۔ پس اگر فعل خلفاء راشدین دلیل مستقل فعل ہوتا تو چاہئے کہ ان کے لئے احداث فی الدین جائز ہوتا اور حالانکہ حدیث سے ہر شخص کے لئے ناجائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ کلمہ "من" کا الفاظ عموم سے ہے اور صحابہ اور ائمہ مجتہدین سے ایسے قول منقول ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں:

"روى البيهقي عن ابن مسعود انه كان يقول لا يقلدن رجل رجلا في دينه وكان عمر رضي الله عنه اذا افتى الناس يقول هذا رأى عمر فان كان صوابا فمن الله وان كان خطأ فمن عمر رضي الله عنه وروى البيهقي عن مجاهد وعطاء انهما كان يقولان ما من احد الا وما خوذ من كلامه ومردود عليه الا رسول الله ﷺ وكان ابو حنيفة يقول لا ينبغي لاحد ان يقول قولا حتى يعلم ان شريعة رسول الله ﷺ تقبله هكذا في الميزان للشعراني"

اور غیر نبی کے فعل وقول وتقریر کی حجت مستقلہ نہ ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ حاکم شرع میں نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ۔ اور اس کے حکم دریافت کرنا غیر نبی کو متصور نہیں مگر الہام سے یا رائے محض سے یا کتاب وسنت یا قیاس سے جو مستنبط ہو کتاب وسنت سے۔ شقین اولین تو بدیہی البطلان ہیں کیونکہ الہام غیر نبی ورائے غیر نبی تو حجت شرعیہ نہیں اور بر تقدیر اخیرین دلیل مستقل نہ ہوئی بلکہ مستند ہوئی طرف کتاب وسنت کے پس اگر قول وفعل وتقریر غیر نبی دلیل ٹھہرائی جائے تو نہ ہوگی مگر غیر مستقل پس مرجع اس کا اسوقت میں کتاب وسنت سے جو حکم صراحۃً یا استنباطاً اس کے لئے ثابت ہوگا اسی کو اس کا مصداق ٹھہرایا جائیگا۔ بہ تمہید اس امر کے جاننا چاہئے کہ مواظبت خلفاء فعل غیر نبی ہے اور کوئی فعل غیر نبی دلیل مستقل نہیں ہو سکتا اور دلیل غیر مستقل افادہ حکم میں تابع دلیل مستقل ہوتی ہے پس حکم کا افادہ دلیل مستقل متبوع کرے گی وہی حکم دلیل غیر مستقل سے بھی ثابت ہوگا پس اگر دلیل متبوع افادہ وجوب کرے گی

دلیل تابع بھی افادۂ وجوب کرے گی اگر وہ افادۂ سنت کرے گی تو یہ بھی افادۂ استحباب کرے گی نہ یہ کہ خواہ نخواہ افادۂ سنت مؤکدہ کرے اور قطع نظر متبوع سے کسی حکم کا افادہ نہیں کر سکتے۔

حاصل کلام قول بالوجوب کا یہ حال پر ہے کہ یہ قول نہ مجتہدین فی الشرع سے مانند ائمہ اربعہ کے منقول ہے اور نہ مجتہدین فی المذہب سے جیسے ابو یوسف و محمد وغیرہما جیسا کہ رامپور کا فتوی آیا ہوا ہے اس پر علماء رامپوری میں سے مولوی محمد طیب المکی عرب پرنسپل مدرسہ عالیہ کہ جس کے ماتحت راندیری والہامی شمس العلماء مولوی ظہور الحسین فاروقی مدرس ثانی بہ ماہوار ۳۰۰ روپے پر ہے تو ان کی عبارت سے صاف واضح ہوتا ہے اور نہ مجتہدین فی المسائل سے جیسے خصاف وطحاوی وشمس الائمہ حلوانی وسرخسی و بزدوی وقاضیخان وغیرہم سے اور نہ اصحاب تخریج سے جیسے رازی اور نہ اصحاب متون سے جیسے صاحب کنز وصاحب وقایہ وصاحب مختار ہے۔ اگر منقول ہے تو انہیں فقہاء سے جو طبقہ سابقہ میں داخل ہیں کہ غث وسمین ورطب ویابس میں فرق نہیں کر سکتے اور اکثر محدثین اس کو موضوع اور بعض محدثین ضعیف لکھتے ہیں وجوب پر دلالت نہیں کرتے کیونکہ لفظ جفا تو حدیث میں "من بدا جفا" (جو بادیہ نشین ہوا اس نے جفا کی) بھی آیا ہے اس کی نسبت مجمع البحار میں مرقوم ہے: "ای من خرج الی البادیة او سکن فیها غلظ طبعه لقلة مخالطة الناس، انتهی!"

اور در السنیہ وغیرہ کتب فقہ واحادیث میں ہے کہ: "ان الجفاء من الامور النسبية فقد يقال في ترك المندوب انه جفاه اذ هو ترك البر والصلة ويطلق ايضا على غلظ الطبع والبعد عن الشيء فاكثر العلماء من الخلف والسلف على ندبها دون وجوبها"

پس اگر یہ لفظ وجوب پر نص ہو تو چاہیے کہ شہر کا رہنا بھی واجب ہو جاوے اور بادیہ کا رہنا حرام اور حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں پس یہاں سے بھی مرجوحیت قول بالسنۃ المؤکدۃ اور قول بالوجوب کی ثابت ہوگئی اور قول مرجوح پر فتویٰ دینا فقہاء نے حرام اور گمراہی لکھا ہے اور جہالت مفتی بالمرجوح کی بیان کی ہے جیسا کہ اس کی تصریح علامہ ابن عابدین عرف شامی نے مستقل رسالہ میں کی ہے اور علماء رامپور وغیرہ نے اپنے فتووں میں جو آگے نقل کیے جاویں گے۔ پس مفتی کو چاہئے کہ جس کے قول پر فتویٰ دیتا ہے اس کی روایت ودرایت کا حال تحقیق کرے اور اس بات کی معرفت حاصل کرے کہ یہ قائل فقہاء کے کون سے طبقے میں ہے اور یہ بھی جان لیوے کہ یہ فقیہ کس مذہب کا ہے اور مثل حاطب اللیل جیسا کہ ان دنوں بعض واعظوں نے کیا ہے نہ کرے وہ یہ ہے کہ وجوب زیارت پر کہ ابو عمران مالکی مجہول الحال اور اس کے مقلدین کا قول ہے بیباک ہو کر فتویٰ وجوب زیارت قبر شریف کا خلاف مذہب ہے بلکہ لفظ حدیث سے ثابت ہے۔ لفظ القبور میں قبر سید المرسلین بدرجۂ اولیٰ داخل ہے اور ایسا ہے کہ جیسا جذب القلوب میں نقلاً عن السبکی مرقوم ہے: "واما ورود سنة صحيحة متفق عليها"

کہ در امر بزیارت قبور ورود یافتہ در باب ثبوت استحباب زیارت قبر رسول کہ سید القبور است کافی است

اور اسی طرح جذب القلوب میں دوسری جگہ نقلاً عن السبکی مرقوم ہے: "ہرگاہ زیارت قبور دیگران مستحب بود زیارت قبر شریف بطریق اولیٰ مندوب ومستحب باشد"

اور ظاہر ہے کہ واجب پر لفظ مستحب نہیں بولا جاتا۔

قَوْلُهٗ: تعلیق الممجد میں ہے۔ الخ!

أَقُوْلُ: جناب راقم صاحب! ذرا برائے خدا ایک نقل مطابق اصل پوری پوری عبارت بغیر تغییر وتبدیل کے کسی ایک جگہ تو نقل کرو، آپ کی سابق میں جتنی عبارتیں نقل کی ہوئی ہیں ان کی خیانت ہم نے مع صفحہ کے ثابت کر بتلائی ہے اسی طرح اس جگہ بھی آپ کی خیانت اور دعوکا دہی ثابت ہے کیونکہ آپ نے جس جگہ سے تعلیق الممجد کی عبارت نقل فرمائی ہے وہ جگہ ص ۲۹۴ ہے اور حاشیہ کا نمبر ۵ ہے اور جو عبارت آپ نے چھوڑ دی ہے مطلب بگاڑنے کو اور اپنے دعویٰ دروغ بفروغ ثابت کرنے کو وہ یہ ہے: قولہ وما یستحب من ذٰلک ای من زیارۃ قبرہ دیکھو جناب امام محمد صاحب﷫ کی عبارت میں وما یستحب من ذٰلک کی تفسیر ای من زیارۃ قبرہ ہے بموجب تصریح وبیان علامہ مولوی عبدالحی صاحب کے تو مطلب امام محمد کی عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ یہ باب ہے بیان میں قبر نبی ﷺ کے اور بیان میں اس چیز کے کہ مستحب ہے زیارت قبر نبی ﷺ کی) اب یہاں سے ناظرین ملاحظہ فرما کر انصاف فرماویں کہ جناب امام محمد﷫ اور جناب مولوی عبدالحی مرحوم کے نزدیک بھی زیارت قبر شریف کی مستحب ہے نہ واجب اور اوپر چاروں اماموں کے اتفاق سے استحباب ثابت ہو چکا ہے اور ہمارے مذہب حنفی کے رکن اعظم جناب امام محمد﷫ یہ بھی زیارت قبر شریف کو مستحب فرماتے ہیں واجب نہیں جیسا کہ راقم صاحب زعم کرتے ہیں خلاف ائمہ اربعہ کے پھر بعد اس کے مولوی عبدالحی صاحب مرحوم صاحب تعلیق الممجد لکھتے ہیں: ”اختلف فیه بعد ما اتفقوا علی ان زیارۃ قبرہ ﷺ من اعظم القربات وافضل المشروعات“

یعنی اختلاف کیا گیا ہے زیارت کے بارے میں بعد متفق ہونے تمام علماؤں کے زیارت قبر شریف کی اعظم قربات اور افضل مشروعات ہونے پر۔

پس یہ عبارت مولانا مرحوم کی بھی دلالت زیارت قبر شریف کی مستحب ہونے پر کرتی ہے نہ وجوب پر بنا بر زعم راقم صاحب کے: ”ومن نزع فی مشروعیته فقد ضل واضل“

یعنی مولوی عبدالحی فرماتے ہیں کہ جو مخالفت کرے زیارت شریف کے مشروعیت اور مستحب ہونے پر پس ہر آئینہ وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ حضرت ﷺ سے ابو ہریرہ﷜ نے روایت کی ہے کہ جو بغیر علم کے فتویٰ دیوے تو وہ آپ بھی گمراہ ہے اور غیروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، فتامل۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ غیر مشروع اور غیر مستحب کہنے والا زیارت قبر شریف کو خود بھی گمراہ ہے اور غیروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے چنانچہ نقل شمس الجہلاء ابلیس علیہ اللعنۃ اور اس کے زمرہ والوں کا ہے۔ وقیل انه واجب یعنی مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا واجب ہے زیارت قبر شریف کی جس طرح سے اوپر تصریح واجب کہنے والے ایک دو مالکی مذہب والوں کی ہو چکی ہے کہ وہ اپنے امام کے بھی مخالف ہیں اور یہ مسئلہ مسلم الثبوت ہے کہ مقلد کو اپنے امام کی تقلید واجب ہے اور خلاف امام ذہاب کرنا حرام اور مردود اور وہابیت ہے پس اس جگہ سے ثابت ہوا کہ زیارت قبر شریف کی غیر مستحب اور واجب کہنے والا ہر چہار اماموں کا مخالف ہے اور ہر چہار امام اور مذاہب کا مخالف سنت والجماعت سے خارج ہو کر داخل زمرۂ وہابیت میں ہو گیا۔ تو ثابت ہوا کہ زیارت قبر شریف کو واجب کہنے والا خارج سنت والجماعت ہے اور وہی پکا وہابی ہے کیونکہ

طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے کہ سنت والجماعت بنا دائر درمیان چہار مذاہب کے ہے پس اس جگہ بھی اس واجب کہنے والوں کا قول بسبب مخالف ہونے اپنے امام کے مردود ہے۔

"وقیل قریب من الواجب وھو فی حکم الواجب مستدل بحدیث من حج ولم یزرنی فقد جفانی اخرجه ابن عدی والدار قطنی وغیرھما ولیس بموضوع کما ظنه ابن الجوزی وابن تیمیة بل سنده حسن عند جمع وضعیف عند جمع"

یعنی بعض نے کہا کہ زیارت قبر شریف کی قریب واجب کے ہے (یعنی زیارت قبر شریف کی عین واجب نہیں ہے بلکہ قریب ہے واجب کے) اور یہ حکم وجوب میں ہے ساتھ دلیل پکڑنے حدیث جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ روایت کیا اس کو ابن عدی اور دار قطنی وغیرہما نے اور یہ حدیث موضوع نہیں ہے جیسا کہا ہے ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے بلکہ سند اس کی حسن ہے ایک جماعت کے نزدیک اور ضعیف ہے ایک جماعت کے نزدیک۔

ناظرین! بنظر انصاف ملاحظہ فرماویں کہ خود مولانا مرحوم ایک جماعت کا حسن کہنا اور ایک جماعت کا ضعیف کہنا نقل فرماتے ہیں تو یہاں سے اختلاف جرح وتعدیل میں ثابت ہوا اور کتب اصول سے اوپر یہ بیان گذر چکا ہے کہ جرح مقدم تعدیل پر ہے تو قول ضعیف کہنے والوں کا مقدم ہے اور حدیث ضعیف سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے پس بنا بر اس تقریر کے بھی زیارت قبر شریف کی مستحب ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ حدیث مذکور بنا بر معنی کے بھی موضوع ثابت ہوتی ہے اور بنا بر سند کے بھی موضوع ہے...... معنی اس طور ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو تو قباحت یہ لازم آتی ہے کہ زیارت قبر شریف کی بعد حج ثابت ہوتی ہے اور قبل حج کے نہیں حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک بلکہ جمیع علماء کے نزدیک قبل حج کے بھی زیارت قبر شریف کی جائز ومستحب ہے اسی طرح دوسری قباحت یہ لازم آتی ہے کہ جو حج کرے اسی کو مستحب ہے غیر کو نہیں حالانکہ باجماع علماء کے زیارت قبر شریف کی حاجی اور غیر حاجی دونوں کو مستحب ہے پس رکاکت معنی کی اس حدیث سے ثابت ہوئی اور کلام رسول ﷺ میں رکاکت نہ لفظ کی ہوتی ہے اور نہ معنی میں۔ اور باعتبار سند کے موضوعیت حدیث مذکور کی بنقل مولوی عبدالحی صاحبؒ ابن الجوزی اور ابن تیمیہ کے مقولہ سے ثابت ہی ہو چکا ہے اور اسی طرح علامہ صنعانی اور علامہ شوکانی اور صاحب کتاب "الصارم المنکی" نے اپنی تصنیف میں ص ۷۷ میں تصریح فرمائی ہے کہ حدیث مذکور، حدیث منکر ہے لا اصل لہ بلکہ یہ حدیث مکذوبات اور موضوعات میں سے ہے اور وہ عبارت صفحہ مذکورہ کی یہ ہے: "واعلم أن ھذا الحدیث المذکور منکر جداً لا أصل له بل ھو من المکذوبات والموضوعات وھو کذب موضوع علی مالك مختلق علیه لم یحدث به قط ولم یروہ إلا من جمع الغرائب والمناکیر والموضوعات"

اور اسی طرح کتاب الصارم المنکی نے علامہ دار قطنی سے بھی نقل فرمائی ہے صفحہ مذکورہ میں اور وہ یہ ہے:

"وقال الحافظ أبو الحسن الدار قطني في الحواشي علی کتابه ھذا حدیث غیر محفوظ عن النعمان بن شبل إلا من روایة ابن ابنه عن ابنه والطعن فیه علیه لا علی النعمان ولقد صدق الحافظ أبو الحسن في ھذا القول فإن النعمان بن شبل إنما یعرف بروایة ھذا الحدیث عن محمد بن الفضل بن عطیة المشھور

بالكذب ووضع الحديث عن جابر الجعفي عن محمد بن علي عن علي بن أبي طالب هكذا رواه الحافظ أبو عمر وعثمان بن خزاذ عن النعمان بن شبل كما تقدم ذكره هذا الحديث الموضوع لا يليق أن يكون إسناده إلا مثل هذا الإسناد الساقط''

اور کہا ''التعليق المجد'' میں: ''وقيل انه مستحب بل اعلى المستحبات''

یعنی بعض علماء نے کہا ہے کہ زیارت قبر شریف کی مستحب ہے بلکہ اعلیٰ مستحبات سے ہے۔

اب بعد اس کے مستحب ثابت کرنے میں احادیث فضائل زیارت کی مولانا مرحوم نقل فرماتے ہیں، نہ وجوب کی۔ جیسا کہ راقم صاحب کا گمان ہے اور حدیث وجوب کے ثبوت میں مولانا مرحوم نے ایک حدیث فقط بیان کی تھی اس کا حال کماحقہٗ موضوعیت کے بارے میں اوپر ثابت ہو چکا ہے اور اب جو حدیثیں مولانا مرحوم نقل فرماتے ہیں در بارِ استحباب کے وہ حدیثیں مع عبارت زائدہ کے یہ ہیں: ''وقد ورد في فضله احاديث فمن ذلك من زار قبري وجبت له شفاعتي اخرجه الدار قطني وابن خزيمة وسنده حسن''

اور استحباب زیارت میں کسی طرح کا ہمارا انکار نہیں ہے اگر ہے تو شمس الجہلاء جو ہوگا اسی کو ہوگا بلکہ اقوال علماء اور اتفاق ائمہ اربعہ کا استحباب زیارت قبر شریف پر کتاب المدخل سے مع پتے صفحہ کے ہم نقل کر چکے ہیں اور پھر دوسری عبارت لیجئے کتاب الصارم المنکی کے ص ۸۱ میں ملاحظہ فرمائیے: ''فان هذا السفر على الوجه مشروع مستحب باتفاق المسلمين ولم يقل احد من المسلمين ان السفر... الى آخره''

یعنی ہر آئنہ یہ سفر وجہ مشروعیت سے مستحب باتفاق مسلمانوں کے ہے اور کسی نے مسلمانوں سے یہ نہ کہا کہ زیارت قبر شریف کی......آخر تک لیجئے۔

راقم صاحب! آپ جیسے دو تین مالکی مذہب والے واجب کہنے والوں کو دائرۂ اسلام سے نکال دیا یا وجوب کے کہنے والوں کو ہباءً منثورا سمجھ کر پھونک مار کے اڑا دیا اور قائلین بالوجوب کو غیر معتمد ثابت کر دیا۔ اسی طرح زاد المعاد کے ص ۹ میں ملاحظہ فرمائیے: ''وهذا في ان مسجد الحرم افضل بقاع الارض على الاطلاق ولذلك كان شد الرحال اليه فرضا ولغيره مما يستحب ولا يجب''

یعنی اس حدیث سے واضح ہوا کہ مسجد حرام افضل گوشہ زمین سے علی الاطلاق ہے اسی واسطے سفر کرنا طرف مسجد حرام فرض ہے اور مسجد حرام کے غیر کے واسطے سفر کرنا مستحبات سے ہے اور واجب نہیں ہے۔

باوجود اس کے حدیث مذکور راقم کی ضعیف ہے کہ فضائل اعمال میں فقط حجت ہے چنانچہ علامہ بیہقی کا قول کتاب الصارم المنکی کے ص ۱۳ میں مذکور ہے: ''قال البيهقي وسواء قال عبيد الله وعبد الله فهو منكر عن نافع عن ابن عمر لم يأت به غيره وهكذا ذكر الإمام الحافظ البيهقي أن هذا الحديث منكر عن نافع عن عبد الله ابن عمر سواء''

اور اسی طرح حدیث (من جاءني زائرا لا تعلمه حاجة الا زيارتي كان حقا علي ان اكون له شفيعا) جناب راقم صاحب اس حدیث شریف سے آپ کا مطلب اور زعم کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں نہ زیارت قبر شریف کا ذکر ہے اور نہ ذکر زیارت کا بعد موت کے ہے۔ جناب راقم صاحب دوسری بات یہ ہے کہ حدیث ضعیف

الاسناد منکر المتن ہے اور حجت پکڑنے کے قابل نہیں ہے اور اہلِ علم بالحدیث اور ماہرین ونقاد فن حدیث کو اعتماد کرنا اس کے مثل پر نہیں جائز ہے باوجود اس کے آپ کو اختیار ہے اگر آپ اپنی ذات بابرکات کو جماعت مذکورین سے مستثنیٰ جانیں، مگر غیروں کو کیوں شامل کرتے ہو؟ دیکھئے کتاب الصارم المنکی کے ص ۳۸ میں: ''قلت هذا الحديث ليس فيه ذكر زيارة القبر ولا ذكر الزيارة بعد الموت مع أنه حديث ضعيف الإسناد ومنكر المتن لا يصلح الاحتجاج به ولا يجوز الاعتماد على مثله ولم يخرجه أحد من أصحاب الكتب الستة ولا رواه الإمام أحمد في مسنده ولا أحد من الأئمة المعتمد على ما أطلقوه في روايتهم ولا صححه إمام يعتمد على تصحيحه وقد تفرد به هذا الشيخ الذي لم يعرف بنقل العلم ولم يشتهر بحمله ولم يعرف من حاله ما يوجب قبول خبره وهو مسلمة بن سالم الجهني الذي لم يشتهر إلا برواية هذا الحديث المنكر وحديث آخر موضوع۔ الخ!''

اسی طرح حدیث عند ابن ابی الدنیا عن انس من زارنی محتسبا کنت لہ شفیعا او شہیدا کا حال ملاحظہ فرمایئے۔ بحث اس میں بھی وہی ہے جو اوپر گذری ہے باوجود اس کے کتاب الصارم المنکی کے ص ۳۹ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مضطرب المتن اور ضعیف ہے علاوہ اس کے جو جو قباحتیں حدیث مذکور میں ہیں وہ بالبسط مذکور ہیں جس کا جی چاہے کتاب مذکور کے صفحہ مذکورہ میں دیکھ لے برائے تسلی راقم صاحب کے چند سطور نقل بھی کر دیتا ہوں تاکہ قافیہ راقم صاحب کی تقریر وتحریر کا تنگ ہو جاوے اور جائے گفتگو باقی نہ رہے اور وہ یہ ہے: ''وهذه الرواية رواية مسلم بن حاتم التي قال فيها عن عبد الله وهو العمري الصغير المكبر الضعيف أولى من رواية العبادي التي اضطرب فيها وقال عن عبيد الله يعني العمري الكبير المصغر الثقة الثبت وكلا الروايتين لا يجوز الاعتماد عليهما لمدارهما على شيخ واحد غير مقبول الرواية وهو مسلمة بن سالم... الخ!''

باوجود اس کے راقم صاحب مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کو اپنا پشت وپناہ سمجھ کر احادیث مذکورہ ان کی تعلیق المجد سے نقل کرتے ہیں مگر یہ نہ سمجھے کہ خود اوپر زیارت قبر شریف کو مستحب فرما چکے ہیں اور امام محمد صاحبؒ کے قول سے بھی استحباب بیان کیا ہے۔ علاوہ اس کے مولانا موصوف خود تصریح فرماتے ہیں کہ: ''واكثر طرق هذه الاحاديث وان كانت ضعيفة لكن بعضها سالم عن الضعف القادح وبالمجموع يحصل القوة۔ الخ!''

حضورمن! اتنا تو خیال فرمایئے کہ اگر تسلیم کیا جائے بحسب فرمودۂ مولانا موصوف کے اگر اکثر طرق روایت کے ضعیفہ ہوں اور اکثر علماء جس کو ضعیف کہتے ہوں اور بعضے حسن کہتے ہوں اور وہ بھی حسن لغیرہ ہو تو پھر ہم حنفیوں کے نزدیک وہ مفید وجوب زیارت کو کس طرح ہووے؟ اور للاکثر حکم الکل کو لحاظ فرمایا ہوتا تو بھی راقم صاحب کو معلوم ہوتا کہ جو مسئلہ مختلف فیہ ہو تو اس میں جس طرف اکثر علماء نے ذہاب (رخ) کیا ہو اسی کو اختیار کرنا اور اسی پر فتویٰ دینا چاہئے، فتدبر۔ اور امکان کذب (عموم قدرت باری تعالیٰ) وغیرہ وہابیت اور نیچریت ہند میں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ملک گجرات اور خاص کر راندیر میں نہیں ہے اور امکان کذب اور ایسے لغویات دوسرے جو زبان زد (بدعتی) جہلاء واعقلوں کے ہیں موجدین اس کے علمائے رامپور ہیں کسی ایک راندیری نے ایسا لغو بکا ہو تو ظاہرا لکھ دیوے کہ فلاں راندیری ایسی اندھیری تقریر وتحریر سے پیش آئے ہیں اور خم ٹھوک کر میدان مناظرہ میں آنے کا اقرار کیا ہو یا مناظرہ طلب کیا ہو بڑے دھوم دھام سے پھر بیٹا ملامت کرے باپ کو اور باپ ملامت کرے بیٹے کو

اور اس کے ہمنشین کو اور پھر عذر معذرت کر کے دم دبا قبل جلسۂ مناظرہ کے راندیر سے سورت تک فرار کر گیا ہو یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ کے قبیل سے تو اطلاع دیوے تا کہ جواب الجواب تحریر کیا جاوے۔ علاوہ اس کے وہابیت (عرفاً) کیا شئی ہے اور کون وہابی ہے؟

راقم صاحب جامع مسجد راندیر میں مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور علماء راندیر کے مقابل میں بحسب خواہش تحریر کے تشریف لاتے تو صفائی ہو جاتی اور ہنوز بھی جب چاہیں تب نوک قلم سے تحریر فرما کے فیصلہ بین الحق والباطل کا کر لیویں۔ اور راقم صاحب! یہ بھی خیال فرمایئے کہ عبادات و معاملات اور شادی وغمی وغیرہ شعائر اسلام میں کون متبع مذہب حنفی کے ہے اور کون (بدعتی ہے جو) مذہب حنفی کا مخالف ہے آیا ریشمی خالص جبہ پہننے والا یا پہننا حلال سمجھنے والا؟ اور بعد العصر قضاء نماز ادا کرنے کو حرام جاننے والا۔ آفریں ہے ایسے دینیات کے مسائل دانی اور فتاویٰ نویسی اور بڑے علامہ اور استاذ زمانہ سے مناظرہ جوئی پر بدین دانش و بینش یہ جرأت اور یہ کیفیت کہ تا بقیامت معتقدین سر بجیب تفکر میں حیران و سرگرداں رہیں گے اور یہ بھی راقم صاحب اپنے گریبان میں جھانکیں کہ مثل مچھر کے سورت میں حاجی اسمٰعیل پہاڑیہ کے مدرسہ میں سے بعد ختم بخاری شریف کے علماؤں کے جلسہ سے مولوی حاج الحرمین الشریفین حافظ غلام محمد صاحب کی تقریر شروع ہوتے ہی کون کافور ہو گیا تھا؟ اسی طرح مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی جب حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر راندیر تشریف لائے اور راندیر کی جامع مسجد میں وعظ و مناظرہ کو تشریف فرما ہوئے تو مثل مچھر کے سورت کی طرف ہوا کس کو اڑا لے گئی اور کون مستقیم ہو کے ہر دو موقع پر مستعد مناظرہ ہوا تھا؟ عیاں راچہ بیان۔

الحاصل کتاب المدخل وغیرہ سے بوضاحت پتے صفحہ وغیرہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ زیارت قبر شریف کی باتفاق ائمہ اربعہ یعنی جناب امام اعظم اور جناب امام شافعی اور جناب امام مالک اور جناب امام احمد کے مستحب ہے اور اس کے استحباب میں کسی طرح کا شک نہیں ہے اور جب بالاتفاق ائمہ اربعہ مجتہدین کے زیارت قبر شریف کی مستحب ثابت ہو گئی تو ائمہ اربعہ کا اختلاف کرنا حرام اور خلاف کرنے والا خارق الاجماع، خطا پکڑنے والا مجتہدین والا شان کا ہے۔

محصول اس کا یہ ہے کہ مقلد کو اجتہاد فی المسئلہ یا اجتہاد فی المذہب اس زمانہ میں ہرگز جائز نہیں ہے اور مقلد کو بدوں تقلید اپنے امام کے چارہ نہیں ہے، عام ہے اس سے کہ وہ مقلد شمس العلماء ہو یا شمس الجہلاء ہو۔ کیونکہ مقلد کو تقلید اپنے امام کی واجب ہے پھر راقم صاحب اگر مقلد ہیں تو امام متفق ہیں استحباب پر اور قول مقلد کا خلاف اپنے امام کے مذہب کے مردود ہے لہٰذا واجب کہنا زیارت قبر شریف کو بھی مردود ہے اس کی تصدیق پر علماء رامپور اور علماء دہلی اور علمائے دیوبند اور علمائے پنجاب اور علمائے کانپور محققین مقلدین کے فتوے بھی ہم نقل کر دیتے ہیں مع مواہیر و دستخط ان کے۔ اور وہ فتاویٰ یہ ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی ائمۃ المجتہدین الی یوم الدین



دیگر بڑے مدارس کے فتوے بھی علمائے دیوبند کے ساتھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: ”زیارت کرنا قبر نبوی ﷺ کا مذہب حنفی میں مستحب ہے یا واجب؟ چونکہ کتابوں میں بعض جگہ تو لکھا ہوا ہے کہ قریب بواجب اور بعض جگہ لکھا ہے واجبات سے اور لوازمات سے ہے اور یہ عبارتیں عوام کے سمجھنے کے لئے متشابہ ہیں اس لئے صاف مرقوم فرماویں کہ مستحب ہے یا واجب؟ دیگر زیارت قبر شریف واجب کہنے والے حنفی مذہب میں کتنے ہیں اور مستحب کہنے والے کتنے ہیں اور دونوں میں قول ضعیف کون سا ہے اور قولِ ضعیف پر فتویٰ دینا کیا حکم رکھتا ہے اور یہ کس کا کام ہے؟ دیگر جو لوگ کہ زیارت قبر اطہر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں انہیں سب وشتم کرنا کیسا ہے؟ بینوا بیانا شافیا توجروا“

”اجرکم اللہ اجرا وافیا!“

جواب استفتاء از جانب علماء مدرسہ عالیہ ریاست رامپور

الجواب واللہ سبحانہ الموفق للصدق والصواب

زیارت قبر نبی اکرم ﷺ افضل مندوبات سے ہے اس پر علماء حنفیہ کا اجماع ہے اور واجب یا قریب واجب بعض کا قول ہے اور ضعیف ہے اور قول مرجوح اور ضعیف پر فتویٰ دینا خلاف اجماع ہے اور سب وشتم قائلین مستحب پر نا جائز ہے۔

”قال فی العالمگیریہ قال مشائخنا انها افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة انتهى۔ قال فی الدر المختار وزيارة قبره مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة انتهى۔ قوله مندوبة ای باجماع المسلمين كما فی اللباب انتهى شامی وفی الدر المختار والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع انتهى“

”هذا صورة الجواب واللہ سبحانه اعلم بالصواب“ العبد المجیب: محمد معز اللہ خان

”الجواب صحیح“ معین الدین

”الجواب صحیح“ محمد ضیاء الدین

”الجواب صواب“ نظام الدین

”الجواب صحیح“ احمد امین

”الجواب صحیح“ محمد عبد اللہ

”صحیح الجواب“ محمد علی حسین

”المجيب لهذا الفتوى انما اجاب بما وجده فی كتب الذين يزعمون انهم احناف ولا اظن ان فی المسئلة نص عن الامام ولا عن صاحبيه كما انه ليس فيها نص عن باقی الائمة ولا عن اللہ ولا عن رسوله“

روایات مذکورہ جواب سے افضل مندوبات ہونا بصراحت معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قول بالوجوب ضعیف ہے اس لئے کہ لفظ قیل سے اس قول کو بیان کیا ہے جو کہ ضعیف پر دلالت کرتا ہے۔

محمد طیب المکی پرنسپل مدرسہ عالیہ

"واللہ اعلم" محمد فضل حق ...... دستخط پرنسپل مدرسہ عالیہ ریاست رامپور

جواب استفتاء از جانب مدرسہ جامع العلوم کانپور

الجواب: اکثر مشائخ نے زیارت قبر نبوی کو افضل مندوبات سے لکھا ہے اور بعض نے قریب بالوجوب کہا ہے: "قال مشائخنا رحمھم اللہ من افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انھا قریبة من الوجوب لمن له سعة۔اھ" (فتح القدیر ج ۲، ص ۳۳۶۔ فتاویٰ ہندیہ)

صاحب درمختار نے البتہ بصیغہ قیل قول وجوب نقل کیا ہے: "وزیارۃ قبرہ مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة اہ درمختار"

"قوله بل قیل واجبة ذکره فی شرح اللباب وقال کما بینه فی الدرة المضیة فی الزیارة المصطفویة وذکره ایضا الخیر الرملی فی حاشیة المنح عن ابن حجر وقال وانتصر له نعم عبارة اللباب والفتح وشرح المختار انھا قریبة من الوجوب لمن له سعة۔ انتھیٰ" (شامی)

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قول مختار یہی ہے کہ مندوب ہے اور فی الواقع وجوب کی کوئی دلیل نصوص شرعیہ میں سے پائی نہیں جاتی اس لئے وجوب کا قائل ہونا دشوار ہے پس اس قول پر فتویٰ نہ دینا چاہئے کیونکہ یہ قول ضعیف ہے اور قائلین استحباب کو سب وشتم کرنا ناواقفی ہے کتب فقہ واصول سے۔ کیونکہ نہ فقہ میں وجوب کی کوئی نقل قوی ملتی ہے اور نہ اصول شرعیہ سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

دوعالم از فیض محمد رشید ...... مدرس دوم مدرسہ جامع العلوم کانپور

"الجواب الصحیح" محمد اسحاق

"الجواب الصحیح" محمد حسین مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور

جواب استفتاء از جانب علماء مدرسہ فتح پوری دہلی

الجواب: زیارت قبر شریف آنحضرت علیہ الف الف الصلوٰۃ والتسلیم مستحب ہے اس کے استحباب پر اتفاق اور اجماع ہے۔ بعض اہل ظاہر اس کے مخالف ہیں لیکن وہ قابل اعتبار نہیں۔ اور استحباب پر عالمگیریہ اور رد المختار وغیرہ میں تصریح ہے۔ اور زیارت قبر شریف باعث خیر و برکت ہے اور مظہر رحمت الٰہی ہے اور بعض اقوال فقہاء سے وجوب بھی مستفاد ہوتا ہے لیکن وہ قول ضعیف ہے۔ صحیح اور قوی قول استحباب کا ہے اور سب وشتم شعار شیعہ شنیعہ سے ہے۔ اہل سنت والجماعت کو اس سے احتراز لازم ہے۔ خاص کر علماء کو عادات جہال سے اجتناب چاہئے اور زیارت قبر شریف کے متعلق مولانا بحر العلوم (لکھنوی ؒ) نے بھی ارکان اربعہ میں بحث مبسوط بیان کی ہے اور اس کو ثابت کیا ہے۔ کتبہ: بندہ ماجد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ فتح پوری

"الجواب الصحیح" محمد عبدالغنی مدرس مدرسہ فتح پوری
"المجیب مصیب" حبیب احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ فتح پوری

جواب استفتاء از جناب مولانا مولوی نظام علی صاحب

از دہلی لال دروازہ مسجد مولوی عبدالبیگ صاحب

الجواب: حامداً و مصلیاً! زیارت قبر شریف مستحب ہے جیسا کہ حدیث مشکوۃ باب حرم المدینہ فصل ثالث سے معلوم ہوتا ہے: "عن ابن عمر مرفوعا من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي۔ رواه البيهقي في شعب الإيمان"

اس کی شرح میں ملا علی قاری نے یہ لکھا ہے: "الفاء التعقيبية دالة على أن الأنسب أن تكون الزيارة بعد الحج كما هو مقتضى القواعد الشرعية من تقديم الفرض على السنة وقد روى الحسن عن أبي حنيفة تفصيلا حسنا وهو أنه إن كان الحج فرضا فالأحسن للحاج أن يبدأ بالحج ثم يثني بالزيارة وإن بدأ بالزيارة جاز وإن كان الحج نفلا فهو بالخيار فيبدأ بأيهما شاء انتهى كذا في حاشية المشكوٰة"

اور مجموعۃ الفتاویٰ ص ۲۳۶ جلد دوم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی میں ہے: "لا کلام فی استحباب السفر بقصد المسجد النبوی ﷺ و اما بقصد زیارة القبر النبوی ﷺ فهو الذی فیه الاختلاف الفاحش والصحیح انه جاز غیر منهی عنه لاطلاق حدیث من زار قبری وجبت له شفاعتی وحدیث من جاءنی زائرا لا تحمله الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا و شهیدا یوم القیامة وسنده حسن والله اعلم بالصواب۔ حرره الفقیر الحقیر نظام علی عفی عنه"

"الجواب الصحیح" ضیاء الحق جہان را کرد روشن ۱۳۲۳
"الجواب الصحیح" محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
"الجواب الصحیح" سید محمد عبدالسلام غفرلہ
"الجواب الصحیح" حبیب احمد مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی
"الجواب الصحیح" سید محمد ابوالحسن
"الجواب الصحیح" عبدالغنی عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی ۱۳۲۱
"اصاب من اجاب" محمد بشیر عفی عنہ
"الجواب صواب" ماجد علی عفی عنہ

مخفی نہ رہے کہ نفس زیارت قبر شریف کے استحباب میں کچھ کلام نہیں مگر بقصد زیارت شریف غیر جائز ہے۔ "لحدیث لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد و اللہ تعالیٰ اعلم و علمه اتم و احکم"

کتبہ: محمد یٰسین عفی عنہ

اس سے مراد وہ سفر ہے جو صرف زیارت کے لئے ہو اور اس میں مسجد نبوی کی زیارت کا قصد نہ ہو، اس یکطرفہ سفر کو غیر جائز کہا ہے۔

جواب استفتاء از علمائے کراچی ملک سندھ

اقوال اہل علم دریں مسئلہ مختلف وارد شدہ اند۔ ومذہب جمہور آنکہ مندوب است وبعض مالکیہ وبعض ظاہریہ بآں رفتہ اند کہ واجب است۔ ومذہب شیخ الاسلام ابن تیمیہ آن است کہ غیر مشروع است وبعض حنابلہ دریں باب تابع اوشدہ اند" وروی ذلک عن مالک والجوینی والقاضی عیاض قائلان مندوب واستدلال قائلین بوجوب حدیث من حج فلم یزرنی فقد جفانی" است وگویند کہ جفا بر آنحضرت ﷺ محرم است۔ پس زیارت واجب باشد تا درمحرم نیفتد۔ وجواب شان ایں کہ جفا بر ترک مندوب گفتہ می شود۔ چنانچہ درترک صلہ وبرغلظ طبع۔ چنانکہ درحدیث "من بدا فقد جفا" است وہرکہ درغیر مشروعیت رفتہ اند حجت اوشان حدیث "لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد" است وحدیث "لا تتخذوا قبری عیدا" جواب از حدیث لا تشد الرحال ایں کہ قصر دراں اضافی است باعتبار مساجد نہ حقیقی۔ ودلیل بریں آنست کہ باسناد حسن دربعض الفاظ حدیث ثابت شدہ "لا ینبغی للمطیعی ان تشد رحالها الی مسجد تبتغی فیه الصلوٰة غیر مسجدی هذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ" پس زیارت وغیرہ خارج از نہی است وجواب ثانی باجماع بر جواز شد الرحال برائے تجارت وسائر مطالب دنیا وبروجوب آن بسوئے عرفہ برائے وقوف وبسوئے منیٰ برائے مناسک وبسوئے مزدلفہ وبسوئے جہاد وہجرت از دار کفار وبراستحباب آن برائے طلب علم دادہ اند۔ واز حدیث "لا تتخذوا قبری عیدا" اب چنیں دہند کہ ایں حدیث دلیل است بر حث وبرکثرت زیارت نہ برمنع آں برآں کہ اہمال کردہ نشود قبر شریف تا آں کہ زیارت نکنند مگر دربعضی اوقات مثل عیدین ومؤیداوست قولہ: "لا تجعلوا بیوتکم قبورا ای لا تترکوا الصلوٰة فیها وکذا قال المنذری وقال السبکی معناه انه لا تتخذوا لها وقتا مخصوصا لا تکون زیارة الا فیه ولا تتخذوه کالعید فی العکوف علیه واظهار الزینة والاجتماع للهو وغیره کالفعل فی الاعیاد بل لا یؤتی الا للزیارة والدعاء والصلوٰة والسلام ثم ینصرف عنه"۔

نظر بکشا تو بر انصاف بینی … شود ظاہر بتو راز یقینی
نوشتم مختصر اخبار چندے … کہ روشن گرددت حق گر تو بینی

خلاصہ عرض ایں کہ نزد علماء احناف مندوب است۔

"وقیل واجبة لمن له سعة (در مختار) ویستحب له اذا عزم علی الرجوع الی اهله ان یودع المسجد بالصلوٰة ویدعو بعدها بما احب ویاتی القبر الکریم فیسلم ویدعو ویسأل الخ شامی ایضا ذکره فی شرح اللباب وقال کما بینه فی الدرة المضیة فی الزیارة المصطفویة وذکره ایضا الخیر الرملی فی حاشیة المنح عن ابن حجر وقال وانتصر له نعم عبارة اللباب والفتح وشرح المختار انها قریبة من الوجوب لمن له سعة وقد ذکر ما ورد فی الزیارة وذکر کیفیتها وآدابها الخ (شامی) لما کانت زیارة النبی ﷺ من افضل القرب واحسن المستحبات بل تقرب من درجة ما لزم من الواجبات فانه ﷺ حرض علیها وبالغ فی الندب الیها فقال من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح هذا یظهر لی فی الباب والله اعلم بالصواب!"

''العبد المجیب'' آثم محمد بلال

تلمیذ مولانا عبداللہ صاحب از کراچی متصل مدرسہ مظہر العلوم

''الجواب الصحیح والرأی اجیح'' عبداللہ عفی عنہ

''المجیب مصیب'' عبدالحق ہالائی

نمبر ۳۹۱ مورخہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ از دفتر انجمن مستشار العلماء لاہور، مطابق ۲۰ فیبروری ۱۹۰۶ء

***

العلماء ورثة الانبیاء... مستشار العلماء انجمن لاہور (۱۳۱۴ھ)

شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ناظم انجمن مستشار العلماء

سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زیارت قبر نبوی ﷺ کی مذہب حنفی میں واجب ہے یا سنت مؤکدہ ہے یا مندوب ومستحب؟ چونکہ بعض کتابوں میں قریب واجب یا واجبات اورلوازمات سے لکھا ہوا ہے اس لئے صاف مرقوم فرماویں۔

(۲) دیگر حنفی مذہب کے عالموں میں زیارت قبر شریف کو واجب یا سنت مؤکدہ کہنے والوں کا قول ضعیف ہے یا قوی؟

(۳) اور قول ضعیف پر فتویٰ دینا کیا حکم رکھتا ہے اور یہ کس کا کام ہے؟

(۴) اور جولوگ زیارت قبر اطہر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں انہیں سب وشتم کرنا کیسا ہے؟

(۵) اور زیارت قبر اطہر حج کے فرائض یا واجبات یا سنن مؤکدہ یا مندوبات سے ہے یا الگ ایک مستقل عبادت ہے اور اگر کوئی حج کو جائے اور زیارت قبر اطہر کو نہ جائے تو اس کے حج میں کسی قسم کا نقص واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

(۶) اور زیارت بیت اللہ شریف کے بعد اگر زیارت قبر اطہر کو نہ جائے تو آخرت میں وہ شخص عذاب کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب: (۱) قبر اطہر نبوی ﷺ کی زیارت افضل المندوبات واعظم المستحبات میں سے ہے اور باوجود مناسب موقع ملنے کے اس سعادت سے محروم رہنا ضرور بے نصیبی ہے۔

(۲) جن احناف کرام سے اس کا قریب بواجب یا واجب ہونا منقول ہے ان کی رائے بمقابلہ جمہوری رائے کے مرجوح وضعیف ہے۔

(۳) عموماً قول ضعیف پر بدوں کسی خاص ضرورت کے فتویٰ دینا نادانی اور عام اہل علم کی مخالفت ہے۔

(۴) زیارت کے مندوب مستحب کہنے والوں کو سب وشتم کرنا سخت معصیت اور شدید حماقت ہے۔

(۵) زیارت قبر اطہر بجائے خود ایک فضیلت اور سعادت ہے اور اس کے نہ ہونے سے حج میں کسی قسم کا نقص نہیں رہتا۔

(۶) قبر اطہر کی زیارت نہ کرنے والا بشرطیکہ یہ زیارت نہ کرنا صراحۃً یا کنایۃً کسی قسم کے انکار اور استخفاف کی حیثیت سے نہ ہو کسی عذاب کا مستحق نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ ترک زیارت صراحۃً یا اشارۃً انکار اور استخفاف کی حیثیت سے ہے تو ضرور وہ عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔ ذیل میں ہم فقہائے اسلام کی عبارتیں نقل کرتے ہیں جن سے مندرجہ بالا جوابوں کا ثبوت ہوسکتا ہے: ''خاتمة في زيارة قبر النبي ﷺ قال مشايخنا رحمهم الله تعالى إنها أفضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة''

(عالمگیریہ ج ۱، ص ۲۶۵)

''وزيارة قبره مندوبة بل قيل واجبة'' (درمختار ص ۲۷۸)

(قوله مندوبة) ''أي بإجماع المسلمين كما في اللباب، وما نسب إلى الحافظ ابن تيمية الحنبلي من أنه يقول بالنهي عنها فقد قال بعض العلماء إنه لا أصل له، وإنما يقول بالنهي عن شد الرحال إلى غير المساجد الثلاث أما نفس الزيارة فلا يخالف فيها كزيارة سائر القبور، ومع هذا فقد رد كلامه كثير من العلماء وللإمام السبكي فيه تأليف منيف قال في شرح اللباب: وهل تستحب زيارة قبره ﷺ للنساء الصحيح نعم بلا كراهة بشروطها على ما صرح به بعض العلماء أما على الأصح من مذهبنا وهو قول الكرخي وغيره من أن الرخصة في زيارة القبور ثابتة للرجال والنساء جميعا فلا إشكال وأما على غيره فكذلك نقول بالاستحباب لإطلاق الأصحاب، والله أعلم بالصواب!''

محقق شیخ علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ''المقصد الثالث في زيارة قبر النبي ﷺ قال مشايخنا رحمهم الله تعالى من أفضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة'' (ج ۳، ص ۹۴)

امام تقی الدین السبکی فرماتے ہیں: ''الباب الرابع: في نصوص العلماء على استحباب زيارة قبر سيدنا رسول الله ﷺ وبيانه أن ذلك مجمع عليه بين المسلمين قال القاضي عياض (رحمه الله) زيارة قبره ﷺ سنة بين المسلمين مجمع عليها وفضيلة مرغب فيها وقال القاضى ابو الطيب ويستحب ان يزور النبى ﷺ بعد ان يحج ويعتمر وقال المحاملى فى التجريد ويستحب للحاج اذا فرغ من مكة ان يزور قبر النبى ﷺ'' (شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۴۷)

''وقال صاحب المهذب ويستحب زيارة قبر رسول الله ﷺ وقال القاضى حسين اذا فرغ من الحج فالسنة ان يقف بالملتزم ويدعوا ثم يشرب من ماء زمزم ثم يأتى المدينة ويزور قبر النبى ﷺ وقال الرويانى يستحب اذا فرغ من حجه ان يزور قبر النبى ﷺ ولا حاجة الى تتبع كلام الاصحاب فى ذلك مع العلم باجماعهم واجماع سائر العلماء عليه والحنفية قالوا ان زيارة قبر النبى ﷺ من افضل المندوبات والمستحبات بل يقرب من درجة الواجبات ممن صرح بذلك منهم ابو منصور محمد بن الكرمانى فى مناسكه وعبد الله بن محمود بن بلاحى فى شرح المختار وفى فتاوىٰ ابى الليث السمرقندى فى باب اداء الحج روىٰ الحسن بن زياد عن ابى حنيفة انه قال الاحسن للحاج ان يبدأ بمكة فاذا قضى نسكه مر بالمدينة وان بدأ بها جاز فيأتى قريبا من قبر رسول الله ﷺ فيقوم بين القبر والقبلة فيستقبل القبلة ويصلى على

النبی ﷺ و مر علی ابی بکر و عمر رضی اللہ عنھما ویترحم علیھا وقال ابو العباس السروجی فی الغایۃ انصرف الحاج والمعتمرون من مکۃ فلیتوجھوا الی طیبۃ مدینۃ رسول اللہ ﷺ وزیارۃ قبرہ فانھا من انجح المساعی وکذٰلک نص علیہ الحنابلۃ ایضاً قال ابو الخطاب محفوظ بن احمد ابن الحسین الکلوذانی الحنبلی فی کتاب الھدایۃ فی آخر باب صفۃ الحج واذا فرغ من الحج استحب لہ زیارۃ قبر النبی ﷺ وقبر صاحبیہ وقال ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن الحسین بن احمد بن القاسم بن ادریس السامری فی کتاب المستوعب باب زیارۃ قبر الرسول ﷺ واذا قدم مدینۃ الرسول ﷺ استحب ان یغتسل لدخولھا ثم یأتی مسجد الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ویقدم رجلہ الیمنیٰ فی الدخول ثم یأتی حائط القبر یقف ناحیۃ ویجعل القبر تلقاء وجھہ والقبلۃ خلف ظھرہ والمنبر عن یسارہ" (شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۴۸، ۴۹)

"والمتلخص من مذھب مالک ﷺ ان الزیارۃ قربۃ ولٰکنہ علی عادتہ فی سد الذرائع یکرہ منھا لان الاکثار من الخیر خیر وکلھم مجمعون علی استحباب الزیارۃ" (ایضاً ص ۵۳)

جب مندرجہ بالا عبارتوں سے صاف واضح ہو کہ جمہور علماء اسلام استحباب زیارت قبر اطہر کے قائل ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے برخلاف واجب یا قریب بواجب کا قائل ہونا مرجوح اور ضعیف ہوگا۔ قال النبی ﷺ ید اللہ علی الجماعۃ مزید برآں یہ کہ محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں حدیث من حج وزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی اور امام تقی الدین السبکی نے شفاء السقام فی زیارت خیر الانام میں حدیث من زارنی بعد موتی فکانما زارنی وانا حی روایت کی ہے جن سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ زیارت بعد الممات زیارت فی حال الحیات جیسی ہے۔ لیکن عہد نبوت میں ہزاروں اشخاص اپنے اپنے وفد بھیج کر مشرف باسلام ہوتے تھے اور ان میں سے کسی پر کم از کم ایک بار بھی حضرت رسا میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں کی جاتی تھی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسا میں حاضر ہونا اور خود آپ کی ذات مقدس کی زیارت کرنا واجب یا قریب الواجب ہوتا تو کسی موقع پر اس کی تاکید کی جاتی مگر کسی روایت سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا حالانکہ خود حضرت رسا میں حاضر ہو کر آپ کی ذات مقدس سے مشرف ہونے پر جو فوائد اور فضائل مرتب ہوسکتے ہیں وہ آپ کی قبر اطہر کی زیارت سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتے لہٰذا ہماری رائے میں زیارت قبر اطہر کو واجب یا قریب بواجب کہنا ایک مرجوح اور ضعیف قول ہے۔ ہاں اس کے موجب شرف اور باعث فضیلت ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا۔

"وأن الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع (در مختار ج ۱، ص ۵۵) قلت: لکن ھذا فی غیر موضع الضرورۃ، فقد ذکر فی حیض البحر فی بحث ألوان الدماء أقوالا ضعیفۃ، ثم قال: وفی المعراج عن فخر الأئمۃ: لو أفتی مفت بشيء من ھذہ الأقوال فی مواضع الضرورۃ طلبا للتیسیر کان حسنا. اھ" (رد المحتار ج ۱، ص ۵۵)

جب روایات مندرجہ سے قول باستحباب کا مذہب جمہور ہونا اور روایات مندرجہ سے قول بالاستحباب ہی کا راجح اور قوی ہونا ثابت ہو گیا تو ظاہر ہے کہ قائلین بالاستحباب کو سب وشتم کرنا سخت معصیت اور شدید حماقت ہے۔

"ثم قال فاذا قضی الناس حجھم امھلھم الایام التی جرت عادتھم بھا فاذا رجعوا سار بھم عن طریق مدینۃ رسول اللہ ﷺ لیجمع لھم بین حج بیت اللہ وزیارۃ قبر رسول اللہ ﷺ رعایۃ لحرمۃ وقیاما بحقوق

طاعته وذلک وان لم یکن من فروض الحج فھو من مندوبات الشرع المستحبة وعبادات الحجج المستحسنة (شفاء السقام ص ۴۸) ما احسن ما احکاه السبکی عن بعض الفضلاء وان کان فیه ما فیه ان کون الزیارة قربة معلومة من الدین بالضرورة وجاحده محکوم علیه بالکفر انتھیٰ"

(الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف المکرم ص ۱۵، ۱۶)

"واللہ اعلم بالصواب" کتبہ العبد المذنب المفتی ...... محمد عبداللہ التونکی عفی عنہ

"المجیب مصیب" فی الواقع زیارت روضہ مطہرہ حضور سید الانام ﷺ کی نہایت مستحسن ہے۔ خوش نصیب وہ جو بعد حج سے مشرف ہوا اور جو شخص باوجود استطاعت حاضر نہ ہوا تو عین اس کی محرومی ہے۔ فقط!

بندہ احمد علی عفی عنہ

"الجواب صحیح" محمد اسماعیل عفی عنہ، مدرس مدرسہ اسلامیہ

"الجواب صحیح" محمد حسن عفی عنہ، مدرس اول مدرسہ حمیدیہ

"الجواب مظہر الصواب" محمد یار عفی عنہ، امام مسجد طلائی لاہور

"الجواب حق" اصغر علی روحی عفی عنہ

"ھذا الجواب ھو الجواب عند اولی الابصار والالباب" محمد عالم مدرس دوم عفی عنہ

"الجواب صحیح" غلام رسول مدرس چہارم مدرسہ حمیدیہ

جواب استفتاء از علمائے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

زیارت قبر آنحضرت سید المرسلین ﷺ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اکمل الصلوٰۃ وافضلھا کی حنفی مذہب میں مستحب ہے اور اس پر اجماع مسلمانوں کا ہے بلکہ جس کو گنجائش ہو اس کے واسطے واجب لکھا ہے: "قال فی الدر المختار شرح تنویر الابصار، وزیارۃ قبرہ مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة، قوله مندوبة ای باجماع المسلمین کما فی اللباب، شامی حاشیہ در مختار"

"مذکور بل قیل واجبة عبارۃ اللباب والفتح وشرح المختار انھا قریبة من الوجوب لمن له سعة شامی مذکور"

اور جن کتابوں میں قریب واجب کے لکھا ہے اس سے مراد زیادہ تاکید باب زیارت میں ہے۔ کیونکہ فضائل زیارت کے بہت اور لاتعد ولا تحصیٰ ہیں۔ ایک ثبوت وجوب ولزوم شفاعت آنحضرت ﷺ کا زائر کے واسطے۔ یہ کس قدر بڑا درجہ ہے چنانچہ من زار قبری وجبت له شفاعتی حدیث نبی ﷺ اس کی دلیل محکم ہے دوسری زائر کو بشارت اسلام پر مرنے کی اسی حدیث سے ثابت ہے۔ انہی فضائل کی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے قریب واجب کے لکھا ہے چنانچہ "جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف اور حنفی مذہب کی ہے لکھا ہے: "وزیارت آنحضرت ﷺ نزد ابی حنیفہ از افضل مندوبات واو کد مستحبات است وقریب بدرجہ واجبات"۔

اس عبارت سے مذہب احناف کا استحباب پورا ثابت ہوتا ہے۔ اور واجب اصلی کسی کا مذہب معتبر نہیں۔

اگر چہ امام مالکؒ قائل وجوب کے ہوئے مگر محققان نے اس کی تاویل کی ہے سنن واجبہ کے ساتھ اور اور پر قول ضعیف کے فتویٰ دینا اور خود عمل کرنا جائز نہیں ہے: ''وأن الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للإجماع (الدر المختار) وكذا العمل به لنفسه (شامی)''

اور فتویٰ دینا کار مجتہد اور ماہر فقہ اور متقی کا ہے۔ عامی اور ہر کس و ناکس کا یہ کار نہیں ہے اور سب وشتم کرنا قائلین استحباب کو ناجائز ہے۔ اور مسلمان کو سب وشتم کرنا فسق اور کبیرہ ہے۔ ساب لائق گواہی دینے کے نہیں رہتا۔ زیارت مدینہ منورہ کی مستقل عبادت مستحبہ ہے، حج کے فرائض اور واجبات اور سنن حج سے بالکل نہیں۔ اگر حج کرے اور زیارت قبر نبوی ﷺ کی نہ کرے حج میں قصور نہ واقع ہوگا مگر فضائل زیارت سے جو اس میں آتے ہیں محروم رہے گا۔ وہو الخسران العظیم اور وہ شخص مستحق عذاب کا بھی نہ ہوگا کیونکہ مستحب کے ترک سے عذاب نہیں ہوتا مگر محرومی کس قدر ہے اللہ بچاوے محرومی فضیلت سے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!

حررہ اضعف العباد عنایت الٰہی (بروز جزاہو) از مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

''المجیب مصیب'' عبداللطیف عفی عنہ

''الجواب صحیح'' کفایت اللہ غفرلہ

''صحیح'' سکندر علی عفی عنہ

''صحیح'' ثاقب علی عفی عنہ

جواب استفتاء از علمائے دیوبند

زیارت قبر نبوی ﷺ عند الحنفیہ مستحب بلکہ افضل مستحبات میں سے ہے اور بعض نے واجب کہا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ''قال مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ من افضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة۔ وفي الدر المختار والشامي وزيارة قبره ﷺ مندوبة، بل قيل واجبة لمن له سعة (قوله مندوبة) أي بإجماع المسلمين كما في اللباب، وما نسب إلى الحافظ ابن تيمية الحنبلي من أنه يقول بالنهي عنها فقد قال بعض العلماء إنه لا أصل له الخ۔ قوله بل قيل واجبة ذكره في شرح اللباب''

مواہب لدنیہ جلد ثانی ص ۵۰۲ میں ہے: ''اعلم أن زيارة قبره الشريف من أعظم القربات وأرجى الطاعات والسبيل إلى أعلى الدرجات ومن اعتقد غير هذا فقد انخلع من ربقة الإسلام وخالف الله ورسوله وجماعة العلماء الأعلام وقد أطلق بعض المالكية وهو أبو عمران الفاسي كما ذكره في المدخل عن تهذيب الطالب لعبد الحق أنها واجبة قال ولعله أراد وجوب السنن المؤكدة وقال القاضي عياض إنها سنة من سنن المسلمين مجمع عليها وفضيلة مرغب فيها''

الغرض روایات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اصح یہ ہے کہ زیارت قبر نبوی ﷺ مستحب ومندوب ہے اور جن لوگوں نے واجب کہا غرض ان کی تاکید کرنا ہے۔ علی الاطلاق وجوب پر فتویٰ دینا ناواقف کا کام ہے اور سب وشتم

کرنا مستحب ومندوب کہنے والوں کو اتیح جہالات سے ہے گویا تمام علماء وفقہاء اعلام کو طعن کرنا ہے اور زیارت قبر نبوی ﷺ حج کے ارکان وفرائض وسنن ومستحبات سے نہیں ہے بلکہ مستقل جداگانہ قربت وطاعت ہے۔ اگر کوئی شخص حج کرے اور مدینہ منورہ نہ جاوے تو حج میں اس کے کچھ نقص نہیں ہے البتہ باوجود استطاعت کے زیارت قبر شریف سے محروم رہنا یا معاذ اللہ از راہِ انکار وہاں حاضر نہ ہونا شقاوت وقساوت کی دلیل ہے لیکن باوجود مندوبیت واستحباب اگر بسبب کسی عذر کے مدینہ منورہ جانا نہ ہو سکے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ وقال علیہ السلام انما الاعمال بالنیات ولکل امرء مانوی۔ واللہ اعلم!

عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی

"الجواب صحیح"	بندہ محمود عفی عنہ مدرس اول مدرسہ اسلامیہ دیوبند
"الجواب صحیح"	غلام رسول عفی عنہ
"الجواب صحیح"	خلیل احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
"اصاب المجیب"	محمد حسن عفی عنہ
"الجواب صحیح"	احقر الزمان گل محمد خان
"الجواب صحیح"	محمد زین العارفین پشاوری عفی عنہ
"الجواب صحیح"	بندہ نور علی عفی عنہ

زیارت قبر نبوی ﷺ کے فضائل بے شمار ہیں اور احادیث اس بارے میں کثیر ہیں۔ مواہب اللدنیہ وفتح القدیر وغیرہ میں بالتفصیل مذکور ہیں بلکہ بعض روایات میں ترک زیارت پر "جفائی" بھی فرمایا ہے جس کا مؤید قصہ بلال رضی اللہ عنہ ہے کہ جب وہ ایک زمانے کے بعد زیارت کو حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ اے بلال! یہ کیا جفا کرتے ہو جو جذب القلوب میں مرقوم ہے۔ پس زیارت قبر آنحضرت ﷺ افضل مندوبات سے ہے ہاں اس کے ترک سے حج میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ حررہ: المسکین محمد یٰسین

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مذکورہ خواب

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو خواب میں کہا گیا کہ اے بلال! تو نے یہ مجھ پر جفا کی ہے کہ اتنے دن مجھ سے دور رہا۔ اس میں یہ بات علی وجہ النہار روشن ہے کہ حضور ﷺ سے اتنے دن دور رہنا آپ کو پسند نہ آیا۔ اس بات پر ہم اس کتاب کو ختم کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے روضہ پر زیارت کے لئے جانا اعلیٰ درجہ کے مستحبات میں سے ہے۔ ہم اس روایت کے یہ الفاظ روضہ کی زیارت کی روحانی لذت کے لئے پھر یہاں درج کئے دیتے ہیں: "إن بلالاً رأى في منامه النبي ﷺ وهو يقول له: ما هذه الجفوة ـ يا بلال أما آن لك أن تزورني يا بلال، فأنتبه حزيناً وجلا خائفاً فركب راحلته وقصد المدينة"

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ولہ الحمد!



مسلکِ ارجمند از اکابرِ دیوبند

المعروف بہ

اجماع العلماء الاعلام علیٰ حیات الانبیاء الکرام علیہم السلام

از

مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب

☆ علمائے دیوبند شکر اللہ سعیہم شروع سے حضور ﷺ کے جسدِ اطہر میں آپ کی حیات برزخی کے قائل چلے آرہے ہیں گویا اس پر ان سب کا اجماع ہے۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنے خیمے جنت میں لگا چکے اور ایسے بھی جو اس وقت زندہ ہیں اور دیوبند کے تمام علمی حلقوں میں وہ وابستگانِ دیوبند کے اکابر سمجھے جاتے ہیں۔

☆ یہ مسلک بہت صحیح اور واضح ہے اور ان حلقوں کے تمام علماء اعلام اس سے مسلک اس کے دل سے معتقد اور زبان سے معترف چلے آرہے ہیں۔ یہاں ہم انہیں مرحومین اور موجودین کے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور پہلے مرحومین کے مسلک سے اپنے قارئین کے دل و دماغ کو منور کرتے ہیں۔ دیوبند کا مسلک ارجمند سب اہل سنت والجماعت کو مبارک ہو۔

☆ دارالعلوم دیوبند کا یہ ۱۴۰۵ھ کا مفصل فتوی یہاں ہدیہ قارئین ہے۔ غور فرمائیں کہ پنجاب کے مماتی گروہ میں اگر کچھ بھی مسلکی صداقت، علمی قوت اور استدلالی شوکت ہوتی تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ہندوستان کے دس ہزار مدارس دینی میں کوئی ایک معروف شیخ الحدیث بھی ان کا ہمنوا نہ ہو اور یہ بدعتی ٹولہ صرف پنجاب میں ضد اور انتشار کے سہارے ایک علیحدہ اختلافی مسلک بنائے بیٹھا ہو۔ اب ان مسالک پر نظر کیجئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

پیشتر اس کے کہ حیات النبی ﷺ کے باب میں ہم ان اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں جو اللہ کے جوارِ رحمت میں جا چکے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ مسلک دیوبند سے کیا مراد ہے۔ یہ کوئی نیا مسلک نہیں۔ یہ اہل سنت کی وہی تاریخی شاہراہ ہے جو پندرہ سو سال سے متصل چلی آرہی ہے۔

معلوم ہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی "مستقل مکتب فکر" کا بانی نہیں اور نہ اکابر دیوبند کے مسلک کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند نے کوئی نیا مسلک ترتیب نہیں دیا بلکہ دارالعلوم کے تمام اکابر انہی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے ما انا علیہ و اصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آ رہے تھے۔ دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسلک عمل کا نام نہ تھا، بلکہ سلف صالحین، اہل تحقیق کی کامل اتباع اور اس کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہل سنت والجماعت اور فروعات میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل پیرا تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں اس مسلکِ فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا رہا ہے۔

اچانک اوپر سے تار ہلا اور جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اوائل ۱۳۲۴ھ میں ان بزرگوں کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے حجاز پہنچ گئے تاکہ علمائے حرمین سے اس پر دستخط لینے میں کامیاب ہوسکیں۔ انہیں ان کے پاس پہنچنے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اردو نہ جانتے تھے اور وہاں علماء دیوبند کی اردو تحریرات بدلے مفہوم سے پیش کی جاسکتی تھیں۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے "موضوعات زیر بحث" اکابر دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کیے اور ان کے عقائد و افکار کو اصول اہل سنت پر جانچنے کی کوشش کی۔ اس کے جواب میں اس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور ۲۶ مفصل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد و افکار یکجا قلمبند کر دیئے اور اس پر اپنی مہریں ثبت کر دیں۔ فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے انہیں لکھا اور حضرت شیخ الہند، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمن صاحب، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہم اللہ جیسے سب بزرگوں نے اس پر تصدیقات تحریر فرمادیں اور فقط اعتماداً نہیں بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر اس پر دستخط کر دیئے۔

چنانچہ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "رَأَیْتُ الْاَجْوِبَۃَ کُلَّھَا فَوَجَدتُّھَا حَقَّۃً صَرِیْحَۃً"

ترجمہ: میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے۔

ان عقائد پر پھر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جامعہ ازہر، مصر و شام کے علمائے کبار (جن میں احناف و شوافع، موالک و حنابلہ، مسالک اربعہ کے اکابر علماء سب شامل تھے) سب نے اس پر تصدیقات فرمائیں اور یہ متفقہ دستاویز "المہند" کے نام سے عقائد علمائے دیوبند کی ایک مرکزی کتاب وجود میں آگئی۔ اس منزل سے گزرنے کے بعد اکابر دیوبند کا مسلک ایک واضح معین اور مشخص صورت میں سامنے آگیا۔ یہ کوئی نیا مسلک نہ تھا، چودہ سو سال کے اکابر علمائے حق کی ہی صدائے بازگشت تھی۔ دیوبندیت کے ضابطہ تحریر میں آنے کے بعد اب یہ امکان نہ رہا کہ کوئی شخص علمائے دیوبند کی طرف کسی ایسے عقیدے کو منسوب کرے جو اکابر کی اس اجتماعی مسلکی دستاویز کے خلاف ہو اور نہ ہی یہ امکان باقی رہا کہ کوئی منسوب بہ دارالعلوم افکار و آراء کے باہمی اختلاف میں اس مرکزی دستاویز سے کچھ تجاوز کر سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اکابر دیوبند کے مسلک پر بھی کہے اور عقائد بھی اس کے اس "مرکزی

مسلکی دستاویز" کے خلاف ہوں اور نہ صرف خلاف بلکہ اس کا ردو ابطال اس کے نزدیک جزو تبلیغ توحید ہو تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کذب و دجل اور دھوکہ وفریب آخر کس بلا کا نام ہے؟ عقل وخرد سے کھیلنے کا یہ خوف ناک منظر ہم نے خود پنجاب میں آنکھوں دیکھا ہے۔

ہندوستان کے سیاسی دور میں ان حضرات میں گو کہیں اختلاف بھی تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ تحریک خلافت میں تھے اور حضرت حکیم الامتؒ اس میں شامل نہ تھے مگر اکابر دیوبند ہونے کے ناطے انہیں حرمین سے آئے ان سوالوں کا ایک جواب دینا پڑا تو اس سے یہ اکابر بطور مسلک پورے ہندوستان میں مشخص اور ایک ہو گئے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مرکزی مسلکی دستاویز کے علاوہ اور دوسرے مسائل میں اختلاف خواہ وہ تعبیرات وتوجیہات میں ہو یا فقہی جزئیات میں، ترجیحات کے باب میں ہو یا تنظیمات عمل میں اصل دیوبندیت کو ہرگز مشتبہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ دیوبندیت اکابر دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا نام نہیں اور نہ دیوبندیت کا معیار اکابر میں سے کسی ایک بزرگ کی تقلید شخصی ہے بلکہ مسلک دیوبند کا مرکزی نقطہ "المہند علی المفند" ہے جسے وقت کے تمام اکابر دیوبند اجماعاً آئینہ دیوبندیت قرار دے چکے ہوئے ہیں۔

مسائل حدیث میں حضرت گنگوہی اور حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے اختلافات توجیہات اہل علم سے مخفی نہیں۔ حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مختلف مواقف عمل سے کون واقف نہیں۔ اور مختلف علمائے دیوبند کے مختلف نظریات بلکہ تفردات کس دور میں نہیں رہے۔ اکابر کی علمی تحقیقات کے ناپیدا کنار سمندر اور تصنیفات کے ضخیم دفاتر اس حقیقت حال کے پُرزور ترجمان ہیں کہ اکابر دیوبند افکار شریعت اور اسرار کتاب وسنت کی تعلیم وتفہیم میں ہمیشہ دقیق النظر اور عمیق الفکر اور سلف صالحین کے متبع رہے ہیں اور انہوں نے اپنی روایتی وسیع النظری کو کبھی گروہی تعصب یا دھڑے بندی کی نذر ہونے نہیں دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء!

افکار وآراء کے ان اختلافات میں کبھی ایک طبقے نے دوسرے کی دیوبندیت کو چیلنج نہیں کیا نہ اسے اس پہلو سے کسی شبہے کی نگاہ سے دیکھا اور نہ کبھی سنا گیا کہ علماء کا فلاں طبقہ مسلک دیوبند سے ہٹ گیا ہے اس لیے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے مختلف نظریات جو ان ابواب میں ہوئے مسلک دیوبند کی مرکزی مسلکی دستاویز "المہند علی المفند" سے کسی طرح متصادم نہ ہوتے تھے۔ مسلک دیوبند کے خدوخال جس آئینے میں مشخص یا معین ہوئے وہ بلا ریب اکابر دیوبند کی اجماعی تحریر "المہند علی المفند" ہی ہے۔ مسلک دیوبند کی حدود باعتبار کمیت کبھی بھی "المہند" سے متجاوز نہیں ہوئیں۔ ہاں باعتبار کیفیت یعنی قوت وضعف کے مختلف بزرگوں کا مزاج مختلف رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ کا مدار اگر صرف "آب حیات" پر ہوتا تو اس سے اختلاف مسلک دیوبند سے خروج نہ تھا اس لیے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مکتب فکر نہیں اور نہ حضرت نانوتویؒ کسی علیحدہ مکتب فکر اور مسلک عمل کے بانی تھے بلکہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جس اصول پر رکھی، وہ سلف صالحین اہل سنت کی اعتقاداً اور عملاً کامل اتباع ہی تھی۔ ان اکابر سے کسی ایک مسئلہ میں اختلاف بہ صورت فکر تو پیش کر سکتا تھا کہ جانب مخالف اہل سنت سے خروج ہے یا یہ اختلاف حدود اہل سنت میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی تھی

کہ یہ مسلک دیوبند سے خروج ہے یا نہیں، اس لیے کہ دیوبندیت حضرت نانوتوی یا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تقلید شخصی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلک دیوبند کا مدار صرف آب حیات پر نہیں، بلکہ "المہند" کی اجماعی مسلکی دستاویز پر ہے پس اس سے اختلاف یقیناً مسلک دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے ورنہ ان تمام اکابر کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے "المہند" کو آئینہ دیوبندیت قرار دیا تھا اور ان تمام بزرگوں کی بھی تجہیل ہوتی ہے جو اسے دوسروں کے سامنے دیوبندی مسلک فکر کے ترجمان کی صورت میں پیش کرتے رہے۔

مسئلہ زیر بحث میں مسلک دیوبند تو "المہند" سے ہی پوری طرح عیاں ہے، تاہم اکابر دیوبند کی علیحدہ علیحدہ تصریحات بھی تائیداً پیش خدمت ہیں۔ انہیں مرحومین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

اکابرِ دیوبند حضرات مرحومین کرام رحمہم اللہ

۱...... حجۃ الاسلام علی العالمین، مرکز دائرۃ التحقیق، قطب افلاک اسرار التشریع

حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم النانوتوی الصدیقی انار اللہ برہانہ (۱۲۹۷ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حسب ارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک کتاب "ہدیۃ الشیعۃ"[1] تحریر فرمائی تھی۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں: "رسول اللہ! بلکہ تمام انبیاء بالیقین قبر میں زندہ ہیں، تو اس صورت میں آپ کی ملک زائل ہونے ہی نہیں پائی، جو وارثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو، بلکہ جیسے ہم تم کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں، اور ہمارے لواحق وغیرہ ہماری اشیاء کو برتیں اور اس سے ہماری ملک زائل نہیں ہوتی اور برتنے والے یا وارث مالک نہیں بن جاتے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے اور آپ بدستور اپنے اشیاء اموال کے مالک ہیں، کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث لانورث ماترکناہ صدقۃ جو ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے۔ اس حدیث کی لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک بقید حیات ہیں، پر شیعہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔" (ہدیۃ الشیعہ ص ۲۶۸، ۲۶۹ از حضرت نانوتویؒ)

---

[1] (ایک ضروری نوٹ) "ہدیۃ الشیعہ" اور "ہدایۃ الشیعہ" دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ اوّل الذکر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی۔ مولانا نانوتوی کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہی کی تحریک پر لکھی گئی تھی۔ یہ آب حیات سے بہت پہلے کی تصنیف ہے۔ حضرت مولانا نانوتوی آب حیات میں لکھتے ہیں: "ارشاد حضرت مجموعہ علم وعمل جامع کمالات عیانی و پنہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب خلیفہ راشد حضرت پیر و مرشد دام اللہ فیوضہ باعث تحریر اصل رسالہ اعنی ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔" (آب حیات ص ۵ مطبع مجتبائی) "ہدایۃ الشیعہ" میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتوی کی افتاد طبع قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے تفرد پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہی کو اس سے بالکل لاتعلق قرار دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہدیۃ الشیعہ (حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر حضرت نانوتوی کی پہلی تصنیف) کے محرک ہی حضرت گنگوہی تھے۔

پھر حضرت نانوتویؒ لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں: ''انبیائے کرام کو انہیں اجسام دنیاوی[1] کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمیہ)

پھر لکھتے ہیں: ''اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق[2] ہوگئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے، منکروں کا کام یہی ہے۔'' (آب حیات ص ۵)

پھر لکھتے ہیں: ''انبیاء کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے پر حسب ہدایت ''کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ '' تمام انبیائے کرام خاص کر حضرت سرور امام ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد[3] بھی ضروری ہے۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۴)

حضرت نانوتویؒ ایک دوسرے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ورودِ موت کا اقرار ان لفظوں میں کرتے ہیں: ''بالجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں استتارِ حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے۔ اگر موت ضد حیات اور صفت وجودی ہو یا بوجہ دیگر اگر موت عدم اور ملکہ حیات ہو اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب باری نے حضرت سرورِ عالم ﷺ کو جدا خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ اور سوا آپ ﷺ کے اوروں کو بھی جدا ارشاد فرمایا: وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اور مثل جملہ لاحقہ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ سب کو شامل کر کے یوں اشاد فرمایا کہ اِنَّكُمْ مَّيِّتُوْنَ بالجملہ جیسے حیات نبوی ﷺ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی اور علماء دیوبند جو آنحضرت کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں، اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات برزخی اسی دنیا والے جسد اطہر سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات بجمیع الوجوہ دنیاوی حیات ہے۔ جب حضرت نانوتوی حیات دنیاوی کے مفہوم اور اس کی حدود کو خود واضح فرما رہے ہیں کہ وہ بعینھا اس دنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیوی کا اطلاق محض ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کے لئے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطلوب و محبوب نہ ہونے کا بیان ہے جو لوگ اس مغالطہ دہی کے سہارے علمائے دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور انتقال دار من الدار کے قائل نہیں۔ انہیں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر کہ آپ نے مغالطے ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ نھی عن الاغلوطات اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔ واللہ ھو الموفق!

[2] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی حیات النبی ﷺ کے مضمون کو محض الزامی طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ اس کا حق ہونا حضرت کے نزدیک محقق ہے۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے۔ افسوس کہ اس باب میں بھی مغالطہ دہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات النبی ﷺ حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا بلکہ آپ نے اسے محض الزامی طور پر تردید شیعہ کے لئے بیان کیا تھا۔ رب العزت تقیہ کی تہمت سے محفوظ رکھے۔

[3] حضرت کی یہ تفریع ان لوگوں کے منہ پر ایک عبرتناک طمانچہ ہے جو یہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت نانوتوی ﷫ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ پر ورود موت ہی نہیں ہوا اور وہ حضور ﷺ کے لئے کسی قسم کی وفات کے قائل نہیں۔ یہ حضرت پر ایک بہتان عظیم ہے۔ ثانیاً اس عبارت سے منکرین حیات کا یہ پراپیگنڈہ بھی بے غبار ہو گیا کہ وفات النبی ﷺ کی یہ مذکورہ آیات حضرت نانوتوی ﷫ کو یاد نہ تھیں یا بیان حیات النبی ﷺ کے وقت مستحضر اور سامنے نہ تھیں۔

اور حیات مومنین امت میں فرق ہے چنانچہ اس کے اثبات کے لیے تقریر وافی اور تحریر شافی کافی اوراق گزشتہ میں گزر چکی ہے۔ایسے ہی موت نبوی ﷺ اور موت مومنین میں بھی فرق ہے اور وجہ بین الموتتین وہی فرق بین الحیاتین ہے اور اسی بناء پر لازم ہے کہ نوم نبوی ﷺ اور نوم مومنین میں فرق ہو۔اس لیے کہ اَلنَّوْمُ أَخُو الْمَوْتِ'

(عزیزی شرح جامع صغیر جلد)

چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلام پاک میں موت اور نوم کو ایک سلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے فرماتے ہیں: ''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا[1]'

جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی چنانچہ ارسال کا تقدم امساک پر دال ہے۔جیسے موت تقدم حیات پر دلالت کرتی ہے۔تو پھر جو حال وقت امساک موت ہوگا وہی حال وقت امساک نوم ہوگا جس کی موت کے وقت استتار حیات ہوگا،اس کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہوگا۔فرق ہو تو شدت استتار وضعف استتار ہو...... چنانچہ آنحضرت ﷺ کا کلام اس ہیچمدان کی تصدیق کرتا ہے فرماتے ہیں: ''تَنَامُ عَیْنَایَ وَ لَا یَنَامُ قَلْبِیْ اَوْ کَمَا قَالَ''

(رواہ البخاری ومسلم بالفاظ مختلفہ)

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ (آب حیات ص۲۱۹،۲۲۰ مجتبائی)

حضرت نانوتویؒ نے ''آب حیات'' کو ''تقریر ابوت نبوی'' (تسوید تقریر ابوت نبوی آبِ حیات ص ۶۳،ص ۷۳،ص ۱۰۸،ص ۱۴۷،ص ۱۶۵ بلکہ اس کے آگے تک پھیلتی گئی ہے) تک پہنچا کر پھر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔وہ خود لکھتے ہیں: ''بغرض اطمینان وتصدیق[2] مولانا ومخدومنا رونق طریقت زیب شریعت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ وادام فیوضہ کی خدمت میں عرض کی۔'' (آب حیات ص ۲۰۷)

---

[1] فیمسک التی قضٰی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمی (الزمر:۴۲) یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت بھی اور نیند کے وقت بھی۔پھر انہیں ان کے متعلق روکے رکھتا ہے جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا......اور دوسری جانوں کو پھر لوٹا دیتا ہے کچھ مدت کے لئے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے۔مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جن سے حیات باطل نہیں ہونے پاتی۔(جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اسے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے۔لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔(فوائد القرآن للشیخ العثمانی ص۶۱۶) ہاں انبیائے کرام ﷩ سے نیند کے وقت بھی روح نہیں نکلتی۔اسی سے حقیقت موت پر بھی غور کرو۔واللہ اعلم!

[2] حضرت گنگوہی کی تصدیق ان کی اپنی کتاب ہدایۃ الشیعہ میں بھی ہے۔فرماتے ہیں: ''اس مضمون حیات کو بھی مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔'' (ص ۱۸ مطبع مجتبائی)

حضرت گنگوہی ﷫ کے اس ارشاد میں بمالا مزید علیہ (کہ اس پر اور کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا) کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ﷫ بھی آب حیات کے متعلق فرماتے ہیں: ''مولانا گنگوہی قدس سرہ ''ہدایۃ الشیعہ'' اور رسالہ ''حج'' وغیرہ میں بھی اس کی تصریح وتائید فرما رہے ہیں۔'' (الشہاب الثاقب ص ۴۸ برقی پریس دہلی)

آب حیات کے پہلے ورق پر مرقوم ہے: ''رسول اللہ ﷺ ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزیں ہیں، جیسے ان کا مال قابل اجرائے حکم میراث نہیں ہوتا، ایسے ہی آپ کا مال بھی محل توریث نہیں۔'' (ایضاً)

پھر فرماتے ہیں: ''ارواحِ انبیاء کو بدن سے علاقہ بدستور رہتا ہے۔ ہر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے۔'' (جمال قاسمی ص ۱۳)

پھر لکھتے ہیں: ''سماع انبیاء ﷩ بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لیے ان کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے، جیسے ایام حیات میں ''احیاء'' کی زیارت ہوا کرتی ہے۔'' (ایضاً ص ۱۶)

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت نانوتویؒ حضور ﷺ پر ورودِ وفات کے ہرگز منکر نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی انہیں پوری تائید حاصل تھی اور وہ اپنی رائے میں منفرد نہ تھے۔ آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ان سے اوجھل نہ تھی وہ اسے ان مباحث میں پڑھتے بھی تھے اور تشریح بھی کرتے تھے اور آپ کی یہ تشریح اسلاف امت کے خلاف نہ تھی۔ حقیقت یہی ہے البتہ جھوٹ کا کوئی علاج نہیں۔

۲...... فخر المحدثین قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

''ولان النبیین صلوٰت اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احیاء فلا معنی لتوریث الاحیاء منہم''

(الکوکب الدری ج ۱، ص ۴۲۳)

ترجمہ: چونکہ انبیائے کرام ﷩ سب کے سب زندہ ہیں اس لیے ان کے آگے ان کی وراثت چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ونبی اللہ حی یرزق[1]'' (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹)

اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''آب حیات'' میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔ (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸ مجتبائی)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت نانوتویؒ کے پورے حامی تھے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں: ''(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء ﷩ کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے، اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہائے نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ (ثُمَّ يَسْئَلُ النَّبِيَّ الشَّفَاعَةَ يَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ، فتح القدیر آخر کتاب الحج ج ۲ ص ۳۳۷ مصر) پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔

---

[1] شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہی کی اس حیات النبی کی تقریر کے متعلق لکھتے ہیں: ''تقریر الیقا ینبغی ان یکتب بماء الذھب'' ایسی عمدہ تقریر ہے کہ سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے۔

(اوجز المسالک ج ۶ ص ۴۸۲)

معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے اپنے روضہ اطہر میں خود سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر پورے اجماع امت کا منکر ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری[1] دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اونچا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیائے کرام کی ارواح مشاہدہ جمال وجلال حق تعالیٰ شانہ وتقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس طرح پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ''إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ'' اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے انتہی کلامہ الشریف۔''

(حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ!)

۳...... رئیس المحققین زبدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ (۱۳۳۹ھ)

''المہند علی المفند'' میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے: ''عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسلة حیّ فی قبره الشریف وحیوته ﷺ دنیویة برزخیة لکونه فی عالم البرزخ'' (اعزازیہ دیوبند)

اس پر حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں: ''هو معتقدنا ومعتقد مشائخنا جمیعا لا ریب فیه'' (المہند ص ۳۶)

ترجمہ: ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تصحیح کردہ ابوداؤد کے حاشیہ ص ۱۵۷ میں ہے: ''ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی ﷺ کجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قاله علی وجه الصواب'' (ص ۱۵۷)

ترجمہ: وفات شریفہ کے بعد حضور ﷺ پر درود شریف کیا صرف روح مجرد پر پیش ہوا کرے گا یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عرض ہوگا؟ حضور ﷺ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔

۴...... فخر المحدثین زبدۃ العارفین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ

''ان النبی ﷺ حیّ فی قبره کما ان الانبیاء علیهم السلام احیاء فی قبورهم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابها کما لا فرق''

علمائے دیوبند کی مرکزی علمی دستاویز المہند کے مصنف یہی بزرگ ہیں۔ المہند کی تالیف سے برسہا برس پہلے آپ نے مولانا عبدالسمیع رامپوری کی کتاب انوار ساطعہ کے جواب میں براہین قاطعہ لکھی تھی۔ یہ کتاب حضرت

---

[1] حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آرہا ہے۔ یہاں صرف حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا۔ اس لئے اس پر کفایت ہے۔

گنگوہیؒ کے حکم سے لکھی گئی اور ان کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا احمد رضا خاں میدان میں نہ تھے نہ ابھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تکفیر کی مہم شروع کی تھی۔ اس میں آپ نے اپنا عقیدہ حیات النبی ان الفاظ میں لکھا ہے:

''اس بات کو خوب یاد کر لینا ضرور ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء ﷩ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت ان پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت چاہے حق تعالیٰ دنیا کے احوال ان پر کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت وندا اور عرض وحالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدوں اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے۔''

(براہین قاطعہ ص ۱۹۹، ۲۰۰ تقطیع کلاں)

اس عالم میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ اس جہان (عالم دنیا) کے فرد ہو گئے۔ آپ کی یہ تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے ہی ہوگی جس طرح معراج کی رات عالم برزخ کے ان مسافروں کی بیت المقدس تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے تھی اور اس میں اس زندگی (دنیا کی زندگی) کے لوازم گرمی سردی بھوک اور پیاس وغیرہ نہ تھے۔ اس عالم میں عالم برزخ کے مسافر اسی پیرایہ میں آتے ہیں۔

یاد رکھیے! آپ نے عقیدہ حیات النبی ﷺ صرف مولانا احمد رضا خاں کے جواب میں ترتیب نہ دیا تھا پہلے سے یہ حضرات اس عقیدہ پر چلے آرہے ہیں اور براہین قاطعہ اس پر شاہد ہے۔

''فی حضورہ وغیبته فی زمان حیاته ولهذه العلة لم یذهب الیه احد من الائمة''

(بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

ترجمہ: یقیناً نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں، یا پردہ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار سے) کوئی فرق نہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں: ''ان الانبیاء فی قبورهم احیاء'' (ایضاً ص ۱۶۰)

ترجمہ: یقیناً انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

رأس الاتقیاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر اس یقین کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا تذکرۃ الخلیل میں ہے: ''آستانہ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی آواز نکالنا تو کیا مواجہہ شریفہ کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ خوفزدہ مودبانہ، دبے پاؤں آتے اور مجرم وقیدی کی طرح دور کھڑے ہوئے بکمال خشوع صلوٰۃ وسلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آں حضرت ﷺ حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔'' (تذکرۃ الخلیل ص ۳۰۶)

پھر لکھتے ہیں: ''عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة ﷺ حیّ فی قبره الشریف وحیوته ﷺ دنیویة من غیر تکلیف... فثبت بهذا ان حیوته دنیویة لکونها فی عالم البرزخ'' (المہند ص ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات (اس دنیا والے جسد اطہر میں ہونے کے اعتبار سے) دنیاوی ہے، ہاں (بجمیع الوجوہ دنیاوی نہیں) اس میں آپ ﷺ مکلف بالا حکام نہیں پس آپ کی حیات اس طرح دنیاوی اور عالم برزخ میں ہونے کے لحاظ سے برزخی ہے۔

۵...... شیخ الاتقیاء زبدۃ الصلحاء حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ

حضرت رائے پوری قدس سرہ العزیز مذکورۃ الصدر ''المہند علی المفند'' (جس کی عبارت در بارہ حیات النبی ﷺ اوپر ہدیۂ قارئین ہو چکی ہے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''الذی کتب فی ھذہ الرسالۃ حق صحیح وثابت فی الکتب بنص صریح وھو معتقدی ومعتقد مشائخی رضوان اللہ علیھم اجمعین احیانا اللہ بھا و اماتنا علیھا وانا العبد الضعیف عبدالرحیم عفی عنہ الرایفوری'' (ایضاً ص ۴۸)

ترجمہ: جو کچھ اس رسالہ ''المہند'' میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نص صریح کے ساتھ موجود ہے یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے۔ میں ہوں بندہ ضعیف عبدالرحیم عفی عنہ رائے پوری۔

۶...... امام کبیر محدث شہیر حضرت مولانا العلامۃ الشیخ امام انور شاہ صاحب کشمیریؒ

''یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶ مصنفہ انور شاہؒ)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کہ ''انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں'' کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں، بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص انبیاء (روح وبدن کے) مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔

پھر لکھتے ہیں: ''المراد بحدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' انھم ابقوا علی ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم فلا یرد أن الروح بنفسہ یستطیع الصلوٰۃ ورد السلام فکیف وجہ فی الحدیث بقاء الحیوۃ بفعل الصلوٰۃ وکذا رد السلام برد الروح'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اسی حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں اور (فائز الحیات ہو کر اشتغال باعمال طیبہ کی) یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادائے نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضور ﷺ نے حیات النبی ﷺ کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح لوٹنے (متوجہ ہونے کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا)

پھر ارشاد ہوتا ہے: ''قولہ فنبی اللہ حیّ یرزق واحیاء فی قبورھم یصلون تسرد فی ذکر الحیوۃ افعالھا لا اصلھا اوراد مع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض'' (ایضاً)

ترجمہ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں، بلکہ افعال حیات (زندہ والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا یوں کہیے کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

۷...... حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃ الغراء، قامع البدعۃ الظلماء،

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت ابوالدرداء ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے۔ پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف: پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء ﷩ میں ان سے اکمل واقویٰ ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں (کذافی المواہب) اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے۔ (نشر الطیب ص ۳۵۷،۳۵۸ شائع کردہ ادارہ اشرفیہ لاہور)

ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے، دو وجہ سے، ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضور ﷺ قریب ہی تشریف رکھتے ہیں، نداء غائب لازم نہیں آتی۔ (ایضاً ص ۴۳۱)

شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے، جس میں حضرات انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۴۹ تاج کمپنی)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دور تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف سننے میں نہ آیا تھا۔ علمائے دیوبند کے مخالفین بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ تھے آپ فرماتے ہیں: (۱) جب حضور ﷺ کا جسد اطہر موافقین ومخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ زمین جس سے جسم مبارک خصوصی مع الروح مس کیے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔

(ثلج الصدور ص ۱۵۲، امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۱۹، راس الربعین ص ۵۱۴)

(۲) ایک دوسری جگہ حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اس لیے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔'' (شکر النعمۃ ص ۴۴)

(۳) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیوں کہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود بہ تلبیس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق پہنچتا ہے۔''

اس کے بعد حضرت نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ: تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیائے کرام ﷩ کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس

ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں کھا سکتی حدیث شریف میں ہے: ''حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض''

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔ ''نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماتر کنا صدقة'' (انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے)

یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علما محققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے۔ ان دونوں امروں سے ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقوی ہونا ثابت ہوا۔

بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور ﷺ کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں اور ان کو بھی حضور ﷺ کی حیات کا اقرار ہے چنانچہ ایک واقعہ سے...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔

(وعظ الحبور ص ۱۳ راس الاربعین ص ۵۱۱)

(۴) حضرت حکیم الامتؒ ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں: ''خوب سمجھ لو کہ حضور ﷺ کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ بوجہ ظاہری موت کے آپ ﷺ کو میت کہہ سکتے ہیں ورنہ واقع میں آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتی کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھاتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔'' (تعظیم الشعائر ص ۱۶)

(۵) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''ایک شخص نے حیات النبی ﷺ میں مجھ سے گفتگو کی میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے: ''بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیوں کر زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں۔ اس میں تو حدیث صریح موجود ہے اور نکتہ تائید کے درجہ میں ہے۔'' (الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۳۱۷)

(۶) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''حضور ﷺ کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے، وہ حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے۔'' (وعظ الظہور ص ۵۱)

(۷) ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''آپ ﷺ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔'' (التکشف ص ۴۳۶)

ایک مرتبہ فرمایا کہ: "مدینہ طیبہ جانے والا یوں کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔" (التبلیغ ص ۴)

(۸) حضرت حکیم الامتؒ کے ایک خلیفہ جب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو آپ کے پاس آئے آپ نے ان سے فرمایا کہ: "جب تم مدینہ منورہ روضہ اقدس پر حاضر ہو تو میرا اسلام اس طرح عرض کرنا: یاسیدی یارسول اللہ اشرف علی خویدمک یسلم علیک ویسئلک ان یدعو اللہ تعالیٰ ان یدخلہ فی عشاقک وخدام دینک ویحشرہ معک" (القول الجمیل حصہ اوّل ص ۴)

(۹) حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ: "بس اب میں بیان کو اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور ﷺ کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا۔"

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو عرض کیا۔ السلام علیک یا جدی جواب مسموع ہوا۔ وعلیک السلام یا ولدی اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها تقبل الارض عنی وهی نائلتی

فهذه دولة الاشباح قد حضرت فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔ (شکر النعمۃ ص ۴۴، الاضافات ج ۵ ص ۲۴۴)

(۱۰) پھر فرماتے ہیں: "آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔" (التکشف ص ۲۲۶)

"مدینہ منورہ جانے والے...... یوں کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔" (وعظ التبلیغ)

مذکورہ بالا تحریرات وارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ رسول اکرم ﷺ کے قبر اطہر میں زندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

۸...... رئیس المتکلمین، خاتم المحققین، محدث کبیر، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

"الانبیاء احیاء عند ربهم یرزقون" (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۳۰)

ترجمہ: انبیائے کرام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔

"ان النبی ﷺ حیّ کما تقرر وانه یصلی فی قبره باذان واقامة" (ایضاً ص ۴۱۹)

ترجمہ: بے شک حضور اکرم زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

"اما بعد وفاته فروحه المقدسة ﷺ قد استقرت فی الرفیق الاعلی مع ارواح الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام ولا یتوهم من هذا انکار حیاته فی قبره الشریف فان لروحه اشرافا علی البدن المبارک المطیب واشراقا وتعلقا به وبدنه فی ضریحه غیر مفقود واذا سلم علیه المسلم رد الله علیه روحه[1] حتی یرد

[1] قال شیخ الاسلام المراد بقول رد الله علی رد روحه کانت سابقة عقب دفنه لا انها تعاد ثم تنزع ثم تعاد کما فی الفتح ص ۳۳۰

کما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلی ومن کثف ادراکه وغلظت طباعه من هذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلها" (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱)

ترجمہ: وفات شریفہ کے بعد آپ کی روح مقدسہ دوسرے انبیائے کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے لیکن اس سے آپ کا اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی روشنی اس پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ کا بدن مبارک قبر سے ہرگز غائب نہیں ہوا[۱] اور جب بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو آپ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اس کے باوجود آپ ملاء اعلیٰ اعلیٰ علیین سے جدا نہیں ہوتے، جس کا ادراک کثیف ہو اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علو محل میں دیکھنا چاہیے۔

۹...... محدث شہیر، مجاہد کبیر، عمدۃ الفقہاء، رأس الاتقیا، مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ:

حضرت مفتی اعظم "المہند" (جس میں مسئلہ حیات النبی ﷺ ایک مستقل سوال اور جواب کی صورت میں مرقوم ہے) اس پر لکھتے ہیں: "رأیت الاجوبة کلها فوجدتها حقة صریحة لا یحوم حول سرادقاتها شک ولا ریب وهو معتقدی ومعتقد مشائخی" (المہند ص ۵۲، اعزازیہ)

ترجمہ: میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں[۲] اور انہیں حق صریح پایا ہے کوئی شک یا ریب اس کے اردگرد بھی گھوم نہیں سکتا۔ یہی میرا عقیدہ ہے اور میرا سب مشائخ بھی انہی عقائد پر تھے۔

۱۰...... رئیس المحدثین، امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ الہند والحجاز

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ اسرارہم

نجدی[۳] اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانے تک ہے جب

---

[۱] جیسا کہ علامہ قونوی ﷫ کی رائے ہے۔ والتفصیل فی جذب القلوب!

[۲] یہ تصریح ان لوگوں کے لئے مقام عبرت ہے جو محض اپنے موقف کی حمایت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی دوسرے اکابر دیوبند کے نام "المہند" پر صرف اعتماداً دستخط کر دیئے تھے۔ عبارات خود نہ دیکھی تھیں۔ دیکھئے حضرت مفتی صاحب کس طرح واضح طور پر تصریح فرما رہے ہیں کہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں، اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مسلکی حمایت میں جھوٹ بولا ہے۔ انہوں نے جوابات خود ہرگز نہ دیکھے تھے تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

[۳] اس سے مراد نجدیہ متاخرین ہیں۔ ورنہ متقدمین نجدیہ تو اجماع امت کے مخالف نہ تھے۔ شیخ کبیر عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں: "والذی نعتقدان رتبة نبینا اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حی فی قبره حیوٰة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذا هو افضل منهم بلاریب وانه یسمع من یسلم علیه" (اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ مطبوعہ کانپور)

تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے جو احاد امت کو ثابت ہے، بعض ان کے حفظ جسد نبی کے قائل ہیں، مگر بلا علاقہ روح اور متعدد لوگوں کی زبان سے بالفاظ کریہہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں در بارہ حیات نبوی علیہ السلام سنا جاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے۔ اب غور فرمایئے کہ ان اکابر کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب تحریر فرمائی ہے جو کہ مشہور بین العالم ہے اس میں کس زور شور سے حیات نبوی کا اثبات کیا ہے اور مذہب اہل سنت والجماعت[1] اور فضائل نبوت میں کسی درجہ اور قوت کے دلائل درج فرمائے ہیں۔ مولانا گنگوہی قدس سرہ ''ہدایۃ الشیعہ'' اور رسالہ ''حج'' وغیرہ میں بھی اس کی تصریح و تائید فرما رہیں۔ چونکہ اس مسئلہ میں خصوصاً ان حضرات کی عبارتیں بہت طویل واقع ہو رہی ہیں۔ اور متعدد رسالے اسی مضمون کے تفصیلاً و اجمالاً چھپے ہوئے مشہور ہیں۔ اس لیے بخوف تطویل میں نقل نہیں کرتا ہوں جس کا جی چاہے ''آب حیات'' و ''ہدیۃ الشیعہ'' و ''اجوبہ اربعین'' و ''لطائف قاسمیہ'' و ''ہدایۃ الشیعہ'' و ''زبدۃ المناسک'' وغیرہ رسائل میں دیکھ لیوے[2] یہ ایک خاص مسئلہ ہے، جس میں وہابیہ نے علمائے حرمین کی مخالفت کی ہے اور بارہا جدال ونزاع کی نوبت آئی۔ اس مسئلہ میں اور مسئلہ آئندہ کی وجہ سے وہاں وہابی سنی سے ممتاز[3] ہوتا ہے۔

(رجوم المذنبین ص ۴۸، ۴۹ مطبوعہ بمبئی جید برقی پریس دہلی، مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ)

پھر حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں: ''یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ اس لیے دوام حیات لازم آئے گا۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام ج۱، ص ۲۴۳، ۲۴۴ مطبوعہ اعظم گڑھ)

محمد بن عبد الوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند) کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز (بین اہل السنۃ وبینہم) ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں وہ وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے ''علاقہ بین الروح والجسم'' کے منکر ہیں[4] اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں[5] اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں رسالہ ''آب وحیات'' نہایت مبسوط رسال خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے[6] نیز ''ہدایۃ الشیعہ''، ''اجوبہ اربعین'' حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔ (نقش حیات ج۱ ص ۱۰۴)

---

۱ اس سے معلوم ہوا کہ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے جو اس کا قائل نہیں، وہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔

۲ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ میں حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کے مابین کوئی اختلاف نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کا عقیدہ ایک ہی تھا۔

۳ اس سے معلوم ہوا کہ اس حیات النبی ﷺ کے اقرار سے ہی کسی کا سنی ہونا پہچانا جاتا ہے۔

۴ حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیات جسمانی اور بقاء علاقہ ''بین الروح والجسم'' کے منکر اہل سنت میں سے نہیں اور وہ دیوبندیت سے بھی خارج ہیں۔ (حاشیہ نمبر ۵، ۶ اگلے صفحہ پر)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز آں حضرت ﷺ کی شان مبارک میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں، جن کے حریم معلی تک جلیل القدر علمائے امت کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کرسکتا تھا۔ رسالہ ''آب حیات''، ''قبلہ نما''، ''تحذیر الناس''، ''ہدیۃ الشیعہ''، ''اجوبہ اربعین''، ''قاسم العلوم''، ''مناظرہ عجیبہ'' وغیرہ ایسے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں۔ (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۴)

دس اکابر دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا بیان ختم ہوا۔ ''تلک عشرۃ کاملۃ''

اکابر دیوبند حضرات موجودین دامت برکاتہم

۱...... صدر الافاضل، فخر الاماثل، جامع شریعت وطریقت

حضرت العلامہ، الحاج، القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت قاری صاحبؒ لکھتے ہیں: ''مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متوارث ذوق کا تعلق ہے دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت کو حیات دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دارالعلوم سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیات دنیوی (کہ اس عالم برزخ کی حیات اسی جسد اطہر میں ہے، جو اس دنیا میں تھا) ہے پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا جو ان کے مطبوعہ فتاوی ومقالات میں محفوظ ہے۔ پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، حضرت مولانا مرتضی حسن صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند رحمہم اللہ وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں اس لیے دیوبندیت تو حیات النبی ﷺ کے بارے میں حیات دنیوی (باعتبار ابدان دنیا) ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔''

(الصدیق ملتان شمارہ نمبر ۳۰، ماہ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ)

---

۵ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیت صرف یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے تعلق بین الروح والجسم کا اقرار کرلیا جائے۔ بلکہ دیوبندی ہونے کے لئے اس کا مثبت ہونا (خواہ تحقیقاً ہو، خواہ تقلیداً) اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لئے پوری طرح فکر وقوت صرف کرنا ضروری ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لئے پیام عبرت ہے جو اس تعلق روح وجسم کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر اس کے اثبات میں مصلحتاً خاموش ہیں۔

۶ معلوم ہوا کہ آب حیات لکھنے کی غرض محض رد روافض ہی نہیں۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ بلکہ اصل مقصود عقیدہ حیات النبی ﷺ کا اثبات تھا۔

''نحمدہ ونصلی، احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ''المہند'' وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بجسد عنصری زندہ ہیں، جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیو بند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔''

محمد طیب مدیر دار العلوم دیو بند حال وارد ملتان۔ (یہ اصل تحریر مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان میں موجود ہے)

پھر حضرت قاری صاحب ارشاد فرماتے ہیں: ''آب حیات'' وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے درسا درسا پڑھی تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا۔ میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں، تو انہوں نے بایں ذہن وذکاء فرمایا کہ میرے بس کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہوسکتی ہے؟

حاصل[1] یہ ہوا کہ سرور عالم ﷺ ہر آن مشاہدہ جمال الٰہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں اور امت کی طرف بھی آپ ﷺ کی توجہ ہر لحہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں، یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارف کامل حالتِ کشف میں اپنے محبوب کے جمال جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا تو اس نے سرور عالم ﷺ کو اس حال میں پایا: ''ورأیتہ مستقرا علی حالۃ واحدۃ... متوجھا الی الخلق لابسا لباس العظمۃ ... فاذا توجہ الیہ الانسان بجھد ھمتہ ولا ارید الانسان العالی الھمۃ فقط بل کل ذی کبد یشتاق الی شئی ویتوجہ الیہ بتصدہ وشوقہ فانہ یتدلی الیہ... ورأیتہ ﷺ ینشرح انشراحا عظیما لمن ﷺ ومدحہ''

ترجمہ: میں نے سرورِ عالم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ بندگان الٰہی کی طرف متوجہ تھے پوری توجہ کے ساتھ عظمت وبڑائی کا لباس آپ ﷺ کے زیب تن تھا۔ جب کوئی خدا کا بندہ ذوق وشوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرور عالم اس سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجا اور آپ کی تعریف کی تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے ان کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''فیوض الحرمین'' میں ذکر[2] کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!

(فیوض الحرمین ص ۲۳)

(مضمون حضرت العلامہ القاری محمد طیب صاحب ماہنامہ دار العلوم دیو بند، ربیع الاول ۷۲ھ...... ۱۹۵۳ء)

۲...... زبدۃ المحدثین، شمس العارفین، شیخ المشائخ، شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مکرم ومحترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون

۱؎ جو شبہات منکرین حیات کی طرف سے حدیث ''ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی'' پر وارد کئے جاتے ہیں۔ ان کا ازالہ فرمانے اور مضمون حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

۲؎ پھر یہ بھی فرماتے ہیں: ''مالو جھت قبل قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الا ورأیتہ حاضرا ظاھرا اماہان الفتح بصور روحی فرأیتہ علی ماھو وامان تالرت نفسی منہ تالرا'' (فیوض الحرمین ص ۳۳ مطبوعہ دیو بند)

نہایت طویل گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے ایسے شخص کو مخاطب بنایا جو نہ تو مفتی نہ مولوی، اس ناکارہ کی حقیقت ایک نقل نویس کی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں، جو اکابر و اسلاف کی کتاب میں ملتا ہے اسی کو ادھر ادھر نقل کرتا رہتا ہوں، اسی کا نام شرح موطا ہے، یہی تبلیغی رسائل کی حقیقت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ دونوں طرف کے کچھ لوگ تحریر کو قبول کرنے کو آمادہ ہیں، موجب تعجب ہے جن حضرات کو اس ناکارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی تحریرات قابل قبول نہیں ہیں وہ اس ناکارہ کی تحریر کو کیا قبول کر سکتے ہیں، بہر حال یہ ناکارہ ان اکابر کا بالکل متبع ہے۔ ان کے اس صاف ارشادات اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائپوری حضرت تھانوی قدس اللہ اسرار ہم نے بلا کسی اجمال کے ''ھذا معتقد نا و معتقد مشائخنا'' لکھا ہے۔ کیا کوئی گنجائش ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا جا سکے۔

جو نصوص آپ نے ممات کے متعلق لکھی ہیں۔ ان سے کوئی پڑھا لکھا انکار کر سکتا ہے؟ بالخصوص جن حضرات کی راتیں ہمیشہ تلاوت قرآن اور دن ساری عمر تدریس بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث میں گزریں، ان کو کبھی بھی پتہ نہ چلا کہ قرآن پاک کی آیات میں کیا وارد ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کیا فرمایا۔ ان میں سے حضرت رائے پوری قدس سرہ کے علاوہ کون سا ایسا ہے جس کی عمر کا معتد بہ حصہ تدریس حدیث میں نہیں گزرا اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے علوم و معارف کو سننے والے ابھی تک دنیا میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی نہ قرآن پاک کی کسی آیت کا پتہ چلا، نہ حدیث پاک میں کوئی ممات والی روایت ان کی نظر سے گزری۔ یہ ناکارہ اپنے ان اکابر کے متعلق وہی عقیدہ رکھتا ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے اکابر یعنی صحابہ کرام ﷡ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: ''فانھم علیٰ علم وقفوا و ببصر نافذ کفوا و ھم علی کشف الامور کانوا اقوی و بفضل ما کانوا فیہ اولی...... فما دونھم من مقصر و ما فوقھم من محسر و قد قصر قوم دونھم فجفوا و طمح عنھم اقوام فغلوا و انھم بین ذلک لعلی ھدی مستقیم'' (ابوداؤد ج ۲، ص ۲۷۷ کتاب السنۃ) حقیقت یہ ہے کہ اس دور فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ سلف صالحین کے خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے۔ حضرت معاذ ﷜ کی پیش گوئی ''ان من ورائکم فتنا یکثر فیھا المال ویفتح فیھا القران حتی یاخذہ المؤمن والمنافق والرجل والمرأۃ والکبیر والصغیر والعبد والحر فیوشک قائل ان یقول ما للناس لا یتبعونی وقد قرأت القران ما ھم بمتبعی حتی ابتدع لھم غیرہ فایاکم ما ابتدع... الخ'' لہٰذا یہ ناکارہ تو حذو النعل بالنعل ان حضرات کا جامد متبع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ بھی ان اکابر کی تحقیق کے خلاف ہے تو وہ لغو ہے، ناقابل التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی نامہ کے مستفسرات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ جیسا حیات کے درجات متفاوت ہیں، جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے لکھا اسی طرح ممات کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صریحہ میں موت کا اطلاق کیا گیا، سونے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے ''الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا'' وارد ہے، قرآن پاک میں ''اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا۔ الآیۃ'' میں نوم پر وفات کا اطلاق کیا گیا ''لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ'' میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ لہٰذا جن نصوص میں حضور اقدس ﷺ پر موت کا اطلاق کیا گیا ان میں سے کوئی سی بھی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ یا اکابر دیوبند یا مہند کے خلاف نہیں ہے، حضرت صدیق اکبر ﷜ کے خطبہ میں بھی وہی موت مراد ہے

جو حضور اکرم ﷺ کی شایان شان ہے خود حضرت عمر ﷛ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں اس کی واضح تائید کرتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمر ﷛ کسی نوع ممات کے بھی قائل نہ تھے چنانچہ ان کا ارشاد ''ان رجالا من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ ﷺ توفی واللہ ما مات ولکن ذھب الی ربہ کما ذھب موسیٰ ابن عمران واللہ لیرجعن رسول اللہ ﷺ کما رجع موسی فلیقطعن ایدی رجال وارجلھم زعموا ان رسول اللہ ﷺ مات'' بیہقی کی روایت سے خود حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت ''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ الآیۃ'' کے متعلق فرماتے ہیں ''واللہ ان کنت اظن انہ ﷺ سیبقی فی امتہ حتی یشھد علیہ باخر اعمالھا وانہ ھو الذی حملنی علی ان قلت ما قلت'' لہٰذا شیخین ﷠ کے مکالمہ کو موجودہ مسئلہ متنازعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمر ﷛ موت کا بالکلیہ انکار فرماتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ ابھی واپس تشریف لے آئیں گے اس لحاظ سے حضرت صدیق اکبر ﷛ کا رد بالکل صحیح اور واضح ہے کہ بنوع من الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار صرف موت بجمیع الوجوہ سے ہے کہ نوع خاص من الحیات فی الجسد الاطہر باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجساد انبیاء کے بقاء کی قائل ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع کی بھی حیات نہ مانی جائے تو یہ حدیث پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کا پاک ارشاد اس حدیث پاک میں یہ ہے ''اکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیَّ'' اس پر صحابہ کرام ﷢ کو اشکال ہوتا ہے۔ قالوا یا رسول اللہ! کیف تعرض وقد بلیت اس پر حضور ﷺ جواب فرماتے ہیں: ''ان اللہ حرم۔ الخ'' آپ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیوۃ کی نہیں تو حضور ﷺ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال ''کیف تعرض'' کا جواب کیسے بن گیا، روایت بھی صحیح ابن حبان کی ہے اور حاکم نے اس کو علی شرط البخاری بتایا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا۔ ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ باجماع امت قبر اطہر کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے متصل ہے، کعبہ شریف بلکہ عرش معلیٰ سے افضل ہے کیا یہ فضلیت صرف اس جسد اطہر کی ہے، جس کے ساتھ کبھی روح کا تعلق رہ چکا ہے، اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر موئے مبارک جو کبھی جسد اطہر پر پڑ چکا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ بہر حال یہ ناکارہ تو اکابر دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ ''المہند'' میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے، اس سے آپ کے جملہ سوالات کا جواب واضح ہو گیا مختصر نمبر وار بھی عرض ہے۔ لیکن آپ نے ص ۵ پر سوالات کر کے گرامی نامہ ختم کر کے ص ۶ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیر کے ساتھ درج کر دیئے، یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہر حال ہر دو کے جواب حسب ذیل ہیں: صفحہ نمبر ۵:

(۱) اجساد انبیاء کرام ﷩ میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔

(۲) یہ ظاہر ہے کہ حیوۃ تو روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کے حیاۃ کا کیا مطلب؟

(۳) اگر ایسی حیات ہوتی جو ہر ذرہ کائنات میں ہوتی ہے، تو پھر انبیاء کی کیا تخصیص رہی؟ علامہ علامہ سخاویؒ فرماتے ہے۔ ''نحن نؤمن و نصدق بانہ ﷺ حیٌ یرزق فی قبرہ'' (القول البدیع ص ۱۲۵)

(۴) ایک دیوبندی سے یہ سوال کہ علماء دیوبند کا یہ قول قابل اقتداء ہے یا نہیں، بے محل ہے۔ علامہ سخاویؒ تو امام بیہقی کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ''قال البیھقی وفی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ھریرۃ ﷛ انہ لقیھم ببیت المقدس وفی حدیث ابی ذر ﷛ ومالک بن صعصعۃ فی قصۃ المعراج انہ لقیھم فی جماعۃ من

الانبياء بالسموات فكلمهم و كلموه و كل ذلك صحيح لا يخالف بعضهم بعضا فقد يرى موسىٰ علیہ السلام قائما يصلي في قبره ثم يسرى بموسىٰ وغيره الى بيت المقدس كما اسرى بنبينا فيراهم فيه ثم يعرج بهم الى السموت كما عرج بنبينا فيراهم فيها كما اخبر قال و حلولهم في اوقات مختلفة لمواضع مختلفات جائز في العقل كما ورد به خبر الصادق وفي كل ذلك دلالة على حيوتهم'' (ایضاً ص ۱۲۶)

یہ تو بہت ہی صاف ہے۔ لیکن اگر یہ حضرات اپنی قبروں میں روح مع الجسد ہوں اور دوسری مواضع میں روح متمثل ہو جیسا کہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

(۵) جو شخص حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے، حضور اقدس ﷺ اس کو سنتے ہیں۔ ''من صلى على عند قبرى سمعته'' نص صریح ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے ''سند جید'' (دیکھو شفاء السقام ص ۱۴۱) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے تا کہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے۔ اگر کوئی فرق نہیں تھا تو ان کا یہ فعل عبث تھا، فقط۔

اس کے بعد صفحہ نمبر ۶ پر پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں؟

(۱) یہ اوپر بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیاۃ ہے۔

(۲) یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع حیاۃ کی ہے۔

(۳) مجھے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ مہند میں حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائپوری ﷭ وغیرہ کا یہ ارشاد ''هذا معتقدنا و معتقد مشائخنا'' واضح ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں حضرات کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہ ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے ''انک میت'' الآیۃ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی اونچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے، مگر انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مشاہدہ جمال وجلال حق تعالیٰ شانہ وتقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ آپ بھی غور کیجئے کہ ہم ناواقف ان واصلین کے علوم تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔

(۴) معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا مقصد ہے یقیناً مہند میں جو ہے صحیح ہے، شہاب ثاقب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔

(۵) حضرت رائپوری دام مجدہم بار بار زبانی اور تحریری ارشاد فرما چکے ہیں کہ میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے اس وقت بھی یہی فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں ۸۰ سال سے متجاوز ہو کر ''مَنْ يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـئًا'' میں داخل ہو گیا ہوں اور بھی کسر نفسی کے الفاظ ارشاد فرمائے، جن کی نقل دشوار ہے کہ میں ان حضرات اکابرؒ کے مقابلے میں کیا چیز ہوں۔

نوٹ: علامہ ذہبیؒ کا قول جرح و تعدیل میں معتبر ہے لیکن ہر شخص کے قول کو دیگر اہل فن کے اقوال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جرح و تعدیل دوسرے اکابر کے خلاف ہوگی۔ تو غور کیا جائے گا، ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقول سے اونچے ہیں اردو رسائل واشتہارات میں لانا، ان میں بحثیں کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ لایدرک الصبی مدارک العالم ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ فقط! والسلام

زکریا بقلم خود مظاہر العلوم سہانپور ...... ۲۵ جمادی الثانی ۷۸ھ

۳...... فخر المحدثین والفقہاء استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم

''من ینکر حیاتہ ﷺ فی قبرہ... کان فؤادہ فارغامن حبہ وعقلہ خالیامن لبہ''

(اعلاء السنن ج۱۰ ص ۳۳۹)

ترجمہ: جو شخص حضور اکرم ﷺ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا دل حضور ﷺ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

۴...... زبدۃ الفقہاء بدر الادباء، سابق مفتی اعظم دار العلوم دیو بند

حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ ''رحمت کائنات'' مصنفہ مولانا زاہد الحسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہل سنت والجماعۃ کے مطابق جمع کر دی ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کے تا قیامت باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثار حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم ﷺ کی عظمت و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایہ سعادت دنیا وآخرت ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بحمد اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا، دل سے دعا نکلی۔ جمہور علماء امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ کچھ آثار بعض دنیاوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقدمین میں امام بیہقی کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے جن میں روایات حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقی نے فرمایا ہے۔ ''ولحیاۃ الانبیاء بعد موتھم شواھد من الاحادیث الصحیحۃ'' اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیح سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں۔

اس لیے حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں۔ اور ''شفاء السقام'' میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے لکھا ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد الوفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے: ''وقد ذکر نا من جماعته من العلماء و شهد له صلوٰة موسیٰ علیہ السلام فی قبره فان الصلوٰة يستدعی جسدا معها و كذلک الصفات المذكورة فی الانبياء ليلة الاسراء كلها صفات الاجسام ولا يلزم من كونها حياة حقيقية ان يكون الابدان معها كما كانت فی الدنيا من الاحتياج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الكثيف و غير ذلک من الصفات الاجسام التی نشاهدها بل قد يكون لها حكم آخر فليس فی العقل مايمنع من اثبات الحياة الحقيقية بهم'' (شفاء السقام من السبکی)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فلم يبق الا انها حياة حقيقية الان وان الشهداء احياء حقيقة وهو قول جمهور العلماء لكن هل ذلک للروح فقط او للجسد معها فيه قولان''

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لیے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے اعلیٰ واقویٰ ہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔ جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگان دیوبند کا ہے۔

(۳، ۴) مسئلہ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں۔ جو اتباع سلف و جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

دار العلوم کراچی نمبر ۱ ...... ۱۳ ربیع الثانی، ۱۳۸۷ھ

۵ ...... محدث کبیر، فقیہ شہیر، جامع معقول و منقول

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب دامت برکاتہم مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

الجواب: آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہوکر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں، آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ و روحہ ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: ''ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء'' (الحدیث)

''وعن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من صلی علیّ من بعيد اعلمته رواه ابوالشيخ وسنده جيد۔ (القول البدیع) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ الانبياء صلوٰة الله عليهم احياء فی قبورهم يصلون رواه ابن عدی والبيهقی وغيرها'' (شفاء السقام ص ۱۳۴)

تین حدیثیں نقل کردی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو

انکار کرتا ہے، بدعتی اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیو بند ...... ۱۳، ۵، ۷۶ھ

۵۰۳ الف، الجواب: اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبور میں حیات ہیں۔ ان کی ارواح کو ان کے اجسام مطہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں ہے ان کی قبور پر سلام پڑھا جائے تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں: ''قال الشیخ الکبیر ابو عبد اللہ القرشی سافرت الی الشام فلما وصلت الی قریب ضریح الخلیل علیه وعلی نبینا افضل الصلوٰة والسلام تلقانی فقلت یا رسول اجعلنی ضیافتی عندک الدعاء لاهل مصر فدعا لهم ففرح الله عنهم فقال الیافعی نقوله تلقانی الخلیل قوله حق لاینکره الا جاهل بمعرفة مایرد علیهم من الاحوال التی یشاهدون فیها ملکوت السموات والارض وینظرون الانبیاء احیاء ردت الیهم ارواحهم بعد ما قبضوا واذن لهم فی الخروج من قبورهم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی'' (الفتاوی الحدیثیہ)

''ویمثل صورته الکریمة السهیة کانه ﷺ نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه قال ﷺ من صلی علی عند قبری سمعته'' (الاختیار شرح المختار ج ۱ ص ۱۷۴)

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ فداہ امی وابی اپنے مزار مبارک میں اپنے جسد اطہر کے ساتھ حیات ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے زائر کے صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے زید کا خیال صحیح نہیں ہے بکر کا قول اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہل سنت والجماعت کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ مواہب لدنیہ شرح زرقانی، انباء الاذکیاء، الخصائص الکبریٰ، شرح اللباب، شفاء السقام وغیر ذلک من الکتب!

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سنت کے عقیدے سے خارج ہے کہ یہ اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔ سید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیو بند ...... ۲۵، ۵، ۷۸ھ

۶ ...... رأس الاتقیاء، استاذ الاساتذہ، خلیفہ اعظم حضرت مولانا الشیخ حسین علی واں بھچروی

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام اولاد آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ ''کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ، ... كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ '' اعلان خداوندی سے تمام بنی آدم خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں۔ ضرور ایک وقت مرتے ہیں اس کے ساتھ موت کے بعد بھی انسان میں ایک نوع حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب اور عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چارپائی پر قبرستان لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو ''قدمونی۔ قدمونی'' مجھے جلد پہنچا دو، کہتا ہے اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے'' کہ اے مجھے ہلاکت ہو، مجھے کہاں لے جا رہے ہو، قبر میں سوال منکر نکیر میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کی آواز سننا، قبر میں عذاب اور ثواب یہ دلیل ہے

کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان ''احیا'' ''حیات میت'' کی دلیل ہے۔اسی حقیقت کے ساتھ سردار انبیاء خاتم النبیین ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی شان کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جسدِ اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے۔مٹی کوئی اثر جسد اطہر پر نہیں کر سکتی۔اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف جہرا سلام ڈالے، تو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔احادیث شریف، فقہائے عظام سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل سنت والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے.......... مسکین نصیر الدین غورغشتوی

۷...... بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مجاہد کبیر، شیخ التفسیر حضرۃ مولانا احمد علی لاہوری دامت برکاتہم

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالم برزخ برزخی بھی ہے۔

انبیاء کرام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا میرے خیال میں ہر صاحب بصیرت اس عقیدہ حیات النبی ﷺ کا منکر نہیں ہو سکتا جن کی باطن کی آنکھیں کھلی ہیں ان کے نزدیک تو حضور نبی اکرم ﷺ کی روضہ اطہر کی حیات بدیہیات میں سے ہے........... احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۸...... رأس الاتقیاء، اسوۃ الصلحاء، شیخ المشائخ، حضرۃ مولانا عبدالقادر رائپوری دامت برکاتہم

میرا مسلک وہی ہے، جو اکابر دیوبند کا ہے یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔(ارشاد حضرات رائے پوری بہ تحریر حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی)

۹...... دارالافتاء مدرسہ عربیہ امینیہ مفتی کفایت اللہ صاحب قائم شدہ ۱۹۱۵ء

بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم:

الجواب: صریح صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے الانبیاء احیاء فی قبورھم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب اور شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو تجہائے نور اور دریچہائے جنت ہیں۔حقیقتاً زندہ ہیں۔ان کو وہاں سے کہیں دوسری جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔الا فی معراج النبی ﷺ۔شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وخلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔چنانکہ شہداء را است''

اور حضرت محدث گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور مزار مبارک کے پاس استشفاع بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بالاتفاق سنتے ہیں۔ اس استشفاع اور طلب دعا جناب باری تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیات انبیاء فی القبور کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع کا انکار ہے اور سخت بدعت اعتقادی کا ارتکاب ہے۔ بہر حال اگر کسی نے لاعلمی کی وجہ سے انکار کیا تو جہالت محضہ واجب الاجتناب ہے اور اگر احادیث کثیرہ اور اجماع امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالہ سے توبہ واجب ہے۔ فقط!

محمد عبدالغنی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی...... ۲۷ جون ۱۹۵۹ء

حیات النبی ﷺ کے قائلین پر یہ الزام کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ورودِ موت کے قائل نہیں۔ اس کے ازالہ اور حیات بعد الوفات کے اثبات واستمرار پر یہ دسواں بیان لیجئے:

۱۰...... سلطان المناظرین، عمدۃ المحققین، بقیۃ السلف حجۃ الخلف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم:

پٹی ضلع لاہور[1] سے ایک صاحب لکھتے ہیں: کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا ﷺ پر ایک لمحہ کے لیے بھی روح مبارک جسد اطہر سے جدا نہیں ہوئی۔ کہاں تک صحیح ہے؟ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر ممنون فرمائیں۔

تحقیق: یہ غلط خیال ہے اور نصوص قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور شاید ایسا خیال کرنے والوں کو ''مسئلہ حیات النبی'' کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے ورنہ آنحضرت ﷺ پر ''موت'' کا نفس ورود ایک نا قابل انکار بلکہ نا قابل شک وریب حقیقت ہے قرآن مجید میں صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے) اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (زمر: ۳) اے رسول اللہ! آپ کو بھی ضرور موت سے دو چار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں پھر احادیث بھی اس بات میں بکثرت ہیں۔ ازاں جملہ حضور ﷺ کے آخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ثم نصب یدہ فجعل یقول فی الرفیق الاعلی حتی قبض ومالت یدہ (صحیح بخاری) پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے ''اب رفیق اعلیٰ میں'' یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی، اور آپ کا ہاتھ نیچے آ گیا

نیز حضرت عائشہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''قالا لما قبض رسول اللہ ﷺ وغسل اختلفوا فی دفنہ فقال ابو بکر ما نسیت ما سمعت من رسول اللہ ﷺ یقول ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یجب ان یدفن فیہ۔ ادفنوہ فی موضع فراشہ للترمذی'' (جمع الفوائد)

[1] یہ ۵۸ھ کی تحریر ہے۔ جب ملک تقسیم نہیں ہوا تھا اور پٹی ضلع لاہور میں تھا۔

ترجمہ: دونوں فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آراء ہوگیا۔ اس وقت صدیق اکبر ﷛ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کراتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا چاہئے ہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ کو آپ کے بستر مبارک ہی کی جگہ دفن کرنا چاہئے۔

اور صحیح بخاری و شمائل ترمذی میں حضرت حسن ﷛ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہ ﷞ کی زبان سے نکلا واکرباہ (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: لا کرب علی ابیک بعد الیوم، انه قد حضر من ابیک ما لیس اللہ تبارک احدا۔ الحدیث (بیٹی! آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی ہے۔ اب تمہارے باپ کے لیے وہ وقت آگیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والا نہیں)

اور وفات نبوی ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر ﷛ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا ہے وہ تو نصوص قرآن و حدیث کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ از اں جملہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ؅ سے مروی ہے کہ جب صدیق اکبر؄ کو وفات نبوی ﷺ کی خبر پہنچی تو آپ سیدھے حضور ﷺ کے پاس آئے پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آنسو گراتے ہوئے کہا: ''بابی انت وامی لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتة التی کتبت علیک فقد متها''

ترجمہ: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا جو موت آپ کے لیے مقدر ہو چکی تھی وہ بہر حال آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

غالباً حضرت صدیق اکبر ﷛ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت ﷺ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبر ﷛ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ ''ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر دو دفعہ موت کو وارد کرے۔ آپ کے لیے ایک ہی موت مقدر تھی جو آگئی۔

ایک دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبر ﷛ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لیے دو موتیں ہیں پہلی دفعہ اس دنیا میں ان پر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر قبر میں نکیرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے لیے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہوگئی اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح ان پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم!

اور صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں حضرت عائشہ؅ سے مروی ہے کہ وفات نبوی ﷺ کے دن جب حضرت عمر؄ قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے: واللہ ما مات رسول اللہ ﷺ (خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ پر موت وارد نہیں ہوئی) تو حضرت صدیق اکبر ﷛ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت'' وقال ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ''

وقال تعالیٰ ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ''

ترجمہ: جو حضرت محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ وفات پا گئے۔ اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لیے موت نہیں (پھر وفات نبوی کے ثبوت میں) آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''آپ کو بھی (اے رسول ﷺ) موت آنی ہے اور آپ کے بدخواہ دشمن بھی مرنے والے ہیں (نیز صدیق اکبرؓ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) بس رسول ہی تو ہیں (کوئی حی و قیوم خدا تو ہیں نہیں) تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں گے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں گمراہی کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا) اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھرے مجمع میں دیا اور کسی نے اس کے کسی جز پر کوئی تنقید نہیں کی بلکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس بصیرت افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا''

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس ﷺ پر خدا کے عام قانون كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے ماتحت موت جاری ہوئی (ورود موت) نصوص قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور دوسری طرف گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی ہے لہٰذا سوال میں کسی کا جو ''خیال'' ذکر کیا گیا ہے اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں ''حیات النبی'' کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے شاید انہوں نے سمجھا ہے کہ ''علماء کرام'' جو ''حیات النبی'' کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حالانکہ ان کا منشا یہ نہیں ہے۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدس ﷺ کو حیات بخش دی گئی ہے غالباً متقدمین میں امام بیہقیؒ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر

[1] امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ''من صلی علیَّ عند قبری سمعته ومن صلی علیَّ نائیا ابلغته'' کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھے گا۔ میں خود کو سنتا ہوں اور جو دور سے درود شریف پڑھے گا وہ (فرشتوں کے ذریعہ) مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی اپنی کتاب الدرۃ المضیہ فی الزیارۃ المصطفویہ میں فرماتے ہیں: ''ومن اعظم فوائد الزيارة ان الزائر اذا صلى وسلم عليه عند قبره سمعه سماعا حقيقيا ورد عليه من غير واسطة بخلاف من يصلى او يسلم عليه من بعيد فان ذلك لا يبلغه الا بواسطة لما جاء عنه بسند جيد من صلى على عند قبرى سمعته ومن صلى على من بعيد اعلمته'' زیارۃ قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطاء فرماتے ہیں۔ بجز اس شخص کو جو دور سے درود وسلام پڑھتا ہے وہ آپ کو نہیں پہنچتا مگر بذریعہ فرشتوں کے، بوجہ اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے اس کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ (از تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء) ملا علی قاری نے اس حدیث کو اس کی دوسری سند کے اعتبار سے جو ابوالشیخ کی ہے بسند جید کہا ہے۔ اس سے امام بیہقی کی کمزور سند کی بھی توثیق ہو جاتی ہے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں اس مسئلہ کے متعلق تمام احادیث جمع کی ہیں انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے: ''ان الانبیاء بعد ماقبضوا اردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء''

(زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۲۳۳)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کی وفات کے بعد انہیں لوٹا دی گئیں پس وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہدائے کرام۔

پھر بعد کے دور میں جن اکابر نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک جلیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکیؒ ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب ''شفاء السقام'' میں ''حیات انبیاء'' پر ایک مستقل باب لکھا ہے جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ ''قرآن عزیز صاف حضور ﷺ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ) اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: انی مقبوض (میں قبض کیا جاؤں گا) اور حضرت ابوبکر صدیق ﷛ فرماتے ہیں ان محمدا قد مات (یعنی حضور اقدس وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا لفظ بولا جا سکتا ہے پھر خود ہی جواب دیتے ہیں: ''یقال انہ موت غیر مستمر وانہ احیی بعد الموت'' (شفاء السقام ص ۱۴۲)

ترجمہ: جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر (کا ذکر) ہے اور حضور ﷺ کو اس موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرما دی۔

بہر حال حیات انبیاء علیہم السلام کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ ان پر ''موت'' قطعاً طاری ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات (مع الجسد) بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح وسالم قبر میں محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

ھذا الجواب ویتوب اللہ علی من تاب، محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان کے جمادی الاولی ۱۳۵۸ھ کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی حدیث کو سند جید سے مانا گیا ہے۔ پھر تعلیم القرآن کی جولائی اور اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق محدث کبیر حضرت مولانا عبد الرحمن کیملپوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی۔

''میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع وشائع ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے۔'' (از تعلیم القرآن راولپنڈی)

یہ ان دس بزرگوں کی شہادات ہیں جو بقید حیات ہیں۔ وکفی بھم شرفا وفضلا ان تمام مضامین میں حیات روح بالجسد مذکور ہے اور روضہ پاک کے پاس حضور ﷺ کے سماع حقیقی کی توثیق کی گئی ہے۔ وھو الحق والحق احق ان یتبع!

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم وہ بزرگ ہیں جنہیں حضرت مولانا حسین علی (واں بھچراں) نور اللہ مرقدہ نے سلانوالی کے مناظرہ کے لیے بلایا تھا اور ان کی تقریرات سامنے بیٹھ کر سنیں اور فرمایا: مسلک

دیوبند کی حقانیت مولانا منظور نعمانی کی زبان سے آج بہت کھل کر میرے سامنے آئی ہے اور بیشک انہی حضرات کا مسلک برحق ہے۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ میں جب سلانوالی کے مناظرہ کے لیے چلا تھا تو میں نے ارادہ کیا تھا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے ملاقات نہ کروں وہ بطور مبصر مناظرہ میں میری تقریر سنیں اور حضرت سے میری ملاقات۔۔۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور علماء دیوبند کا مسلک حضرت مرحوم کے سامنے اس طرح آیا کہ اب آپ کے بارے میں کوئی نہ کہے گا کہ حضرت مرحوم اور علمائے دیوبند کے مابین اختلافات ہیں۔ اگر اس میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی کبھی کھلے بندوں حیات النبی ﷺ کا اقرار نہ کرتے اور حضرت مولانا عبدالرحمن کیمبلپوری جو کچھ عرصہ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے سرپرست بھی رہے نہ کہتے کہ حیات النبی ﷺ میں مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان بالکل حق اور درست ہے۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ کیا ہے؟ اسے ہم دس اکابر دیوبند سے جو اپنے خیمے جنت میں لگا چکے ہیں اور دس ان بزرگوں سے جن کے نام اور کام سے آج دیوبندیت کا تعارف ہوتا ہے آپ کے سامنے پیش کر چکے ان بیس بڑے مسلمانوں کی تشریح وتفصیل کے مقابلے میں ایک بدعی عقیدے کی اشاعت اور وہ بھی علماء دیوبند کے نام سے علم ودیانت کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت ۔۔۔ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

***

صورۃ ما کتبہ اکابر العلماء و جھابذۃ الفضلاء

ممن تولی الدرس و الافتاء فی عقیدۃ حیاۃ الانبیاء

پاکستان کے دس اکابر مسلک دیوبند کا متفقہ اعلان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ!

حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور وہ حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیاۃ انبیاء پر "آب حیات" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہل انصاف اہل بصیرت کے لیے کافی

ہے۔اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ	عبدالحق عفا اللہ عنہ اکوڑہ خٹک
محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ	شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ
محمد ادریس کاندھلوی عفا اللہ عنہ	(مفتی) محمد حسن امرتسری عفا اللہ عنہ
خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ	(مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ جامعہ عباسیہ بہاولپور
عبدالقدیر عفا اللہ عنہ	محمد عبداللہ درخواستی عفا اللہ عنہ (خانپور)

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اختلاف پنجاب سے آگے کسی طرف نہیں جا سکا۔ ہندوستان، بنگلہ دیش، برما اور سری لنکا میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت کر رہے ہیں مگر ان میں سے کسی نے پنجاب کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں لیا اور اکابر دیوبند کی پہلی تصریحات سے کہیں سر مو بھی آگے نہیں نکلے۔صوبہ سرحد آزاد قبائل اور افغانستان میں ہزاروں فضلا دیوبند اپنا کام کر رہے ہیں مگر ان میں کسی نے اکابر علماء دیوبند سے اس مسئلے میں اختلاف نہیں کیا۔

پنجاب میں یہ بات غلط طور پر مشہور ہوئی کہ اس مسئلے میں جماعت دیوبند میں تقسیم ہوگئی ہے کچھ علماء حیاتی ہیں اور کچھ مماتی۔ پھر لطف یہ کہ مماتی لوگ عقیدہ حیات النبی کا کھلم کھلا انکار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور پاکستان میں بیشتر حصوں میں انہیں دیوبندی ہی سمجھا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ اس موضوع میں خود دیوبند کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ دارالعلوم دیوبند کوئی آثار قدیمہ میں سے تو نہیں کہ اس کی طرف رجوع نہ کیا جا سکے۔اور حقیقت حال معلوم نہ کی جا سکے۔

پنجاب میں یہ مسئلہ دیوبندی حلقوں میں بڑے زور سے چلا فریقین نے اپنے اپنے موقف پر بھرپور کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ دونوں طرف دلائل دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں کے علماء کے سامنے کوئی غرض اور کوئی مصلحت نہ تھی۔ وہ مسئلے پر محض علمی نقطہ نظر سے غور کرتے اور فریقین کی معرکہ آرائی دیکھتے رہے۔

مقام حیات پہلی بار الربیع الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء لکھی۔ قاضی صاحب اس میں کسی ایک مسلک پر جم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے جھٹ اس پر دستخط کر دیئے۔اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیر بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے۔

پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آرا رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ بھیجا اور دارالعلوم دیوبند چھ سوال روانہ کیے۔ مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا

مفتی ظفیر الدین صاحب نے نمبر ۶۸۴ ج ۔ کے تحت ۱۴۰۵ھ میں ان کا جواب لکھا۔ پھر دوسرے مفتی حضرات نے اس پر دستخط کیے اور دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کی مہر اس پر ثبت کردی۔

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتیوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دار العلوم دیوبند اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مماتیوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے۔

اب دار العلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات النبی ﷺ کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتیوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آگری ہے۔

اس تاریخی فیصلے کو غور سے پڑھیں آپ محسوس کریں گے کہ یہ فتویٰ مقامِ حیات کا ہی ایک دوسرا مختصر پیرایہ ہے۔ أماتنا اللہ علی ھذہ العقیدۃ اصلا و فرعا! مؤلف عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ج ۶۸۴ /) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں:

۱...... کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ سردار دو عالم حضرت محمد ﷺ اپنے روضہ شریف میں دنیا کی سی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ!

الجواب ومنہ الصواب (س/ ۹۲)

حامدا و مصلیا: تمہید سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علمائے دیوبند کی مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں تمام دنیا میں معروف و مشہور ہیں مثلاً (۱) آب حیات، (۲) جمال قاسمی، (۳) نشر الطیب، (۴) الشہاب الثاقب، (۵) المصالح العقلیہ، (۶) فیض الباری، (۷) المہند علی المفند، (۸) تسکین الصدور، (۹) متفقہ اعلان، (۱۰) مقام حیات وغیرہ ذلک پھر مسئلہ کے آخری حل اور نزاع کے تصفیہ کے لیے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارات پر دستخط بھی فرما دیے عبارت مجوزہ یہ ہے:

> ”وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔“

اس صاف اور صحیح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت زا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی فیا للعجب ویا حسرتاہ!

پھر یہ المیہ اس وقت مزید دو چند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام کے بجائے تشتت و افتراق، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافت ضمیر کے قطعا قطعا منافی

ہے۔ فإلى الله المشتكى!

خدا اصلاحِ اعمال کی توفیق بخشے۔

؎ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

اس تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں:

۲...... جی ہاں

تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ، اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجسادِ عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی حیات دنیوی سے کم نہیں ہے اور تلاوۃ، نماز ودیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصول شریعت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے چنانچہ ادلہ ثلثہ پیش ہیں ملاحظہ فرمائیں:

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃً، دلالۃً اور اقتضاء) ملتا ہے۔ ان تمام آیات کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی...... اس لیے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جارہا ہے:

(۱)"وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ" (پ۲۵، الزخرف ۴۵)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يستدل به على حياة الانبياء" (مشکلات القرآن ص ۲۳۴ وہکذا فی الدر المنثور ج۶ ص ۱۶، روح المعانی ج ۲۵ ص ۸۹، جمل ج ۴ ص ۸۸ شیخ زادہ ج ۳ ص ۲۹۸، خفاجی ج ۷ ص ۴۴۴)

(۲)"وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ" (پ۲۱، الم السجدہ)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب سو اس کے ملنے میں شک میں نہ رہنا۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: "معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔ (موضح القرآن) اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں لہٰذا اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفرادقوت واستدلال میں عبارۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔"

(۳)"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" (البقرہ ۱۵۴)

(۴)"بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" (پ ۴، آل عمران ۱۶۹)

ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا: "واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فان يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القران والانبياء افضل من الشهداء"

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقلی اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء ﷩ تو شہداء سے بہر حال افضل ہیں۔

غور فرمایئے! حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے بدلالۃ النص یعنی درجہ اولویت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں:

(۵) "فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ" (السبا ۱۴)

اس آیت سے بھی دلالۃ النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصائے سلیمانی کو کھالیا تو جسم عنصری کا کھالینا اس سے کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا لکا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں

حضرت انس بن مالک ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "الانبیاء احیاء قبورھم یصلون" (شفاء السقام ص ۱۳۴، حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱)

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں...... یہ روایت بدوں سند الخصائص الکبری (ص ۲۸۱) میں اور مسند ابو یعلی کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری (ص ۳۵۲) اور فتح الملہم (ج ۱، ص ۳۲۹) میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اسماء الرجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: "وصححہ البیھقی" (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۲)

امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس" (فیض الباری ج ۲، ص ۶۴)

امام بیہقی کی اس تصحیح سے حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ عثمانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱، ص ۳۲۹)

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: "رجال ابی یعلی ثقات" (مجمع الزوائد ج ۸، ص ۲۱۱)

ابو یعلی کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزی لکھتے ہیں: "وھو حدیث صحیح" (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۴)

یہ حدیث صحیح ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں: "یصح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم" (مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۲۱۲)

"الانبیاء احیاء فی قبورھم" کی حدیث صحیح ہے۔

ملا عبدالرؤف مناویؒ لکھتے ہیں: "ھذا حدیث صحیح" (فیض القدیر ج ۳، ص ۱۸۴)

یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: "ابو یعلی بنقل ثقات از روایت انس بن مالک ﷜ آوردہ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۰، جذب القلوب ص ۱۸۰)

امام ابو یعلی ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالک ﷜ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء ﷩ زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: "انہ ﷺ حیّ فی قبرہ وروحہ لاتفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم" (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین ص ۲۸)

آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: "وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیھقی" (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۴)

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذری نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں: "رواہ ابو یعلی برجال ثقات ورواہ البیھقی وصححہ"

(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

ابو یعلی نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔" (فضائل درود شریف ص ۳۷)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابو یعلی کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

(۲) حضرت ابوہریرہ ﷜ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "مامن احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام" (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹، واللفظ لہ مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالی میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء

امام سبکی فرماتے ہیں کہ: وھو اعتماد صحیح (شفاء السقام ص ۱۰۵)

اور یہ اعتماد صحیح ہے۔ (امام ابوداؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: رواته ثقات (فتح الباری پ ۳ ص ۲۷۹)
علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ: اسناده حسن (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۹)
حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: صححه النووی فی الاذکار (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)
امام نوویؒ فرماتے ہیں: بالاسناد الصحیح (کتاب الاذکار ص ۱۰۶)
حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: وهو حدیث جید (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۱۶)
علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں: بالاسناد صحیح (زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص ۳۰۸)
نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں: قال النووی فی الاذکار اسناده صحیح وقال ابن حجر رواته ثقات (دلیل الطالب ص ۸۴۳)
علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں: روی ابو داؤد بسند صحیح (وفا الوفاء ج ۲ ص ۴۰۳)
مولانا انور شاہ صاحب اور علامہ عثمانی ﷫ فرماتے ہیں: رواته ثقات (عقیدہ الاسلام ص ۵۲)
امام سخاویؒ فرماتے ہیں: روی احمد وابو داؤد الطبرانی والبیهقی باسناد حسن بل صححه النووی فی کتاب الاذکار وغیره (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)
اور علامہ محمد بن محمد القانجی البوسنوی فرماتے ہیں: قال النووی فی الاذکار ورياض الصالحين اسناده صحیح وصححه ایضا ابن القیم (حیاۃ الانبیاء للبیہقی ص ۶)

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا۔ اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تحسین اور تصحیح کرتی ہے۔

(۳) حضرت اوس بن اوس ﷜ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ان من افضل ایامکم یوم الجمعه فیه خلق ادم وفیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فاکثروا علی من الصلوٰة فیه فان صلوٰتکم معروضة علیّ قال قالوا و کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقال ارمت قال یقولون بلیت فقال ان الله حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء“ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰، واللفظ لہ والدارمی ص ۱۹۵، والنسائی ج ۱ ص ۱۵۴، مستدرک ج ۱ ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۵۶۰، موارد الظمان ص ۱۴۱، وابن ماجہ ص ۷۷، وسنن کبری ج ۳ ص ۲۴۹، المصنف لابن ابی شیبہ ۲ ص ۵۱۶)

ترجمہ: بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت آدم ﷤ پیدا کیے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولی ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام ﷢ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء ﷩ کے اجساد حرام کر دیے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)

اب حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال لیجئے

اس حدیث کے بارے میں ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وصححه ابن خزیمة وغیره (فتح الباری پ ۳ ص ۲۷۹)
حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: ”ومن تامل فی هذا الاسناد لم یشک فی صحته لثقة رواته وشهادتهم

و قبول الائمة حدیثهم" (جلاء الافہام ص ۴۴)

اور یہی الفاظ اس موقعہ پر علامہ ابن عبدالہادیؒ کے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۴۵)

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: "صح عنه ﷺ ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء" (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۹)

حافظ ابن القیمؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: "قد صح عن النبی ﷺ ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء" (کتاب الروح)

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں: انه حسن (القول البدیع ص ۱۱۹)

اور علامہ عبدالغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں: انه حسن صحیح (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: حدیث صحیح (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۳۰)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "فانه صح عنه ﷺ انه قال ان الله عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" (خزائن ص ۱۹)

اصول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح بلکہ امام حاکم اور علامہ ذہبی دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔
(مستدرک حاکم ج ۱ ص ۵۶۰)

(۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا:
"فنبیّ الله حیّ یرزق" (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹)

پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں: اسناده جید (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں: ورجاله ثقات (السراج المنیر ج ۱ ص ۱۲۹)

علامہ مناویؒ کا ارشاد ہے: قال الدمیری رجاله ثقات (فیض القدیر ج ۲ ص ۸۷)

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں: رواه ابن ماجة برجال ثقات (زرقانی شارح مواہب ج ۵ ص ۳۳۶)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: قلت رجاله ثقات (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸)

اور علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ: رواه ابن ماجه باسناد جید (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: باسناد جید نقله میرک عن المنذری وله طرق کثیرہ (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۱۲)

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: باسناده جید (نیل الاوطار ج ۵ ص ۲۶۴)

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں: باسناده جید (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ان لله ملٰئکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام" (نسائی ج ۱ ص ۱۴۳، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۔ المصنف لابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷۔ دارمی ص ۳۱۷۔ موارد الظمآن ص ۵۱۲۔ مشکوٰۃ ص ۸۶۔ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴۔ الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳۔ خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰)

حدیث شریف کی صحت کے متعلق

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں: حدیث صحیح (السراج المنیر ص ۵۱۸)

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲)

امام حاکم اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں: صحیح۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۱)

امام سخاویؒ فرماتے ہیں: رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والمنذری وابن حبان والحاکم فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد (القول البدیع ص ۱۱۵)

ائمہ حدیث کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے بلکہ علامہ سمہودی اور علامہ ابن عبد الہادی کے بیان کے مطابق امام نسائی اور اسماعیل القاضی نے مختلف طرق سے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔ (وفاء الوفاء ص ۴۰۴)

یہاں تک شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے: "و متواتر رسیدہ ایں معنیٰ" (الصارم المنکی ص ۱۶۸، فتاوی عزیزی ج ۲، ص ۱۶۸)

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "من صلی علیّ عند قبری سمعته و من صلی علیّ من بعید اعلمته" (جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹)

ترجمہ: جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں) کے بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں

حافظ ابن حجرؒ حدیث کی سند بطریق ابوالشیخ کے متعلق فرماتے ہیں: بسند جید (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: و بسند جید (القول البدیع ص ۱۱۶)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: بسند جید (مرقات ج ۲ ص ۱۰)

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ بھی لکھتے ہیں: اسنادہ جید (دلیل الطالب ص ۸۴۴)

اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

ان اکابرین محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے...... ان دونوں لفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: "ان ابن الصلاح یری التسویة بین الجید والصحیح" (تدریب الراوی ص ۱۰۴)

چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ان احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثبوت موجود ہے (یہاں اختصار کی غرض سے چھ احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور امت کے ہر طبقہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے) اس لیے امام سیوطیؒ نے تواتر کا دعوے کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "حیاة النبی ﷺ فی قبره هو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلک و تواترت به الاخبار الدالة علی ذلک" (انباء الاذکیاء ص ۲، فتاوی امام سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷)

ایک دوسرے مقام پر تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''ان من جملة ما تواتر عن النبی ﷺ حیاۃ الانبیاء فی قبورھم'' (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوسنوی ص ۴)

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔ (المنحۃ الوہبیہ ص ۱۱)

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ اور علمائے اسلام

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے ...... جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضور ﷺ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں ...... اور اہل السنۃ والجماعۃ کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں:

(۱) مفسرین، (۲) محدثین، (۳) متکلمین اور (۴) فقہاء۔

اس لیے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے...... لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب باقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں:

۱...... مسئلہ حیات النبی ﷺ اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''ان حیاتہ ﷺ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا و الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (فتح الباری ج ۱۷ ص ۲۲)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر موت پھر طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ فرماتے ہیں: ''غیر الانبیاء علیھم السلام فانھم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء'' (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۶۰۰)

ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: ''ان اللہ جل ثناءہ رد الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کا لشھداء'' (حیاۃ الانبیاء ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۲، زرقانی ج ۵ ص ۳۳۲)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں سو وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ ارقام فرماتے ہیں: ''المعتقد المعتمد انہ ﷺ حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون'' (شرح شفاء ج ۲ ص ۱۴۲)

ترجمہ: قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں: ''لا شک فی حیاتہ ﷺ بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشھداء التی احسن اللہ بھا فی کتابہ العزیز'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے) بڑھ کر ہے۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''واما ادلۃ حیاۃ الانبیاء فمقتضاھا حیاۃ الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء من الغذاء'' (ایضاً ص ۴۰۷)

بہر کیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں...... یہی بات شیخ الاسلام دہلویؒ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو: ''ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی واجساد ایشاں نیز ثابت باشد و بوسیدہ نگردند۔ وآں حیات ہمچو حیات دنیا باشد، باوجود استغناء از غذا'' (تیسیر القاری ج ۶ ص ۱۴۷)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''وقول مختار ومقرر جمہور ہم اینست کہ انبیاء بعد از ذاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی'' (ایضاً ج ۳ ص ۲۶۲)

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی کیفیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہے یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اس طرح اس حیات برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عن انس ﷛ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان نبینا ﷺ حی فالحی لا بد اما ان یکون عالما او جاھلا ولا یجوز ان یکون النبی ﷺ جاھلا'' (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۶ ص ۲۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں

میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد ﷺ زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو یا جاہل اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت ﷺ جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لامحالہ آپ عالم ہوں گے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ”لان عندنا رسول اللہ ﷺ حیّ یحس ویعلم وتعرض علیه اعمال الامة ویبلغ الصلوٰة والسلام“ (ایضاً ص ۲۸۲)

ترجمہ: ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں حس وعلم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے حس اور علم سے موصوف ہونا حیات کے لیے کس قدر واضح دلیل ہے۔ علامہ ابوالوفاء علی بن محمد بن عقیل الحنبلیؒ کا ارشاد ہے: ”وھو حیّ فی قبرہ یصلی“ (الروضۃ البہیۃ ص ۱۶)

آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ امام بدر الدین بعلی الحنبلیؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے لکھتے ہیں: ”والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون“

(مختصر الفتاوی ج۔ ص ۱۷۰)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں اس لیے پابندی لازم نہیں قد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارہ کر دیا گیا ہے کیونکہ ”قد“ مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔ (رضی ج ۲ ص ۲۸۸ حصن حصین ص ۲۸۰)

علامہ عزیزیؒ حدیث ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”الا رد اللہ علی روحی ای رد علی نطقی لانه حی دائما وروحه لاتفارقه لان الانبیاء احیاء فی قبورھم“

(السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۸)

اور روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ”فالجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم“ (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

ترجمہ: پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ حدیث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وفیه دلیل علی انه ﷺ حی حیاة مستمرة“ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۹۹)

ترجمہ: اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دائمی طور پر زندہ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت ﷺ کی حیات حسی جسمانی دائمی کے قائل ہیں۔

۲......حیات النبی ﷺ جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

علامہ تاج الدین سبکی متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”ومن عقائدنا ان الانبیاء

علیهم السلام احیاء فی قبورهم'' (طبقات ج ٦ ص ٢٦٦)

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وعندهم محمد صلوة الله علیه حیٌ فی قبره'' (الرسائل القشریہ ص ١٠)

ترجمہ: اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل سنت والجماعت کے امام ابوالحسن الاشعریؒ کے نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں...... یہاں یہ اصل بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو اس کے معنی مکتب فکر اشعری اور ماتریدی دونوں مراد ہوتے ہیں اب مطلب صاف ہے کہ اہل سنت والجماعت کے دونوں طبقوں اشعری اور ماتریدی کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ آنحضور ﷺ اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں...... چنانچہ امام ابومنصور طاہر الشافعی البغدادیؒ لکھتے ہیں: ''قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حیٌ بعد وفاته یسر بطاعات امته'' (وفاء الوفا ج ٢ ص ٤٠٦)

ترجمہ: ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے آپ پر اعمال امت پیش کئے جاتے ہوں۔

اصحابنا...... سے متکلمین کی جماعت مراد ہو یا شوافع کی بہرصورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

٣...... فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی ﷺ

فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفیؒ لکھتے ہیں: ''ولما هو مقرر عند المحققین انه ﷺ حیٌ یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انه حجب عن الابصار القاصرین من شریف المقامات''

(نور الایضاح ص ١٧٧، رسائل ابن عابدین ج ٢ ص ٢٠٣)

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں۔ آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں۔ مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا یہ مسلک بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں اور رزق و عبادات سے متمتع ہیں لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں ہے۔ بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کا ہے۔

علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں: ''ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث''

(رسائل ابن عابدین ج ٢ ص ٢٠٣)

ترجمہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ جو متاخرین حنفیہ میں معتمد عند الکل ہیں کس طرح صراحت کے ساتھ حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیو بند ﷭ اور عقیدہ حیات الانبیاء ﷩

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ، اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام ﷩ اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور فائز حیات ہیں...... علماء دیو بند جو خالص اہل سنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہل سنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں اس لیے قدرتی طور پر کل بزرگان دیو بند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے...... ذیل میں علمائے دیو بند کے ایسے حوالے نقل کیے جا رہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے تمام علمائے دیو بند متفقہ طور پر حیات الانبیاء کے قائل ہیں دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے تھی یعنی سب سے پہلے محدثین پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں گے ملاحظہ ہو:

ا...... محدثین دیو بند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ محشی صحیح بخاری فرماتے ہیں: ''والاحسن ان یقال ان حیاته ﷺ لا یعقبها موت بل یستمر حیا و الانبیاء احیاء فی قبورهم'' (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

ترجمہ: بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی۔ بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام ﷩ بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں: ''ان النبی ﷺ حیٌ فی قبره کما ان الانبیاء احیاء فی قبورهم'' (بذل المجهود شرح ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۷)

آنحضرت ﷺ اپنی قبروں میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام ﷩ کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''فدلت النصوص الصحیحة علی حیاة الانبیاء'' (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۵)

ترجمہ: نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرات انبیاء ﷩ زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی علامہ ممدوح فرماتے ہیں: ''ان النبی ﷺ حیٌ کما تقرر و انه یصلی فی قبره باذان و اقامة'' (ایضاً ج ۳ ص ۴۱۹)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضور ﷺ زندہ ہیں وہیں یہ بات بھی ثابت کی گئی ہے کہ آپ اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان و اقامت سے نماز پڑھنا جسدی حیات کی صریح دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال قد ثبت فی القبور کالاذان والاقامة عند الدارمی و قراءة القران عند الترمذی'' (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں، اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں ہے۔

غور کیجئے! قبر میں اذان و اقامت کا ثبوت، اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبوی کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بنص حدیث حضور ﷺ زندہ ہیں۔ (التکشف ص ۴۳۶)

حضرت اقدس مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادیؒ لکھتے ہیں: "انهم اتفقوا علی حیاته ﷺ بل حياة الانبياء متفق عليها لا خلاف لاحد فيه" (انوار المحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۶۱۰)

ترجمہ: محدثین کرام رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول ومفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

غور فرمایئے! حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی حدیث ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "علاوہ ازیں انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔"

آگے فرماتے ہیں: "اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۸)

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث شریف ونبی اللہ حی یرزق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ونبی اللہ حی یرزق" (ہدایۃ الشیعہ ص ۳۶)

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں: "پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔" (نشر الطیب ص ۲۱۰)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی حدیث ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: "اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰)

۲...... متکلمین دیوبند رحمہم اللہ اور عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں: "عندنا وعند مشائخنا حياة حضرة الرسالة ﷺ دنيوية من غير تكليف وهى مختصة به ﷺ وبجميع الانبيا صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هى لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطى فى رسالة انباه الاذكياء بحيوة الانبياء حيث قال: قال الشيخ تقى

الدین السبکی حیوۃ الانبیاء والشہداء فی القبر کحیوتھم فی الدنیا ویشھد لہ صلوٰۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوٰۃ تستدعی جسدا حیا (الی اخر ما قال فثبت بھذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ''
(المہند علی المفند ص ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے کہ جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ یہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔

یہ عبارت رسالہ ''المہند علی المفند'' سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا کے ان چھبیس (۲۶) اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں جسے سرخیل علماء دیوبند، محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے مرتب کیا۔

اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تئیس (۲۳) بزرگوں (جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم قابل ذکر ہیں) کی تصدیقات لکھوا کر علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجی گئی تھیں۔

وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے...... اس طرح یہ رسالہ اور یہ جواب علمائے دیوبند کا اجماعی جواب ہے اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنے یا کہنے کی مطلقا ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم مزید چند حوالے اطمینانِ خاطر کے لیے ملاحظہ ہوں۔

حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: ''حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کے حیات کے لیے ساتر ہے رافع حیات اور دافع حیات نہیں۔'' (آب حیات ص ۴۲ بحوالہ سیرت المصطفیٰ)

واضح رہے کہ حضرت نانوتویؒ نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:
''میں انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ بر حسب ہدایت ''كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ '' تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے...... بمثل امت کے ان کی موت میں زوال نہیں ہے۔ (لطائف قاسمی ص ۳، ۴)

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (۱) اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح وسالم رہنا اور تغیر ارضی سے بالکل محفوظ رہنا۔ (۲) اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔ (۳) اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سے ہر امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔ (آب حیات ص ۴۲، ۴۳)

شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ حیات کی نوعیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام ج۱ ص ۱۳۰)

حضرت مدنیؒ کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیائے کرام کا نظریہ ہے بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے۔ چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے: ''انبیائے کرام علیہم السلام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔''

(لطائف قاسمیہ ص ۴)

۳......فقہائے دیوبند اور حیات النبی ﷺ

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق۔'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۳۶)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں: ''پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔'' (نشر الطیب ص ۲۱۰)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ لکھتے ہیں: ''اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصا آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے۔''

(فتاویٰ دار العلوم مکمل ومدلل ج ۵ ص ۴۷۱)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں۔'' (فتاویٰ دار العلوم غیر مطبوعہ)

اصحاب ظواہر اور عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے کوئی حنبلی تھا، کوئی مالکی اور کوئی شافعی تھا تو کوئی حنفی۔ قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خاں کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حجت کے لیے ہم اس مقام پر اصحاب ظواہر حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل

کر دیں تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بلا تامل روشن ہو جائے اور اجماع امت کا دعویٰ بھی صاف ہو جائے۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: ''وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول اللهﷺ حي بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته وان الانبياء لايبلون مع ان مطلق الادراک کالعلم والسماع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال) وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحيوة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في ان الانبياء احياء في قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقى وفى صحيح مسلم عن النبیﷺ قال مررت بموسیٰ ليلة اسرى بى عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلى''

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

ترجمہ: بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرتﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے ثابت ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء اور مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری نے اس کو روایت کیا اور امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات بھی شہداء کی حیات جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں: ''انهﷺ حيٌ فى قبره بعد موته كما فى حديث الانبياء احياء فى قبورهم'' (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱)

ترجمہ: آنحضرتﷺ وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں: ''قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبيناﷺ حيٌ بعد وفاته ويؤيد ذلک ما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون فى قبورهم والنبیﷺ منهم'' (ایضاً)

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرتﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرتﷺ بھی زندہ ہیں۔

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ بیان فرماتے ہیں: ''والذى نعتقد ان رتبة نبيناﷺ اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه حيٌ فى قبره حيوة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليها فى التنزيل اذ هو افضل منهم بلا ريب وانه يسمع من يسلم عليه'' (اتحاف النبلاء ص ۴۱۵)

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرتﷺ کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر میں حیات دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے

کیونکہ آنحضرت ﷺ بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

اس عبارت سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ علمائے مجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ وارفع ہے۔ علمائے مجد جو لوگوں میں دہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے اختیار کرنے میں اپنے بزرگوں کے اعتقاد پر کلی اعتماد کرتے ہیں۔

''اما الکلام علیٰ حیوۃ النبی ﷺ فاعتقادنا فی ذلک اعتقاد سلف الامۃ و ائمتنا و ھم الاسوۃ''

(الدرر السنیہ فی اجوبۃ المجدیہ ج ۱، ص ۲۶)

ترجمہ: بہر حال آنحضرت ﷺ کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتداء ہیں۔

ہندوستان کے اصحاب ظواہر حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں: ''اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ خصوصا آنحضرت ﷺ کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔'' (فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ ضمیمہ)

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں: ''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (عون المعبود ج ۱ ص ۲۰۶)

حضرات انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

گوجرانوالہ کے مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسمٰعیل بھی لکھتے ہیں: اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں ۔۔۔۔ انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ (حیات النبی ص ۲۷)

ذمہ دار اصحاب ظواہر بھی ائمہ اربعہ کے مقلدین حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے اسی طرح دیگر کتب حدیث شروح حدیث اور کتب فقہ و سیر میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر اغماض و اعراض نہیں کیا جا سکتا۔

اجماع امت اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

''علماء امت اور حیات الانبیاء'' کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند اور صریح حوالے نقل کیے جا رہے ہیں:

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ: ''نحن نؤمن و نصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض و الاجماع علی ھذا'' (القول البدیع ص ۱۲۵)

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع منعقد ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسد اطہر کا محفوظ رہنا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض قرآن وحدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امت مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں ایک نہایت وزنی دلیل ہے۔

علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں: ''اما ھم فحیاتھم لا شک فیھا و لا خلاف لاحد من العلماء فی ذلک (الی ان قال) انہ حی علی الدوام'' (رسالہ مدینہ ص ۴۱)

ترجمہ: بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت ﷺ دوامی طور پر زندہ ہیں۔

کسی کا کوئی اختلاف نہ ہونا یہ اجماع سکوتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

شیخ محدث دہلویؒ ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں آپ ملاحظہ کر چکے، اب ایک عظیم شارح مشکوٰۃ کا عقیدہ بھی دیکھیں۔

نواب قطب الدین خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔'' (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

نواب صاحب ''دنیا کی سی'' کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو۔ بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ میں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں: ''والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع'' (المنحۃ الوہبیہ ص ۶)

ان سب دلائل کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگان دیوبند کا اقرار اجماع بر حیات الانبیاء علیہم السلام

مولانا ابو العتیق عبد الہادی صاحبؒ نجیب آبادی لکھتے ہیں: ''انھم اتفقوا علی حیوتہ ﷺ بل حیاۃ الانبیاء متفق علیھا لا خلاف لاحد فیہ'' (انوار المحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۶۱۰)

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''تمام اہل تمام سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگر چہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔'' (حیات نبوی)

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء علیہم السلام

حیات شہداء پر قرآن کریم میں نص وارد ہے اس سے حیات انبیاء پر استدلال لانا یہ آج کی بات نہیں، پہلے سے اس پر استدلال چلا آرہا ہے، اس کے ذیل میں ہم چھ سوالوں کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال نمبر ۱: امام بیہقی کا رسالہ حیات الانبیاء کسی سے چھپا نہیں، اب نویں صدی سے ایک عظیم محدث کی شہادت بھی لیجئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ الباری فرماتے ہیں: ''و اذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشھداء احیاء بنص القران و الانبیاء افضل من الشھداء'' (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (اس لیے بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)

غور فرمایئے! جب شہداء کی زندگی نص قرآن سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر اس دلالت النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے اس لیے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہٰذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہے۔

سوال نمبر ۲: جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں یہ کس فرقہ کا عقیدہ ہے نام متعین فرمائیں؟

جواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے چنانچہ امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں:

ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتوے دیا تھا۔ اس کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضہ اطہر کے اردگرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو۔ اس پر علماء نے اس پر کفر کا فتوے لگا دیا۔

(بحوالہ رحمت کائنات ص ۵)

اسی طرح فرقہ متقشفہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو بشمول جناب نبی کریم ﷺ موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے نعوذ باللہ یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے...... اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور روافض بھی عقیدہ حیات النبی کے منکر ہیں۔

سوال نمبر ۳: حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبی ﷺ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: بلا تاویل حیات النبی ﷺ کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے علامہ حصکفی فرماتے ہیں: ''(ویکرہ امامۃ) مبتدع ای صاحب بدعۃ'' (الدر المختار ج ۱ ص ۸۳)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ''بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۸)

سوال نمبر ۴: حجاج کرام کا سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے روضہ شریف کی زیارت کے لیے نہ جانا اس عقیدہ کی بناء پر کہ رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے، کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: پہلے سوال کے جواب میں آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین ﷺ خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اس لیے اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی تاکہ سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کر سکے مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

زیارت روضہ اطہر ﷺ احادیث شریفہ کی روشنی میں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من زار قبری وجبت له شفاعتی"

(صحیح ابن خزیمہ، دار قطنی، بیہقی باسناد حسن بحوالہ آثار السنن ۲ ص ۱۲۶)

جس نے میری کی زیارت کی تو بلاشبہ اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

دوسری روایت میں ہے: "من زار بعد مماتی فکانما زار فی حیاتی" (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵)

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی میں زیارت کر لی۔

غور فرمایئے! کس ایمانی قوت سے زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے...... وعد کے بعد وعید کی روایتیں بھی ملاحظہ فرمائیں...... آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی"

(ایضاً فصل فی زیارت النبیؐ ابن عدی بسند حسن مرقات المفاتیح)

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلاشبہ میرے ساتھ زیادتی کی۔

زیارت روضہ اطہر ﷺ فقہ کی روشنی میں

انہی وعد و وعید کی روایات کی بنا پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضہ اقدس کی زیارت گو اعتقادی اعتبار سے سنت سہی تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے چنانچہ محقق علی الاطلاق شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: "ان زیارة قبر النبی ﷺ مستحبة وقریبة من الواجب نظرا الی هذا النزاع وهو الحق عندی فان الالف الالوف من السلف کانوا یشدون رحالهم لزیارة النبی ﷺ ویزعمونها من اعظم القربات" (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۷)

ترجمہ: حضور کے روضہ کی زیارت گو مستحب ہے لیکن واجب کے قریب ہے بایں طور کہ سلف میں ہزاروں ہزار شد رحال سے نبی کریم کی زیارت کے لئے وہاں آتے رہے اور اسے آپ کے قریب ہونے میں ایک بڑا عمل سمجھتے رہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: "انها قریبة من الوجوب لمن له سعة"

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۳۳)

ترجمہ: روضہ کی زیارت اس کے لئے واجب کے قریب ہے جس کے پاس وہاں جانے کی وسعت ہو۔

مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں: "تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آں بدلیل قوی آنحضرت ﷺ من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید حسن ونیز مروی است از آنحضرت ﷺ کہ فرمود من زار قبری وجبت لہ شفاعتی رواہ الدار قطنی والطبرانی والبزار وصحہ عبدالحق۔ ونیز فرمود او ﷺ من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی حیاتی رواہ سعید بن منصور والدار قطنی وواردشدہ اند در فضل زیارت احادیث وآثار بسیار کہ اکتفاء کردہ مے شود از آنہا بریں مقدار طلباً للاختصار" (حیات القلوب ص ۲۹۸)

زیارت روضہ اطہر ﷺ اجماع امت کے حوالہ سے

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارت نبوی جہاں احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماع امت سے بھی ثابت ہے چنانچہ مخدوم ہاشم سندھی فرماتے ہیں: "بدانکہ اجماع کردہ اند مسلماناں برآنکہ زیارت حضرت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات وافضل طاعات واکد سنن ومندوبات است۔"

(حیات القلوب ص ۲۹۸)

ترجمہ: جان لو کہ امت کا حضور کی زیارت (آپ کے روضہ کی زیارت) پر اجماع رہا ہے اور یہ آپ کے قریب ہونے کا سب سے بڑا عمل ہے سب سے بڑی نیکی اور مؤکدترین سنت ہے۔

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: "اعلم ان زیارۃ سید المرسلین ﷺ باجماع المسلمین من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات وافضل الطاعات وانجح للساعی لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات بل قیل انہا من الواجبات لمن لہ سعۃ وترکہا غفلۃ عظیمۃ وجفوۃ کبیرۃ وفیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی الزیارۃ وقولہ ﷺ من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید قال بعض المالکیۃ بان المشی الی المدینۃ افضل من الکعبۃ وبیت المقدس"

(بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰۳)

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارت نبوی ﷺ اجماع امت سے ثابت ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا نیز درجہ کی تلقین کے ساتھ ترک زیارت کو عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے اعاذنا اللہ منہ...... یہ بھی بتلایا گیا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بھی بہتر ہے...... ہمارے فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لیے گیا ہے تو پہلے حج کرے۔ (بعد میں زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور بعد میں حج کرے یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے۔

"قالوا! ان کان الحج فرضا قدمہ علیہا والاتخیر" (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵)

اس میں فرض حج اور نفل حج میں بڑی دقت نظر سے فرق کیا گیا ہے۔

پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت ﷺ کی زیارت کی نیت کرے: "والاولی فی الزیارۃ تجرید النیۃ لزیارۃ قبرہ ﷺ" (ایضاً)

ترجمہ: بہتر یہ ہے کہ زیارت میں صرف روضہ کی زیارت کی نیت کرے (اسے مسجد نبوی کی زیارت

کے ضمن میں نہ کرے)

الحاصل...... مسلمانوں کا یہ عمل امت محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر دور صحابہ ﷺ سے لے کر آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔ ائمہ اربعہ اوران کے پیرو سب اس پر متفق ہیں۔

''اتفق مالک والشافعی وابو حنیفۃ واحمد علیٰ ان زیارۃ النبی ﷺ من افضل المندوبات''

(حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۱۲۹)

لہٰذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ ﷺ نہیں سنتے...... روضہ اطہر کی زیارت کے لیے نہ جانا جہاں ان احادیث صحیحہ کا...... (جن میں سماع النبی عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے)...... انکار ہے، اجماع امت سے بھی انحراف ہے جس کی امانت ودیانت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے...... اعاذنا اللہ منہ...... وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے۔ چنانچہ بذل المجہود کی عبارت قارئین کرام کی نظر سے گزر چکی ہے۔

علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: ''وترک کردن زیارت آنحضرت ﷺ مع الامکان غفلتے است عظیمہ وشناعتی قبیحہ''　(حیات القلوب ص ۲۹۸)

اس لیے گنجائش کے باوجود زیارت کے لیے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال نمبر ۵: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال وکذاب ومشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟

جواب: منکرین حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض علماء نے تو ان کو اہل سنت والجماعۃ سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند ایسے شخص کو اہل سنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں...... اس باب (حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی ہے اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔''

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند غیر مطبوعہ)

اس فتویٰ پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب ہزارویؒ کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیاۃ الانبیاء) جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً علمائے دیوبند کو کافر مشرک اور دجال کہیں یہ ایک حیرت انگیز بات ہے ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

سوال نمبر ۶: منکرین ثواب وعذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جملہ اہل سنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برزخ) میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت وسرور نصیب ہوتا ہے اور کفار ومنافقین کو نیز گناہگاروں کو عذاب اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ نے عذاب قبر کے منکر کو کافر کہا ہے حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑے محتاط ہیں اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو (۱۰۰) معانی کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے جن میں ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں

اور صرف ایک پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد وہ اسلام کا پہلو ہی ہو۔ ہاں اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتوی سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی مسئلہ کی وضاحت کے لیے مسلّم حضرات فقہاء کرام میں سے چند بزرگوں کی شہادت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر فقہائے اسلام کی نظر میں

علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں: ''ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر الکرام الکاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر الرؤیۃ لانہ کافر'' (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۴۹)

ترجمہ: جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کرام الکاتبین اور عذاب قبر اور رؤیت باری تعالی کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، وہ کافر ہے۔ (مماتی لوگ جس دلیری سے عرفی قبر میں عذاب ہونے کا انکار کر رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں)

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبد الواحد الحنفی السیواسیؒ فرماتے ہیں: ''ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھذہ الامور من الشارع ﷺ'' (فتح القدیر مصری ج ۱ ص ۲۴۷)

ترجمہ: شفاعت اور اللہ تعالی کے دیدار اور عذاب القبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے فتاوی عالمگیری میں بھی انکار عذاب قبر کو کفر لکھا ہے۔

(فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۳۰۱ طبع مصری)

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزرجی الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں: ''فاعلموا ایھا الاخوان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالی یاخذ بابصار الخلائق واسماعھم من الجن والانس عن رؤیۃ عذاب القبر ونعیمہ لحکمۃ الھیۃ ومن شک فی ذلک فھو ملحد'' (مختصر تذکرۃ القرطبی لعبد الوہاب الشعرانی ص ۳۶ طبع مصری)

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالی اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہی یہ ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

علامہ عبد الشکور السالمیؒ فرماتے ہیں: ''فاما عذاب القبر للمؤمنین حق للکافرین من الواجبات واللہ تعالی یقول النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا یعنی فرعون وقومہ دل انہ کان صحیحا فی ای موضع وعلی ای حال ومن انکر ھذا یصیر کافرا واللہ اعلم'' (تمہید ص ۱۲۵ طبع مصر)

ترجمہ: عذاب قبر مومنین کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے، جس جگہ بھی ہو اور جس

حالت میں بھی ہو جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم۔

علمائے دیوبند کا فتویٰ نقل کردہ از بحر العلوم

مولانا عبد العلی بحر العلوم الحنفیؒ لکھتے ہیں: "منکر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر والكرام الكاتبين كافر" (رسائل بحر العلوم ص ۹۹)

ترجمہ: اہل کبائر کی شفاعت کا منکر رویت باری تعالیٰ کا منکر عذاب قبر کا منکر اور کرام کاتبین کا منکر سب کافر ہیں۔

دستخط حضرات مفتیان کرام دیوبند

مہر دار الافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند ۲۲ شعبان ۱۴۰۵ھ

علماء دیوبند نے اپنے اس فتویٰ میں جواب کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ اس جواب سے وہ تمام جزئیاتی فتویٰ جو بعض مماتی لئے پھرتے ہیں ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں لیکن یہ جواب اس وقت کا ہے جب مسئلہ حیات پنجاب (پاکستان) میں کافی معرکۃ الآراء ہو چکا ہے ہماری پہلی جلد اس فتویٰ پر ختم ہو رہی ہے نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس دوسری جلد کو پہلے دور کے کچھ محدثین کبار کے بیانات سے مزین کریں جبکہ پوری دنیائے اسلام میں وفات النبی ﷺ کے عنوان سے کسی مسجد و مدرسہ اور کسی صفِ اسلام میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ ہم اس جلد ثانی کے اختتام پر امام عبد الرحمٰن الدارمی (۲۵۵ھ)، امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (۲۵۶ھ)، امام بیہقی (۴۵۸ھ)، حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ)، اور حافظ ابن عساکر (۵۷۱ھ) کو اپنے حق میں حق کی صدا سمجھتے ہیں۔

حضرت امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۲۵۵ھ) نے اپنی سنن میں باب وفات النبی کے بعد مندرجہ ذیل باب باندھا ہے: "باب ما اکرم اللہ تعالیٰ بنبیہ بعد موتہ" (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اپنے نبی کے جسد اطہر کا کتنا اکرام فرمایا اور اسے عزت دی۔

پھر حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا اور امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے دلائل النبوۃ کے علاوہ ایک مستقل مختصر کتاب حیات الانبیاء کے نام سے لکھی ہے۔

ہم یہاں صرف امام دارمی (۲۵۵ھ) کی بیان پیش کر کے اس جلد کا اختتام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بیان سے اہل السنہ والجماعہ کی مدد فرمائے اور معتزلہ کے ہر پراپیگنڈے کو اپنی ہر ادا میں ناکام فرمائے۔

۱...... حضرت ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں: "قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطاً شَدِيداً فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ (فَاجْعَلُوا مِنْهُ كِوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ. قَالَ فَفَعَلُوا فَمُطِرْنَا مَطَراً حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ" (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴)

ترجمہ: ایک دفعہ مدینہ میں سخت قحط پڑا لوگوں نے اپنی اس تکلیف کی شکایت ام المؤمنین حضرت

عائشہ ﷞ سے کی، آپ کے فرمایا کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کو دیکھو اس پر آسمان کی طرف روشندان اس طرح بنا دو کہ حضور ﷺ کی قبر اور آسمان کے درمیان کوئی چھت نہ رہے۔ ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے کہا صحابہ ﷢ نے ایسا ہی کر دیا پھر ہم پر اتنی بارش ہوئی کہ چاروں طرف سبز گھاس نکل آئی اور اونٹ چربی بڑھنے سے اس طرح موٹے ہوئے کہ یہ سال ہی عام الفتق کے نام سے موسوم ہو گیا۔

اس سے صورت حال یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک اور آسمان کے مابین کوئی چھت نہ تھی اور پورا مدینہ سبزے سے روشن ہو گیا۔

امام دارمی نے اس پر جو باب باندھا ہے یہ ہے: "باب ما اکرم اللہ تعالیٰ بنیہ بعد موتہ"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا اس کی موت کس طرح اکرام فرمایا۔

یہ مدینہ میں ہر طرف بارش سے سبزہ نکل آنا یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر مبارک کا اس طرح اکرام فرمایا۔

آگے امام دارمی نے حضرت سعید بن عبدالعزیز سے ایام حرۃ سے ایام میں حضور ﷺ کی قبر مبارک سے اذان کا سنا جانا اس طرح روایت کیا ہے:

۲ ......"قال لما کان أیام الحرة لم یؤذن في مسجد النبي ﷺ ثلاثا ولم یقم ولم یبرح سعید ابن المسیب من المسجد وکان لا یعرف وقت الصلاة إلا بهمهمة یسمعها من قبر النبي ﷺ"

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی قبر میں آپ کا جسدِ اطہر محض ایک جمادی حالت میں نہیں وہ ایک مکان میں ہے اور مکان کہتے ہی ایسی جگہ کو ہیں جہاں کوئی رہنے والا ہو، حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ ﷤ کو ان کی قبر میں دیکھا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ (رواہ مسلم)

اور ظاہر ہے کہ قبر دیکھنے میں اتنی اونچی نہیں ہوتی کہ کوئی اس میں کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے۔ لفظ مکان اپنی لفظی دلالت سے بتا رہا ہے کہ اس میں کوئی رہنے والا ہے، جہاں کوئی جسد محض جمادی حالت میں ہوگا اسے مکان نہیں کہتے۔

قرآن کریم کی اس آیت کی رو سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے جب آپ کی قبر پر حاضری دیتے تو اپنے اعتقاد میں وہ اسے حضور ﷺ کے مکان پر حاضری دینے والا سمجھتے تھے۔ یہ نہیں کہ وہ پتھروں اور اینٹوں پر حاضری دے رہے ہیں۔

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" (پ۵، النساء ۶۴)

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے برا کیا اپنے اوپر آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو (اللہ سے) بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔

مفتی اعظم دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں: "اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔"

آپ علامہ ابوحیان اندلسی کی تفسیر بحر محیط سے حضرت علی کی یہ روایت نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "جب ہم رسول اللہ (ﷺ) کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین دن بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار و زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا............ میں آپ کی خدمت میں

حاضر ہوا ہوں اندر سے آواز آئی قد غفر لک یعنی مغفرت کردی گئی۔'' (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰)

حضرت عبداللہ بن عمر﷠ ایک دفعہ آپ کی قبر مبارک پر حاضر تھے ان پر کسی نے اعراض کیا آپ نے فرمایا میں پتھروں کے پاس نہیں آیا حضور ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ اس سے بھی یہی پتہ چلا کہ آپ کی قبر مبارک ایک مکان ہے اور مکان عربی میں کہتے ہی اس جگہ کو ہیں جہاں کوئی ہو، کان اور مکان کا مادہ ایک ہے۔

کان افعال ناقصہ میں آتا ہے اور افعال تامہ میں بھی۔ افعال ناقصہ میں مبتداء اور خبر دونوں پر آتا ہے مبتداء کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے اور مبتداء کو خبر کے لئے ثابت کرتا ہے، مبتداء کو اسم کان کہتے ہیں جیسے کان زید قائما۔ افعال تامہ میں یہ ثبت کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کان اللہ ولا شیئ معہ اللہ تعالیٰ لامکانی ہے اس کو کسی جگہ اور مکان کی حاجت نہیں، جب یہ اس کے لئے آئے تو ثبت کا معنی دے گا، کبھی یہ حصر کا معنی بھی دیتا ہے جیسے ان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ، وقع کے معنی بھی دیتا ہے جیسے ماشاء اللہ کان۔

ماضی، حال اور دوام و استقرار کے لئے بھی آتا ہے جیسے (۱) '' كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ''، (۲) ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' اور'' (۳) ''كَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا''

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جہاں پتھر ہی دھرے ہوں اس کو مکان نہیں کہتے، پتھری اگر حضور ﷺ کے جسد اطہر کو پتھر کی طرح بے حس بتائیں تو انہوں نے آپ کی قبر کو مکان نہیں سمجھا۔ عربی میں یہ کسی کے رہنے کی جگہ کو ہی کہتے ہیں اور صرف اتنی بات نہیں حضور ﷺ اپنے روضہ اقدس میں ہو خوش نصیب مؤمن کے سلام کو سنتے ہیں۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۳..... محدث دارمیؒ نے اس باب اکرام میں تیسری حدیث یہ روایت کی ہے: ''عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ، أَنَّ كَعْبًا دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، فَذَكَرُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ كَعْبٌ: " مَا مِنْ يَوْمٍ يَطْلُعُ إِلَّا نَزَلَ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ، حَتَّى يَحُفُّوا بِقَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ يَضْرِبُونَ بِأَجْنِحَتِهِمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا أَمْسَوْا، عَرَجُوا وَهَبَطَ مِثْلُهُمْ فَصَنَعُوا مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا انْشَقَّتْ عَنْهُ الْأَرْضُ، خَرَجَ فِي سَبْعِينَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَزِفُّونَهُ'' (سنن دارمی ج ۱ ص ۴۴)

ترجمہ: نبیہ بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت کعب حضرت ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ روایت سنائی: ہر دن جو آتا ہے اس میں ستر ہزار فرشتے روضہ پر اترتے ہیں اور حضور ﷺ کی قبر سے لپٹ جاتے ہیں اپنے پر مارتے ہیں اور آپ پر درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جائے، شام کو وہ واپس اوپر چلے جاتے ہیں اور اتنے اور فرشتے نیچے آتے ہیں اور اسی طرح آپ پر درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ قبر مبارک آپ پر کھل جاتی ہے اور ستر ہزار فرشتے آپ سے لپٹ جاتے ہیں۔

امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) نے یہ تین روایتیں اپنی سنن میں حضور ﷺ کے اکرام پر روایت کی ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسد کا اکرام فرمایا جس سے یہ بات بڑی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے روضہ اطہر میں جسدی حیات سے زندہ ہیں اور شب و روز اللہ کے فرشتے آپ پر اترتے ہیں اور آپ پر سلام پڑھتے ہیں، آپ سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔